سراج البیان

از

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان

۱۹۹۲ء

ناشر
گابا سنز
اردو بازار۔ ایم اے جناح روڈ۔ کراچی
فون: ۲۱۱۰۵۰-۲۳۰۶۰۶۱

Marfat.com

سراج البیان

از

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان

سنہ ۱۹۹۲ء

ناشر

گابا سنز

اردو بازار۔ ایم اے جناح روڈ۔ کراچی

فون: ۲۳۰۶۰۶، ۲۱۱۰۵۰

Marfat.com

عزیز گرامی پروفیسر ڈاکٹر نجم الاسلام کے نام

تہی دیدم سبوے این و آں را
مئے باقی بہ مینائے دلِ تُست

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدّمہ

عمر اپنے آخری مراحل میں ہے۔ معلوم نہیں، کب وقت آجائے۔ اب تو صرف یہ تمنّا ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں پردہ پوشی فرمادے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شفاعت سے محروم نہ فرمائیں۔

یہ چند مضامین یک جا کیے جارہے ہیں۔ شاید کسی کے کام آجائیں اور راقم الحروف کو "نفعِ اُخروی" حاصل ہوسکے، بڑے مضامین میں پہلا مضمون "ثقافتی اردو" ہے جسے مجلس ترقیِ ادب (لاہور) اور ادارۂ مصنّفینِ پاکستان (کراچی) نے ۱۹۶۱ء کا بہترین مقالہ قرار دیا تھا۔ دوسرا مضمون "بابائے اردو کی اردو" ہے جو بابائے اردو کی زندگی میں لکھا تھا، لیکن انھوں نے اسے اپنی تعریف سمجھ کر اپنے ذاتی فائل میں چھپا کر رکھ دیا تھا۔ تیسرا مضمون ہے "قدیم خطوط اور عرضیاں"۔ اس میں قدیم اردو کے نمونے بھی ہیں اور سلطان ٹیپو شہیدؒ کے بعض اخلاق کے متعلق کچھ مفید تاریخی معلومات بھی ہیں۔

قارئینِ کرام نے فہرست کے یہ سب مضامین پہلے بھی دیکھے ہوں گے۔ اب بھی دیکھیں گے لیکن بغیر کسی ترمیم و اضافہ کے۔ کیونکہ اب :-

ع دل میں طاقت، جگر میں حال کہاں؟

تاہم دو تین مضامین نئے ہیں۔ البتہ "ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کے علمی مکتوبات" صرف افادیت کے خیال سے شامل کیے جارہے ہیں ورنہ اس مضمون میں راقم الحروف کی کاوش کو دخل نہیں۔ یہی حال "علامہ سیوطیؒ اور علمِ لُغت" کا ہے کہ وہ صرف ترجمہ ہے۔ فقط۔

احقر: غلام مصطفٰے خان

مدینۃ العلم جامعہ مجددیہ
نور آباد۔ فتح گڑھ سیالکوٹ

Marfat.com

فہرست مضامین

	صفحہ
(۱) ثقافتی اردو (نیا دور۔ کراچی ۱۹۶۱ء)	۹
(۲) بابائے اردو کی اردو (اردو۔ کراچی ۱۹۶۳ء)	۵۸
(۳) قدیم خطوط اور عرضیاں (نقوش۔ لاہور۔ اپریل مئی ۱۹۶۸ء)	۱۰۱
(۴) رسالہ گنج الاسرار (الرحیم۔ حیدرآباد۔ جولائی اگست ۱۹۶۸ء)	۱۳۳
(۵) مولانا احمد رضا خاںؒ کی اردو شاعری (حریت۔ کراچی۔ ۲ جنوری ۱۹۸۱ء)	۱۵۳
(۶) بعض مظلوم کتابیں (اردو۔ کراچی ۱۹۸۵ء)	۱۵۹
(۷) چند یادداشتیں (اردو۔ اکتوبر دسمبر ۱۹۸۶ء)	۱۷۶
(۸) خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ	۱۹۳
(۹) تحقیق کے بنیادی لوازم (مقتدرہ قومی زبان۔ ۱۹۸۶ء)	۲۰۹
(۱۰) مثنوی کلام نبیؐ (اورینٹل کالج میگزین۔ لاہور ۱۹۸۶ء)	۲۱۵
(۱۱) شیخ عبدالحقؒ کے چند مکتوبات۔	۲۳۲
(۱۲) دیوانِ قطب الدینؒ	۲۳۹
(۱۳) ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کے علمی مکتوبات (مجلس ارمغانِ علمی۔ لاہور ۱۹۵۵ء)	۲۴۹
(۱۴) علامہ سیوطیؒ اور علمِ لغت (اردو نامہ کراچی۔ جنوری مارچ ۱۹۶۳ء)	۲۵۹
(۱۵) مولانا سلیمان اشرفؒ	۲۹۳
(۱۶) پروفیسر ضیاء احمد بدایونیؒ (فاران۔ کراچی۔ نومبر دسمبر ۱۹۷۳ء)	۲۹۶
(۱۷) پروفیسر محمد طاہر فاروقی (فاضل بزرگ خیابان فاروقی۔ پشاور۔ اپریل ۱۹۸۰ء)	۳۳۱
(۱۸) شامِ صحرا اور اس کا مصنف (چٹان۔ لاہور۔ ۶۔۱۳ اکتوبر ۱۹۷۵ء)	۳۴۲

ثقافتی اردو

اِس مضمون کا موضوع "ثقافتی اردو" ہے۔ اور اس کے دونوں لفظ اپنے اندر بڑی وسعت و پہنائی رکھتے ہیں۔ ثقافت کے ذیل میں وہ تمام طور و طریقے، رسم و رواج اور عادات و خصائل وغیرہ آجاتے ہیں جو مختلف قوموں کے باہمی ارتباط و اختلاط سے متعلق ہوں اور خود اردو بھی ایسی ہے کہ جس سے متعدد اقوام اور اُن کی مختلف زبانوں کے میل جول کا پتا چلتا ہے۔ یہ زبان کن حالات میں اور کس ہیولیٰ سے صورت پذیر ہوئی، ایک طویل داستان ہے۔ لیکن اس داستان میں ایک حقیقت مسلمہ ہے اور وہ یہ کہ اِس زبان کی تعمیر اور نشو و نما میں مسلمانوں کا ہاتھ بھی ضرور ہے۔

برِصغیر پاک و ہند میں اسلام کے ابتدائی دور ہی میں سراندیپ، مالدیپ، ملیبار، کارو منڈل، گجرات اور سندھ جیسے مراکز ایسے تھے جہاں مسلمانوں نے اپنے قدم جما لئے تھے اور سندھ کا تو وہ علاقہ ہے جہاں صحابۂ کرامؓ کے تشریف لانے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ مسلمانوں کا پہلا بیڑا حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں ہندوستان میں تھانہ (بمبئی) آیا جب کہ بحرین میں عثمان ثقفی، صوبے دار تھے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں مسلمانوں کے فوجی دستے کئی بار یہاں کے حالات دیکھنے کے لئے آئے اور بالآخر محمد بن قاسمؒ نے ۹۳ھ میں سندھ پر حملہ کیا اور اس صوبے کو عربوں کی مملکت میں شامل کر لیا۔ حجاج کے ظلم و استبداد کے واقعات مشہور ہیں۔ اس نے ہشام کے خاندان والوں کو اس قدر پریشان کیا کہ انہوں نے بھاگ کر کونکن اور کنیا کماری CAPE CAMORIN میں پناہ لی۔ چنانچہ "نوایت" اور "لبّے" نام کی قومیں

لہ ایلیٹ۔ ہسٹری آف انڈیا۔ جلد اول۔ صفحہ ۱۱۵۔ ۱۱۶

Marfat.com

ان ہی کی نسل سے ہیں۔ —— ملیبار کے قریب کولم کے قبرستان میں ایک بزرگ علی بن عثمانؓ کی قبر پر ۱۶۶ھ (۷۸۲ء) کا کتبہ لگا ہوا ہے [۱]۔ اسی زمانے میں دکن کے بودھ، جین اور ویدک دھرم والوں میں آپس کی سخت جنگیں چھڑی ہوئی تھیں۔ ملیبار کے چیرمن پیرومل خاندان والے بھی ان جنگوں سے پریشان تھے۔ بالآخر اس خاندان کے آخری راجہ نے نویں صدی عیسوی کے اوائل میں اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد سے ملیبار میں یہ رواج پڑ گیا کہ جب کوئی راجہ تخت پر بیٹھتا تو اُس کا سر مونڈتے اور اُسے مسلمانوں کا لباس پہناتے۔ پھر ایک موپلا اس کے سر پر مکٹ رکھتا [۲]۔ ٹراونکور کے راجہ جب تخت نشین ہوتے تو کمر میں تلوار باندھ کر یہ اعلان کرتے کہ "میں اس تلوار کو اُس وقت تک رکھوں گا جب تک میرا چچا جو مکہ معظمہ گیا ہے واپس نہ آجائے۔" بہر حال اس طرح سراندیپ، مالدیپ، ملیبار، کارومنڈل، گجرات اور سندھ میں مسلمانوں کے جو چھوٹے مراکز قائم ہوگئے تو ان میں بکثرت مسجدیں، درس گاہیں اور اسلامی روایتیں قائم ہوتی گئیں۔ ٹھیک اسی طرح مسلمانوں نے بھی اس ملک کے اثرات قبول کئے۔ مولانا سلیمان ندوی مرحوم نے اپنی کتاب "عرب و ہند کے تعلقات" میں ان اثرات کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔ بلکہ یہ بھی ارشاد فرمایا ہے قرآن پاک کے تین الفاظ زنجبیل، کافور اور مسک (مشک) بھی ہمارے ملک کی یادگار ہیں۔ عربی لغات میں ہند، ہندہ، مہند وانی خالص ہندوستانی اختراعات ہیں۔ البیرونی (۴۴۰ھ) نے عربی کشتی بارجہ کو بیڑہ (بارجہ) کا معرب کہا ہے [۳] اور بلنج ہی سے LAUNCH بنا ہے۔ دونیج ڈونگی کی عربی شکل ہے۔ موری بھی ہوڑی کی شکل ہے [۴]۔ صندل (چندن)۔ تنبول (تامبول)۔ ہرنقل (کنگ پھول)۔ بسط (بھات)۔ فلفل (پپلی)۔ فوفل (کوبل)۔ نیلوفر (نیلو پھل)۔ جبل (ایل)۔ جائفل (جاے پھل)۔ اطریفل (تری پھل)۔ بلیلج (بہیڑا)۔ ہلیلج (ہڑا)۔ بلاور (بھلانوا)۔ قسط (کٹ)۔

---

[۱] "مسلمانوں کا ہندوستان میں آنا" از ڈاکٹر تاراچند۔ رسالہ ہندوستانی۔ جنوری ۱۹۳۱ء

[۲] ایضاً۔ موپلا کے اصلی معنی بڑا لڑکا یا دولہا کے ہیں۔

[۳] کتاب الہند (لندن) صفحہ ۱۰۲۔

[۴] عجائب الہند۔ بزرگ بن شہریار (لیڈن)۔ صفحہ ۶۹۔

Marfat.com

نیلج (نیل)۔ قرمز (کرم) ۔ نارجیل (ناریل) وغیرہ بکثرت الفاظ ہمارے ملک سے عربی میں لئے گئے۔ مولانا سلیمان ندوی مرحوم نے شطرنج، نرد اور علم ہندسہ کو بھی ہندی الاصل کہا ہے اور فارسی لفظ ناخدا کو "ناؤ خدا" سے تعبیر کیا ہے۔ اسی لفظ سے پھر انگریزی میں NAVY اور NAUSEA وغیرہ الفاظ تیار ہوئے۔ عرب و ہند کے ان روابط کی نوعیت، شمالی پاک و ہند کے حالات کی خصوصیت سے مختلف تھی۔ وہ علاقہ عرب فاتحین کے اثرات اور اسلامی برکات سے براہِ راست مستفیض نہ ہو سکا۔ درۂ خیبر سے آنے والے فاتحین اپنے دل میں جہاد کا جذبہ ضرور رکھتے تھے لیکن اسلام کے قانونِ جنگ سے عملاً ناآشنا تھے۔ لوٹ مار سے زیادہ تعلق تھا۔ اُن میں حضرت خالد بن ولید اور حضرت ابو عبیدہ بن جراح والا جذبہ نہ تھا۔ تاہم محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ) کے دل میں دین کی محبت تھی۔ حضرت مسعود سالار غازیؒ اور حضرت داتا گنج بخشؒ جیسے بزرگوں کے اخلاقی اور دینی فیوضات اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ لیکن مغلوں کی حالت عرصے تک درست نہ ہو سکی۔ ابن بطوطہ (م ۷۷۹ھ/۱۳۷۷ء) نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ:۔

"ہرات کے آس پاس کے رہنے والے بڑے بہادر ہیں۔ اہلِ ہند پر برابر دھاوا بولتے ہیں اور بسا اوقات مسلمان عورتوں کو بھی لونڈیاں بنا کر لے آتے ہیں۔" [۱]

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ ان مغل مسلمانوں میں اسلامی غیرت اور حمیت کہاں تک تھی اور ان کے حملوں کی نوعیت کیا تھی چنانچہ جب یہ حالت تھی تو اُن کا لایا ہوا دین بھی بہت کچھ بدلا ہوا تھا۔ ان کی زبان، تہذیب، لباس اور رسم و رواج زیادہ تر اسی ملک کی پیداوار ہیں۔ پھر اہلِ ہند کے روابط جو امتزاج اور ازدواج کی حدود تک پہنچے ہوئے تھے۔ اس معاشرت اور ثقافت کو کہاں سے کہاں لے گئے تھے۔ شعائرِ اسلام کی پابندی رفتہ رفتہ دور ہونے لگی۔ علاء الدین خلجی (م ۷۱۶ھ) کے عہد کا ایک واقعہ ہے کہ مصر کا ایک محدث شمس الدین ترک، حدیث کی ترویج و تبلیغ کی غرض سے ہندوستان آئے اور اس فن سے متعلق کوئی چار سو کتابیں بھی ساتھ لائے۔ ان کا خیال تھا کہ بادشاہ کی خدمت میں ایک جامع شرح لکھ کر پیش کی جائے لیکن وہ ابھی ملتان ہی میں تھے کہ انہیں معلوم ہوا کہ بادشاہ نماز پنجگانہ کا

---

[۱] ابن بطوطہ۔ ج ۳۔ ص ۷۱۔ مطبوعہ پیرس

پابند نہیں اور نہ اُسے جمعہ کی جماعت کا خیال ہے، اس لئے واپس چلے گئے۔ لیکن جلال الدین خلجی میں دینی حمیت تھی۔ تاریخ فیروز شاہی (صفحہ ۲۱۶) میں اس بادشاہ کا احساسِ غم درج ہے کہ دینی شعائر اور اہلِ اسلام کی بے حرمتی کا اُسے کس قدر ملال تھا۔ اس عہد کے بعد محمد تغلق (م ۷۵۲ھ) کے متعلق ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ "دین کے شعائر اس کے یہاں محفوظ ہیں۔ اور نماز کے معاملے میں وہ سخت گیر ہے۔ تارکین کے لئے سزائیں مقرر ہیں"۔ [1] پھر فیروز تغلق (م ۷۹۰ھ) کے زمانے میں بھی دین کی پابندی سختی سے رہی لیکن معاشرہ بدل چکا تھا۔ فتوحات فیروز شاہی میں ہے کہ "زندیقوں کا ایک گروہ مستقل طور پر لوگوں کو زندقہ اور الحاد کی ترغیب دیا کرتا تھا۔ رات کو وہ دوستوں اور ملنے والوں کے ساتھ ایک جگہ جمع ہوتے، شراب کا دور چلتا اور وہ اسے مذہبی عبادت قرار دیتے، وہ اپنی بیویوں، ماؤں اور لڑکیوں کو بھی ساتھ لاتے اور جس کا دامن چاہتے پکڑ لیتے۔ میں نے اس فرقہ کے سرداروں کو موت کی سزا دی اور باقی کو جلاوطن کیا یا قید کیا، تاکہ آئندہ ایسی جماعت کی مساعی ختم ہو جائیں [2] اس قسم کے اور واقعات بھی درج ہیں۔ سکندر لودی (م ۹۲۳ھ) کے واقعات بھی کچھ اسی طرح ملتے ہیں اور اُسے بھی ہمارے جدید مورخین تنگ نظر اور متعصب سمجھتے ہیں۔ لیکن ان بادشاہوں کی کوششوں کے باوجود بدعات اور رسومات بڑھتی گئیں اور دسویں صدی ہجری یعنی سولھویں صدی عیسوی میں نہ صرف ہندو اثرات بلکہ ہندو معتقدات بھی پوری قوت کے ساتھ ہمارے دین میں رس بس گئے۔ بنگال میں سلطان علاء الدین حسین شاہ (م ۹۲۷ھ) نے ستیہ پیر کی عبادت کو رواج دے کر ایک نئی طرز کا دین قائم کیا جس میں ستیہ یعنی نرائن یا وشنو کو خدا قرار دے کر اہلِ ملک کی دوستی کا دم بھرا گیا [3] اکبر نے تقریب پچاس سال بعد یعنی ۹۸۳ھ میں ابوالفضل اور اُس کے ہم خیال علماء کی ترغیب پر ایک نئے دین کی بنیاد ڈالی۔ تاکہ حکومت کو استحکام حاصل ہو مخدوم الملک اور عبدالنبی جیسے علماء نے بھی اس محضر پر دستخط کر دیئے۔ اب پیشانی پر قشقہ لگایا گیا۔ اسلام کا طریقہ

---

[1] ابن بطوطہ۔ ج ۳۔ صفحہ ۲۱۶۔ مطبوعہ پیرس

[2] بحوالہ الفرقان۔ بریلی۔ شاہ ولی اللہ نمبر۔ مضمون مولانا مسعود عالم ندوی۔

[3] بحوالہ ایضاً

Marfat.com

بدل دیا گیا۔ گاؤ کشی بند ہوئی۔ اذان ممنوع ہوئی۔ سجدۂ تحیہ جائز ہوا۔ عقیدۂ تناسخ تسلیم کیا گیا۔ راکھی۔ پونم، شیوراتری وغیرہ رسمیں عام ہوئیں۔ بادشاہ کا درشن ضروری ہوا۔ محمد اور احمد جیسے نام تبدیل کر دیئے گئے اور معاذ اللہ (خاکم بدہن) ہمارے آقا حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں دجال کے اوصاف تلاش کئے گئے۔ اسلام پر ایسا سخت وقت غالباً کبھی نہیں آیا۔

ایسے نازک وقت میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ (۱۰۳۴ھ) نے قوم پر بڑا احسان کیا۔ لیکن ایسے محسن کو ہم میں سے کم لوگ جانتے ہیں۔ یہ انہی کا فیض تھا کہ جہانگیر سے لے کر اورنگ زیب تک ایک بار پھر اسلام کا عَلَم بلند ہوا۔ فتاویٰ عالمگیر جیسی بے مثل کتاب تیار ہوئی اور انہی کے شاگرد سلسلہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) نے احیائے دین کی خدمات انجام دیں۔ ادھر مسلمانوں کے ارتباط اور اختلاط نے بھی برِ صغیر کے مذاہب پر زبردست اثر ڈالا۔ ڈاکٹر تارا چند نے اپنی کتاب INFLUENCE OF ISLAM ON INDIAN CULTURE میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ رام بھگتی، کرشن بھگتی، کبیر پنتھی، ست نامی، ویراگی جیسے کتنے فرقے ہیں جو مسلمانوں سے متاثر ہوئے۔ گوسائیں جانی، دھرنی داس، پران ناتھ، بلا صاحب، چرن داس، سہجو، غریب داس، شیونرائن، کیشو داس، سہجانند، نام دیو، تکارام وغیرہ کتنے اہلِ فکر و ذکر تھے جنہوں نے اسلامی دین و تصوف سے بہت زیادہ اثر قبول کیا۔ پلٹو داس یہاں تک کہہ گیا ہے کہ "پلٹو داس کہتا ہے کہ وہ ہر لمحہ اور ہر سمت مکہ معظمہ کو دیکھ رہا ہے" اور تکارام تو بالکل مسلمان معلوم ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ "بلاشبہ خدا ایک ہے اور بے شک نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک ہیں۔ ہاں خدا ایک ہے، خدا ایک ہے، خدا ایک ہے، نہ تو ہے اور نہ میں ہوں (بس وہی وہ ہے)" وحدۃ الوجود کے ماخذ پر محققین کو اختلاف ہے کہ وہ ویدانت سے لیا گیا ہے یا افلاطونی فلسفے سے ماخوذ ہے۔ لیکن اس امر پر اکثر کا اتفاق ہے کہ ہندوؤں میں وحدت تنزیہی یقیناً اسلام کے اثر سے ہے [۱] حلول، بروز، ذات، نور، تجلی، معراج، روح، عالم ناسوت، جبروت، ملکوت، لاہوت، ہاہوت

---

[۱] عرب و ہند کے تعلقات (مذہبی تعلقات)

وغیرہ مصطلحات بھی مسلمانوں کے اثر سے رائج ہوئے۔ بلکہ سکھ حضرات کے بہت سے معتقدات مسلمانوں کے مطابق ہیں۔ پھر ان کا لباس بھی مسلمانوں سے بہت قریب ہے۔ سر پر پگڑی باندھنا، داڑھی بڑھانا، سر کے بال بڑھانا، ڈھیلا پاجامہ پہننا، تلوار رکھنا وغیرہ سب مسلمانوں کے اثر سے ہے۔ ہندوؤں نے اپنے مذہب کا علمی طریقے پر مطالعہ کر کے جو آریہ سماج قائم کیا ہے وہ بھی مسلمانوں سے بالواسطہ متاثر ہو کر کیا ہے۔

فنِ تعمیر میں بھی مسلمان اور دوسری اقوام کا اختلاف نمایاں ہے۔ مسلمانوں کی مسجد کی کشادگی، میناروں اور دروں کی بلندی، محراب و منبر کی مرکزی حیثیت، صفوں کا بسط و کشاد، اذان کا ترفع، خطبے کا پیامِ اتحاد، امام کی اطاعت وغیرہ ایسی خصوصیات ہیں جن سے مسلمانوں کی وسعتِ قلبی، بلند حوصلگی اور آفاقیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ہندوؤں کے تنگ مندر، چھوٹے چھوٹے مینار، تنگ و تاریک نشستیں، عمیق غار، چھوٹی چھوٹی برجیاں، گھنی نقاشی، بتوں اور عجیب و غریب ہیئت کے معبودوں کی پوجا وغیرہ وہ خصوصیات ہیں جو اس مذہب کی تنگ خیالی اور پریشان نظری کا ثبوت دیتی ہیں۔ VINCENT SMITH نے آگرہ میں حضرت سلیم چشتیؒ کے مقبرے کو ہندو ساخت کا نمونہ کہا ہے[1] اور HANEL نے فتح پور سیکری کی مسجد کو وشنو مندر سے تشبیہ دی ہے[2]۔ لیکن اس کے برعکس رانپور (جودھپور) کا مندر۔ برندرابن میں گووند دیو کا مندر۔ بندیل کھنڈ اور سی پی میں جین دھرم والوں کے مندر۔ برار میں مکتا گری کے مندر۔ وجیانگر، چندرگڑھ، مدورا، تنجور کے محلات۔ اودے پور میں امر سنگھ کا محل، ریاست بوندی کا محل، چھترپور کے محلات۔ کوٹہ، الور، دہلی اور لاہور وغیرہ کے محلات اور مختلف مقامات کی چھتریاں اور سمادھیاں بلاشک و شبہ، مسلمانوں کے فنِ تعمیر کی غمازی کرتی ہیں۔ مصوری، نقاشی، خطاطی، حکاکی قرطاسی، میناکاری، پچی کاری، جوہر کاری وغیرہ ایک دو نہیں بلکہ بکثرت فنون باہمی اثرات و تاثرات کی تاریخ اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔ چنانچہ باہمی تعلقات کی

۱۔ AKBAR THE GREAT MUGHAL PP. 442, 445

۲۔ A HAND BOOK OF INDIAN ART. P. 65

Marfat.com

وجہ سے بے شمار الفاظ ہماری زبان میں داخل ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں۔

اردو شاعری ہو یا نثر، اس کے تمام شاہ پاروں اور شاہ کاروں میں ایسے الفاظ کی کثرت ہے اور قدیمین سے لے کر آج تک کے تمام شاعر اور نثر نگار ایسے ثقافتی الفاظ برابر استعمال کرتے رہے ہیں۔ ہم یہاں سب سے پہلے ہندو اثرات کا ذکر کرتے ہیں۔

خالص ہندوانہ الفاظ وہ الفاظ اور ان کے متعلقات جو ہندو مذہب و معاشرت سے مخصوص ہیں ہمارے ادب میں شروع ہی سے رائج ہیں۔ مولوی عبدالحق صاحب نے "اردو کی ابتدائی نشوونما" میں مختلف صوفیائے کرام کے کلام کے نمونے دیئے ہیں۔ حضرت امیر خسروؒ (م ۷۲۵ھ)، خواجہ گیسو درازؒ، شمس العشاق میراں جیؒ اور شاہ برہان الدین جانمؒ وغیرہ بزرگوں نے عوام سے قریب ہونے کے لئے ان کی زبان اختیار کی اور ہندوانہ الفاظ بھی بکثرت استعمال کئے۔ مؤخر الذکر بزرگ کا بہت سا کلام ہے۔ دو شعر ملاحظہ ہوں۔

پنتھ اکاس کا ونگیم جانے جل کا مارگ مین + سادھو کا انت سادھو جانے دوجے کوں میں مینی
ایسا سادھو بھاگوں نہیں تو جرنا رہنا لین + لوکاں بیت پکے الادی جن بوجھ بجھوں لادھی

سلاطین بھی یہی زبان استعمال کرتے تھے۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ (م ۱۰۲۰ھ) کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

سدا کھیلین اور مد ہے منجے + نہیں ہے خماری کبھیں ہور دے
سنپورن ہے نج جوت سوں سب جگت + نہیں خالی ہے نور سے کوئی شے

قطب مشتری (مصنفہ ۱۰۱۸ھ) میں یہ الفاظ آتے ہیں۔

اُتم۔ اکھنڈ (قریب)۔ اگن۔ امریت (امرت)۔ انبر (آسمان)۔ اتگ۔ اودھوت۔ بکٹ۔ بھاگ ونت۔ بھان۔ بُھجنگ۔ بھونیں۔ پتیارا۔ پردھان۔ پردھبجن۔ پُرش۔ پرگھٹ۔ پرمیں۔ ترلوک۔ جگ ادھار۔ داس۔ دھرتی دھرم راکس (راکشس)۔ سنگرام۔ سیس۔ مدنایک۔ من ہرن۔ نرمول۔ نیر۔ نیہ۔

ولی (م ۱۱۱۹ھ) کے یہاں یہ الفاظ آتے ہیں:۔ ارجن۔ راون۔ کاشی۔ کانور دیش۔ کشن۔ گوپی۔ لیلاوتی۔ من ہرن۔ موہن وغیرہ۔ ولی کے ہندو احباب کے نام اس کے علاوہ ہیں۔

Marfat.com

قاضی محمود بحری کی مثنوی من لگن (مصنفہ ۱۱۱۲ھ) میں بھی ہندی اور ہندوانہ الفاظ بکثرت ہیں۔

اے روپ نرا رتی رتی ہے + پربت پربت پتی پتی ہے۔
پربت میں ادک نہ کم پتی میں + یکسار ہے راس مور رتی میں
ساگر تو نہ سر مرداں میں ماگا + صندوق میں سور کیوں سماگا

. . . .

ہر بول میں معرفت کی بانی + سیتا کی نہ رام کی کہانی
تھا پور جو یک بڑا اپارا + سوبھاگ نگر میں کموئے سارا

لیکن شمالی ہند میں سیاسی مراکز کی وجہ سے فارسیت زیادہ غالب تھی اور وہاں کی تصانیف میں کوئی ملکی چیز اگر نمایاں حیثیت رکھتی ہے تو وہ بھاشا کی زبان اور خیالات ہیں۔ محمد افضل جھنجھانوی (م ۱۰۳۵ھ) نے بارہ ماسہ لکھا تھا جس میں بھاشا کی زبان بھی ہے اور جذبات بھی۔ کچھ اشعار ملاحظہ ہوں۔

سنو سکھیو بکٹ میری کہانی + بھئی ہوں عشق کے غم سوں دوانی
نہ مجھ کو سکھ دن نہ نیند راتا + برہوں کی آگ میں سینہ جراتا
تمامی لوگ مجھ بوری کہیں ری + خرد گم کردہ و مجنوں کہیں ری

ان کے بعد گیارھویں صدی ہجری کے آخر میں میر جعفر زٹل پیدا ہوئے اور انہوں نے فارسی آمیز اردو میں وہ گل کاری کی کہ داد دیئے بغیر چارہ نہیں۔ اورنگ زیب عالمگیر کے انتقال پر لکھتے ہیں۔

کہاں اب پائیے ایسا شہنشاہ + مکمل اکمل و کامل دل آگاہ
رکیبے آنسوؤں جگ روتا ہے + نہ میٹھی نیند کوئی سوتا ہے
صدائے توپ و بندوق است ہر سو + بسر اسباب صندوق است ہر سو

پروفیسر شیرانی مرحوم نے میر جعفر زٹل کی ضرب الامثال بھی نقل کی ہیں۔ کچھ یہ ہیں۔

تجھے پرائی کیا پڑی تو اپنی آپ نبیڑ ___ اندھے کی جورو کا خدا رکھوارا۔ ٹھالا بنیا پنسیری تولے۔ ماں پر پوت پتا پر گھوڑا ___ گدھوں کھایا کھیت پاپ نہ پن۔ داتا کی ناؤ پہاڑ چڑھے۔ نرت دان مہا پن ___ اوکھلی میں سر دینا دھمکیوں سے کیا ڈرنا۔[1]

[1] پنجاب میں اردو (۱۹۲۸ء) صفحہ ۱۹۹

Marfat.com

اس قسم کے الفاظ کا ذکر بعد میں آئے گا۔ اس باب میں ہمیں صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ شمالی ہند میں جو زبان عموماً رائج تھی۔ اس پر بھاشا اور فارسیت زیادہ غالب تھی۔ لیکن تاریخی اور سیاسی اعتبار سے ہندو اور مسلمان قومیں آپس میں شیر و شکر تھیں اور ایک دوسرے کے علوم و فنون سے بہرہ مند بھی تھیں۔ چنانچہ شمالی ہند کے شعراء اور ادباء کے یہاں مخصوص ہندوانہ الفاظ اور مصطلحات بہت شاذ ہیں۔ لیکن جب اُن کا ذکر خصوصی طور پر آتا ہے تو اس کی کچھ مثالیں مل سکتی ہیں۔ مثلاً میر حسن کی مثنوی سحر البیان (مصنفہ ۱۱۹۹ھ) میں یہ اشعار ہیں۔

کیا پنڈتوں نے جو اپنا بچار + تو کچھ انگلیوں پر کیا پھر شمار
جنم پتر اشاہ کا دیکھ کر + تُلا اور برچھیک پہ کر نظر
کہا رام جی کی ہے تجھ پہ دیا + چندرماں سا بالک نر ہوئے گا . . . .

اسی مقام پر فسانۂ عجائب (مصنفہ ۱۲۴۰ھ) کے الفاظ یہ ہیں۔

"ہماری پوتھی کہتی ہے، بھگوان کی دیا سے شہزادہ کا چندرماں بلی ہے، چھٹا سورج ہے جو گرہ ہے وہ بھلی ہے۔ ویگ تیگ کا مالک رہے، دھرم مورت یہ بالک رہے، جلد راج پر براجے، پرتھمی میں دھوم مچے ایسی شادی رچے۔ مگر پندرھویں برس مشتری بارھویں آئے گی، سنیچر پانوں پڑے گا۔ ایک پنکھیرو سوے کے برن میں ہاتھ آئے گا . . . ." لیکن یہ مثالیں خصوصی ہیں تاہم ایسے الفاظ کے استعمال میں نظیر اکبرآبادی (م ۱۲۴۶ھ) اپنا نظیر نہیں رکھتے۔ برصغیر کے اولیائے کرام مثلاً حضرت داتا گنج بخشؒ اور حضرت سلیم چشتیؒ کے ساتھ ساتھ گرونانک کی مدح بھی کی ہے۔ شب برات اور عید الفطر سے انہیں لگاؤ ہے تو ساتھ ہی بسنت، ہولی، دوالی، راکھی، کنھیاجی کی راس (تماشا)، کرشن کے بڑے بھائی (بلرام) بلدیوجی کے میلے وغیرہ کا ذکر بھی ہے اور اس سلسلے میں بکثرت ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے نہ صرف نظیر کے ماحول کا اندازہ ہو سکتا ہے بلکہ اُن کی شوخیِ طبع اور قوتِ اختراع کا معترف ہونا پڑتا ہے۔ بسنت پر جو نظم ہے اُس کا ایک بند اس طرح ہے۔

جب پھول کا سرسوں کے ہوا آکے کھلنا + اور عیش کی نظروں سے نگاہوں کا لڑنا
ہم نے بھی دل اپنے کے تئیں کر کے کچنپا + اور ہنس کے کہا یار سے اے لکر مٹھو ننا
سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

ایسی نظموں میں نظیر کے یہاں یہ الفاظ آئے ہیں :۔

بھون ۔ تمجاڑ ۔ گلال ۔ پچکاری ۔ گھڑوا ۔ گڑوا ۔ ڈھول کھال (دمنا کی شاخ) سوانگ ۔ کامنی ۔ گوپی ۔ سکھ بلاس ۔ موہن ۔ مکٹ ۔ انوپ ۔ سروپ ۔ رادھا ۔ بھگتی ۔ اوتار ۔ لیلا ۔ ناتھ ۔ رام ۔ لچھمن ۔ کچھ مچھ ۔ راون ۔ بارا ۔ مدن موہن ۔ سکشن ۔ نارائن ۔ راس منڈل ۔ جھانجھ ۔ مُردنگ ۔ ساکا ۔ کھنڈ ۔ دُہرا ۔ کبت ۔ کتھا ۔ لالن ۔ برن ۔ بھوجن ۔ پرشاد ۔ نرمول ۔ پَوَن ۔ نیر ۔ نربت ۔ کھیوا ۔ ٹیکا ۔ مالا ۔ پوتھی ۔ شبد (گیت) ۔ جوگی ۔ اتیت ۔ جنگم ۔ سیوڑا ۔ جٹا ۔ ترسول ۔ ابرن ۔ برن ۔ آسن ۔ سنگھاسن ۔ تونبی ۔ مرگ چھالا ۔ سیلی ۔ منڈل ۔ نچھتر ۔ سنسار ۔ جنم ۔ لچھن ۔ اُپکار ۔ مہورت ۔ گربھ ۔ سُبھ لگن ۔ شبٹ ۔ پنڈت ۔ پُستک ۔ بسدیو (کرشن کے باپ) ۔ دیوکی (کرشن کی ماں) ۔ گوپال ۔ منوہر ۔ مُرلی دھر ۔ کشورن ۔ گھنشیام ۔ مُراری ۔ تِواری ۔ گردھاری ۔ سندرشیام ۔ پربھو ۔ بہاری ۔ سُکھدائی ۔ رونبی ۔ پرگھٹ ۔ نیگ ۔ بدھاوا ۔ جسودا ۔ جوتی سروپ ۔ گیانی ۔ ڈنڈوت ۔ گردھاری ۔ نندلال ۔ ہری ناتھ ۔ گوردھن ۔ موہن ۔ مدن گوپال ۔ من ہرن ۔ چھبیل ۔ چیت ہرن ۔ چل پَوَن ۔ چیت لُبھاؤنی وغیرہ بشمار الفاظ ہندو دھرم اور تہذیب کے استعمال کئے ہیں ۔

اسی سلسلے میں انشا (م ۱۲۳۳ھ) کے یہاں بھی بکثرت الفاظ ہیں ، بسنتی شال ۔ کنھیا کی جے ، برہما ، بھیم ، ارجن ، جوگی ، بھبھوت ، آسن ، گردھاری ، مرگھٹ ، گنگا ، رام کہانی وغیرہ ۔

جان صاحب کا ذکر ریختی کے ذیل میں آتا ہے ۔ ان کے یہاں رامچھمن ، کالکا ، لچھمی ۔ لنکا ، راون ، جھابلی ۔ ڈنڈوت وغیرہ الفاظ مستعمل ہیں ۔

متاخرین میں محسن کاکوروی (م ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء) کا قصیدہ لامیہ بہت مشہور ہے اس کی تشبیب خالص ہندوانہ انداز کی ہے ۔ اس میں بکثرت ہندو روایات و اصطلاحات کا ذکر آتا ہے ۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل ✦ برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

صرف اسی ایک قصیدے میں یہ الفاظ آتے ہیں ۔

Marfat.com

کاشی۔ متھرا۔ گنگاجل۔ اشنان۔ گوکل۔ جمنا۔ مہابن۔ تیرتھ۔ چوٹی۔ برہمن۔ منگل۔ سری کرشن۔ درشن۔ گوپی۔ راکھی۔ سلونے۔ میلا۔ ہنڈولا۔ رتھ۔ بنارس۔ سنیچر۔ بھادوں۔ کھیم کسل۔ جوگی۔ بھبھوت۔ بیراگی۔ پربت۔ برج۔ کنھیا۔ ڈولا۔ گنگا جمنی۔ روپ۔ اندر۔ اشنل۔ گھاگھرا۔ چمپل۔ کنول وغیرہ بکثرت الفاظ ہیں۔

حضرت محسن کاکوروی کے کلیات کے آخر میں ان کے دادا مولوی حسین بخش کی ٹھمریاں بھی درج ہیں۔ ان میں بھی ہندو معاشرت سے متعلق الفاظ آتے ہیں۔ مثلاً :۔ بسنت۔ پچکاری۔ گلال۔ ہار۔ گاگر۔ ہولی۔ کیسر۔ گوالن۔ چندری۔ راکھی۔ گجرے۔ سائیں وغیرہ۔ اسی کلام میں سے "ہوری کافی" کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

جن جاؤ برج میں کنھیا
کہوں برج کی سکھین ماں بھے ہو اٹک

ہمکا چھانڈ کہوں بھے ہو پیارے + جگ ماں ناہیں کوؤ ہمرا پوچھیا
ہم ایسے تمکا بہت مل بے ہیں + تم ایسے ہمکا ناہیں ملیا
یا ہی ریت مورے جیا ماں کھٹک

ہندوانہ الفاظ کے علاوہ ہندوانہ روایات اور کتابیں بھی اردو میں منتقل ہوئیں بھگوت گیتا[1] کا اردو ترجمہ گیان پرکاش ۱۸۶۳ء میں منشی کنھیا لال نے کیا۔ پنڈت جانکی ناتھ مدن دہلوی نے بھی اسکے بعد ترجمہ کیا۔ پنڈت پربھو دیال مصر عاشق لکھنوی نے اس کا منظوم ترجمہ "غذائے روح" کے نام سے اور منشی بشیشور پرشاد منوّر لکھنوی نے نسیم عرفان کے نام سے کیا۔ پنڈت برج نرائن چکبست نے رامائن کا ایک منظر نظم کیا ہے جس میں رام چندر کا اپنی ماں سے رخصت ہونا دکھایا ہے۔ ایک بند ملاحظہ ہو۔

رو کر کہا خموش کھڑے کیوں ہو میری جاں + میں جانتی ہوں جس لئے آئے ہو تم یہاں
سب کی خوشی یہی ہے تو صحرا کو ہو رواں + لیکن میں اپنے منہ سے نہ ہرگز کہوں گی ہاں

---

[1] یہ معلومات ڈاکٹر محمد عزیر صاحب کے مضمون "اردو زبان کا غیر اسلامی۔۔۔ ادب" (معارف۔ اپریل ۱۹۴۳ء) سے لی گئی ہیں

Marfat.com

کس طرح بن میں آنکھوں کے تارے کو بھیج دوں
جوگی بنا کے راج دلارے کو بھیج دوں!

یہ بالکل اردو مرثیوں کا انداز ہے ۔ منشی شنکر دیال فرحت نے بھی ۱۸۸۶ء میں رامائن کے ایک حصے کا منظوم اردو ترجمہ کیا۔ آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند سرسوتی کی تفسیر رگوید کا اردو ترجمہ ملتی رام جگیا سو نے کیا اور ۱۸۹۸ء میں شائع کیا۔

اخلاقیات سے متعلق بھی ہندوؤں نے کتابیں لکھی ہیں ۔ اخلاق برج باسی ۱۸۶۸ء میں رائے برج باسی لال نے لکھی تھی ۔ ۱۸۷۲ء میں اخلاق ہندی کے نام سے منشی کنھیا لال ہندی نے نظم لکھی تھی جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع ہو کر حمد کے اشعار پیش کرتی ہے:۔

بنامِ خداوندِ ملکِ جہاں + خبرگیر احوال خورد و کلاں
بنا نور سے جس کے شام و پگاہ + ہوا جلوہ گر جلوۂ مہر و ماہ
اُسی سے ہوا نیستی کا وجود + بنا بود سے اسکے ہستی کا بود
اُسی سے ہے ارض و سما کا ظہور + اسی سے صبح و مسا کا ظہور
اکیلا ہے وہ وحدہٗ لاشریک + نہیں دوسرا کوئی جسکا شریک

. . . .

اس کے بعد رام چندرجی اور کرشن جی کی مدح ہے اور پھر نعت اس طرح آتی ہے

شفیعِ جہاں رہبرِ خاص و عام + جنابِ محمد علیہ السلام
جنابِ محمد رسولِ امیں + عیاں جن سے علمِ عین الیقیں
جنابِ محمد رسولِ خدا + بہ اطوارِ نیکو قبولِ خدا
محمد رحیم و محمد کریم + محمد علیم و محمد سلیم
نبی الوریٰ شاہِ شاہنشہاں + امین الہدیٰ رہبرِ گمرہاں

— — — — — — — — — —

سکھوں کی مقدس کتاب گرنتھ صاحب ان کے علاوہ ہے جو بارہا اردو میں شائع ہوئی ہے ۔ ان سب میں مسلمانوں کی تہذیب و معاشرت کا اثر پایا جاتا ہے۔ اسی ضمن میں

Marfat.com

کالکا پرشاد کی رامائن، منشی طوطا رام کی مہابھارت، لالہ جگن ناتھ سہائے کی ست نراین کتھا، شنکر دیال کی پریم ساگر، کالی پرشاد کی ناگر سبھا اور بہاری لال کی پدم سماج وغیرہ بھی ہیں۔

رسم و رواج ہندو مسلمانوں کے میل جول سے ایک ایسا معاشرہ تیار ہوا جس میں دونوں قوموں کی روایات، یک جان و دو قالب کی حیثیت سے قائم ہوئیں۔ مسلمانوں نے اپنی نثر و نظم میں لیلیٰ مجنوں اور شیریں فرہاد کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے مشہور عشقیہ کردار یعنی نل دمن، سسّی پنوں، عمر ماروی وغیرہ کو بھی اختیار کیا۔ نظیر اکبر آبادی نے ہندو تہواروں پر نظمیں لکھیں۔ سید غلام مہدی نے پدماوت کا منظوم ترجمہ کیا۔ خوشی محمد ناظر کی نظم "جوگی" سے کون واقف نہیں؟ علامہ اقبال نے گرو نانک، سوامی رام تیرتھ اور شوالہ پر نظمیں لکھیں۔ گرو نانک، گوتم بدھ اور بھرتری ہری کو بھی یاد رکھا۔ ان سے بہت پہلے میر حسن اور میرزا شوق کی مثنویوں میں ہندوستانی زیورات، مزامیر اور رقص و سرود کی چیزیں مذکور ہیں۔ بدر منیر، گلزار نسیم اور طلسم الفت مثنویوں میں دلہن کے مختلف سنگاروں کا ذکر آتا ہے۔ باغ و بہار، نوطرز مرصع اور فسانۂ عجائب وغیرہ میں مختلف کپڑوں، برتنوں، زیوروں، کشتیوں اور کھانوں کا ذکر ہے جو عموماً برصغیر ہی کے پیدا شدہ ہیں۔ مختلف داستانوں اور افسانوں میں ملکی خصوصیات اور معاشرتی لوازمات پائے جاتے ہیں۔ چناں چہ معاشرے کی روایات اور رسم و رواج بھی تفصیل سے مذکور ہیں۔ مرثیوں میں بھی یہ چیز عام ہے۔ مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم نے شعر الہند (حصہ دوم) میں "ملکی سرمایہ" کے تحت مختلف مثنویوں اور مرثیوں کے اس قسم کے اشعار نقل کئے ہیں۔ پروفیسر حامد حسن قادری نے بھی تاریخ مرثیہ نگاری میں کچھ اشعار نقل کئے ہیں۔ کچھ یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

۵ جوں کتاں ٹکڑے ہوئی تیغ سے اس سر کی قبا	تن جدا زخمی ہوا، کنگنا بندھا ہاتھ جدا
۵ کٹ کے چہرے پہ ہر اک پیچ عمامے کا گرا	خوں میں تر ہو گیا مقیش کا سہرا سارا
۵ دولھا کی لاش آئی ہے سہرے کو توڑ دو	مسند الٹ دو حجرے کے پردے کو چھوڑ دو
۵ یہ کہہ کے نوچنے لگی سہرا وہ سوگوار	افشاں چھڑا کے خاک ملی منہ پہ چند بار
۵ سر کو لگا کے چھاتی سے زینب نے یہ کہا	تو اپنی مانگ کوکھ سے ٹھنڈی رہے سدا

مہندی تمہارا لال ملے ہاتھ پاؤں میں + لاؤ دلہن کو بیاہ کے تاروں کی چھاؤں میں

یہ رسم و رواج اور یہ طور طریقے عرب میں تو نہیں ہیں لیکن انیس نے اپنے مرثیوں کو عوام تک پہنچانے کے لئے انہیں اختیار کیا ہے۔ یہی حال دوسرے مرثیہ نگاروں کا بھی ہے ۔۔ اور یہ معاشرے کا تقاضا بھی تھا۔ بچے کی ولادت کے سلسلے میں بہت سے الفاظ و محاورات اس قسم کے ملیں گے۔

بانگ دینا ۔ شہد چٹانا ، زچہ گیری گانا ، چھٹی (اسی کے ساتھ چھٹی کا دودھ)، گھٹی (اسی کے ساتھ گھٹی میں پڑنا)، چھچھوٹا کا کھانا یا چھٹی نکلنا ، چھٹی کے پوتڑے اب تک نہیں سوکھے ، زچہ کا تارے دیکھنا ، چندا ماموں کو دیکھنا ، دانت گھونگھیاں ، بچہ دانتوں پر ہے ، دودھ کے دانت نہیں ٹوٹے ، دودھ بڑھانا وغیرہ ۔ پھر بسم اللہ پڑھانا ، ناک کان چھیدنا ، روزہ کشائی کی رسم ادا کرنا بھی ہوتا ہے۔

جب لڑکا بڑا ہوتا ہے تو مونچھوں کا کونڈا کرانا ، مسیں بھیگنا ، پھر بات جانا ، بات آنا بات ٹھہرانا اور اگر ناکامی ہوئی تو کہنا کہ برا نہ ماننا جس کے گھر بیری ہوتی ہے تو پتھر آتے ہی ہیں ۔ کامیابی ہوئی تو گھی کے چراغ جلانا ، بسنتی کپڑے پہننا ، ماتھے پر صندل لگانا ، نشانی کا چھلا دینا ، چوڑیاں پہننا ، رخصت کا پان دینا ۔ چڑھاوا کرنا ۔ نشان چڑھانا ۔ مایوں بٹھانا ، مانجھے بیٹھنا ، تلائی کرنا ، سہاگ اُبٹن ، سہاگ پڑا ، رت جگا ، ساچق ، شربت پلائی ، برات جانا ، برات اُترنا ، برات چڑھنا ، صحنک ، مہندی وغیرہ ۔ سہرا باندھنا ، سہرا دیکھنا ، سہرے کے پھول کھلنا ، سہرے کی لڑی ٹوٹنا ، بابل گانا ، رونمائی کرنا ، کھیر چٹانا ، آرسی مصحف دیکھنا ، پاتو دھونا (اسی سے پاتو دھو دھو کر پینا) ، جوتھی ہونا ، چھبگی ہونا ، چار چالے ہونا وغیرہ مستعمل ہیں۔[۱]

مرنے کے سلسلے میں بھی بہت سے الفاظ ہیں ۔ پتلیاں بدل جانا ، پتلیاں الٹ جانا ، پتلیاں پھر جانا ، آنکھوں میں جان اٹکنا ، آنکھوں میں جان ہونا ، آنکھوں میں دم اٹکنا ، دم

[۱] مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی بہشتی زیور میں بہت سی بدعات" کا ذکر کیا ہے ۔ اور رسالہ ہندستانی (الہ آباد ۔ جولائی ۱۹۳۸ء تا جنوری ۔ اپریل ۱۹۳۹ء) میں شاہ معین الدین ندوی نے بھی ہندو کلچر کے الفاظ دیئے ہیں۔

اُکھڑنا، دم اُلٹ جانا، دم درودنہ ہونا، سانس اُکھڑنا، گھرّا لگنا، دم دگدگی میں ہونا، دم لبوں پر آنا، دم نکلنا، دم دیکھنا، سانس گننا، قبر میں پاؤں لٹکائے رکھنا، نبض اُبھرنا۔ نبض کا نہ ملنا، نبض ڈوبنا، نبض چھوٹنا، گہوارہ، قبر، بغلی قبر، صندوقی قبر، مٹی دینا، مٹی ٹھکانے لگنا، مٹی عزیز کرنا، قُل کے ڈھیلے، بلاّ لینا (ماتم کرنا)، پُرسا دینا، حاضری کا کھانا، سوئم، پھول، تیجا، ارگجا، سوگ کرنا، سوگ منانا، سوگ میں بیٹھنا، رنڈاپا، رنڈ سالہ (سفید کپڑا) رنڈاپے کا جوڑا، مسّی ہونٹھوں سے چھڑانا، گہنا اُتارنا، سیندور نگانا، چوڑیاں توڑنا۔ چوڑیاں ٹھنڈی کرنا، دسواں، بیسواں، چالیسواں، تماہی، چھ ماہی، برسی، دُلپسا (مرنے کے دو سال بعد کی فاتحہ) تبارک کی روٹیاں، کونڈوں کی فاتحہ وغیرہ وغیرہ۔

مذکورۂ بالا رسموں میں سے بعض اسلامی ضرور ہیں لیکن وہ جس طریقے سے ہمارے ملک میں رائج ہیں وہ ہم تک ہی مخصوص ہیں۔ کسی اور مسلم ملک میں نہیں۔

توہم پرستی ہمارے ملک کی توہم پرستی بھی مخصوص انداز رکھتی ہے — جنّات اور شیاطین کا ذکر تو قرآنِ پاک میں ہے۔ لیکن ہم نے عیش و عشرت اور فارغ البالی کے دور میں کیا کیا گل کھلائے ہیں۔ کوئی ہمارے ادب اور ادیبوں سے پوچھے[۱] دیو پری کے حالات اور افسانے عجیب عجیب روایات کے حامل ہیں۔ میر حسن نے سحر البیان میں کہا ہے۔

پری زاد نے تب پکڑ اس کا ہاتھ + شتابی بٹھا تخت پر اپنے ساتھ
زمیں سے اڑا آسماں کے تئیں + وہ کتنا کہا کہ نہیں رے نہیں
نہ مانا اور اُس نے اڑایا اُسے + پرستان میں لے کر بٹھایا اُسے

گلزار نسیم میں تاج الملوک کی ملاقات ایک دیو سے ہوتی ہے، وہ نقشہ سنیئے۔

اک جنگلے میں جا پڑا جہاں گرد + صحرائے عدم بھی تھا جہاں گرد
ملنے کو پتا نہ تھا شجر کا + عنقا تھا نام جانور کا

---

[۱] پروفیسر محمد تسنیم صدیقی نے مدّت ہوئی الہ آباد یونی ورسٹی جرنل میں اک "توہم پرستی اور مافوق العادت عناصر" پر ایک مقالہ شائع کیا تھا — اور راقم نے اس سے استفادہ کیا ہے۔

Marfat.com

مرغانِ ہوا تھے ہوش راہی ! + نقشِ کفِ پا تھے ریگ ماہی

ڈانڈا تھا ارم کے بادشا کا + اک دیو تھا پاسباں بلا کا

دانت اس کے تھے گورکن قضا کے + دو نتھنے رہِ عدم کے ناکے

شوق کی مثنوی ترانۂ شوق میں اور تفصیل آتی ہے۔

دانت اس کے تھے زرد زرد پتھر + دو دو انگل دہن سے باہر

ہر دم شکنوں سے چہرۂ بد + لیتا ہوا لہریں بحرِ اسود

پلکیں اُن سے خدا بچائے + نیزے ہیں یہ زہر کے بجھائے

آنکھیں وہ بلا بھری بلا گرد + فتنے ان پتلیوں کے شاگرد

لب بل کے دکھلتے ہیں کرامات + قینچی ہیں کہ کاٹ دیتے ہیں بات

ایک دوسرے مقام پر شوق لکھتے ہیں۔

صورت سے بلا کو ڈر بلا کا + ہر حلقۂ چشم گھر بلا کا

قدرے سا کھو کا پیڑ اک خار + دم سے بادِ سموم فی النار

آتا ہے وہ شب کو مثل ظلمت + جاتا ہے سحر کو شب کی صورت

نسیم نے دیونی کے بالوں کی عجیب تشبیہ دی ہے :۔

زنبور سیاہ خال اُس کے + برگد کی جٹائیں بال اُس کے

اور دیو کی غذا انسان کا گوشت بتایا ہے :۔

کھو کا کئی دن کا تھا وہ ناپاک + فاقوں سے رہا تھا پھانک کر خاک

بے ریشہ یہ طفل نوجواں تھا + حلوا بے دود بے گماں تھا

بولا کہ چکھوں گا میں یہ انساں + اللہ اللہ شکر احساں

نسیم نے دیوؤں کو "تبدلِ جلود" کی طاقت بھی تفویض کر دی ہے۔

دیوؤں سے کہا کہ چوہے بن جاؤ + تا باغِ ارم سرنگ پہنچاؤ

سن حاجتِ نقب بہرِ گلگشت + کترا چوہوں نے دامنِ دشت

پوشیدہ زمیں کے دل میں کی راہ + حد باندھ کے خوش پھرے اسی راہ

ان کے علاوہ طلسم اور جادو کا ذکر بھی آتا ہے۔ نسیم نے تاج الملوک کے متعلق لکھا ہے کہ وہ طلسمِ حیرت میں گرفتار ہوا۔

بادل سادہ بحرِ آسماں جوشش ٭ بجلی سی لہر سے تھا ہم آغوش
دریا تھا نہ بحر تھا نہ جیحوں ٭ طوفانِ طلسم جوشِ افسوں

- - - - - - - - - - - - - - -

آگے جو بڑھا جزیرہ دیکھا ٭ اشجار کا واں ذخیرہ دیکھا
جس پھل کو چھوا جو پھر کیا غور ٭ ہاتھ آیا نہ کچھ حباب کے طور
جانا کہ طلسم کا ہے جنگل ٭ ہے یاں کے درخت کا یہی پھل

پھر پرندوں کا ایک جوڑا آتا ہے جو آپس کی گفتگو سے تاج الملوک کو رہائی کی ترکیبیں بتاتا ہے۔ بعض افسانوں میں طلسم خانے سے رہائی کے لئے اور ترکیبیں بھی آتی ہیں۔ مثلاً نسیم ہی نے ایک جگہ حمالہ دیو نی کے اس تحفے کا ذکر کیا ہے کہ :۔

دو بال دیئے کہ لو مری لاگ ٭ جب وقت پڑے دکھائیو آگ

فسانۂ عجائب میں "نقش سلیمانی" سے تمام سحر و آسیب کا دفعیہ تجویز کیا ہے۔

"شہزادے نے کہا کہ اگر کوئی جادوگر قصد کرے، اُسے کون روکے؟ وہ فریفتہ بشدت تھی، وہم ہوا کہ میرے بعد کوئی جادوگرنی آئے اور اس پر عاشق ہو جائے۔ مار ڈالنا کیسا، یہاں سے لے اُڑے تو تو کہاں پائے، سب محنت برباد جائے۔ فرطِ محبت، نشۂ الفت میں انجام کار نہ سوچی۔ بے تامل نقشِ سلیمانی، صندوق سے نکال اسکے بازو پر باندھا۔ کہا اب نہ تاثیرِ سحر، نہ دیو کا گذر، نہ پری سے ضرر ہو گا۔"

شوق نے نظرِ بد سے دفعیے کے لئے دانۂ اسپند کا معمول یاد کیا ہے کہ :۔

میں ایسی نظر جو جان جاتی ٭ گھر سے اسپند لے کے آتی

ایک جگہ شگون سے متعلق کہتے ہیں :۔

کانٹوں میں جو اڑ کے دامن اٹکا ٭ دل اس کا شگونِ بد سے کھٹکا
سمجھا کوئی بے کلی بدی ہے ٭ بیرنگ ہوا کچھ آج کی ہے

Marfat.com

پھولوں پہ نظر پڑی تو رو دیا ✦ انگارے دہک رہے تھے گویا

بعض افسانوں میں ہندوؤں کے مسئلہ تناسخ سے فائدہ اٹھایا ہے اور کردار کو انسان سے بندر یا توتا بنا دیا ہے۔ کہیں رمل، نجوم، جوتش وغیرہ علوم کا ذکر ہے اور جنم پتری یا کاہنوں کی پیشینگوئی کا حال آتا ہے۔

اردو کی ہندی بحریں

اردو شاعری پر بھاشا اور سنسکرت بحروں کا اثر بھی پڑا ہے۔ یوں تو اردو شاعری، فارسی شاعری کے قالب میں ڈھالی گئی ہے۔ لیکن خود فارسی نے عربی کے اوزان میں اپنے مزاج کے مطابق تبدیلی کر لی تھی اور یہی تبدیل شدہ اوزان اردو میں داخل ہوئے۔ پھر برصغیر پاک و ہند کے اثرات بھی ہمارے عروض کو متاثر کرتے رہے — مسعود سعد سلمان (م ۵۱۵ھ) اور ان کے بعد امیر خسروؒ (م ۷۲۵ھ) نے اپنی فارسی شاعری میں مقامی الفاظ و بحور کو بھی داخل کیا اور بعض موضوعات کو بھی اپنایا — حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ (م ۷۸۲ھ)، حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ (م ۹۴۵ھ)، شیخ باجنؒ (م ۹۱۳ھ)، میراں جیؒ (م ۹۱۲ھ)، قاضی محمودؒ (م ۹۲۰ھ)، برہان الدین جانم (م ۹۹۰ھ) جیسے صوفیوں کے علاوہ عبدالرحیم خان خاناں، سعدی دکنی، سلطان محمد قلی قطب شاہ، اس کے جانشین محمد قطب شاہ (م ۱۰۳۵ھ)، پھر اس کے جانشین عبداللہ قطب شاہ اور مؤخر الذکر کے داماد تاناشاہ وغیرہ سے بکثرت دوہرے خالص ملکی اوزان میں یادگار چلے آتے ہیں اور مختلف تذکروں میں محفوظ ہیں — خالص اردو کے شعراء میں سودا، میر، انشا اور ذوق وغیرہ نے بھی ایسی بحریں استعمال کی ہیں۔ پنڈت جگن ناتھ المتخلص بھانو نے اپنی کتاب "چھند پربھاکر" میں ہندی کی ایسی چودہ بحروں کی نشان دہی کی ہے جو عربی بحور سے مشابہ ہیں۔ ان کے اوزان یہ ہیں۔

(۱) فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

(۲) فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

(۳) فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

(۴) مفاعیلن مفاعیلن فعولن

(۵) مفاعیلن مفاعیلن مفاعیل

(۶) مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

(۷) فعولن فعولن فعولن فعل

(۸) فعولن فعولن فعولن فعول

(۹) فعولن فعولن فعولن فعولن

(۱۰) فعول فعلن فعول فعلن فعول فعلن فعول فعلن

(۱۱) مفعول مفاعیل فعولن

(۱۲) مفعول فاعلاتن مفعولُ فاعلاتن

(۱۳) مفعول مفاعیلُ مفاعیلُ فعولن، مفعولُ فعولن (مستزاد)

(۱۴) مستفعلن مستفعلن مستفعلن مستفعلن

پنڈت جگن ناتھ کی نقل کردہ بحروں کا ذکر کر کے سلیم جعفر صاحب فرماتے ہیں کہ "میر مرحوم نے بعض غزلیں ایسے اوزان میں کہی ہیں جن کا حقیقی ہونا مشتبہ ہے۔ مان لیا کہ یہ اوزان مروجہ یا حقیقی دائرے سے خارج ہیں۔ لیکن اسکے یہ معنی کیوں لیے جاتے ہیں کہ انہوں نے کسی معنی میں بھی عروضِ ہندی سے استفادہ کیا؟۔ یہ کیوں نہیں کہا جاتا کہ وہ ان بحروں کے موجد ہیں؟ خلیل بن احمد بصری کی بحروں پر بھی تو اکتفا نہیں کیا گیا، بعد میں بھی تو اور بحریں وضع کی گئیں جن میں ایرانی بھی شریک تھے۔"[۱]

سلیم جعفر صاحب کے اس قول کو اگر صحیح بھی سمجھا جائے تب بھی اس حقیقت سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ میر اور سودا وغیرہ مقامی عروض سے متاثر ضرور ہوئے ہیں اور ایسا ہونا ان شعراء کے منصب کے خلاف نہیں بلکہ عین موافق ہے۔ ہر زندہ ادب اسی طرح اثر پذیر ہوا کرتا ہے بہر حال میر کی غزلیں ایسی بحر میں یہ ہیں۔

۵ عشق ہمارے خیال پڑا ہے خواب گئی آرام گیا
جی کا جانا ٹھیر گیا ہے، صبح گیا یا شام گیا

---

[۱] 'قومی زبان' کراچی - ۱۶ر جنوری ۱۹۵۹ء

Marfat.com

ے الٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریِ دل نے آخر کام تمام کیا [1]

ے عشق چھپا کر پھبتے ہم، سوکھ گئے، رنجور ہوئے
یعنی آنسو پی گئے سو زخم جگر ناسور ہوئے

ے پلکیں پھری ہیں، کھنچی بھویں ہیں، ترچھی تیکھی نگاہیں ہیں
اس اوباش کی سادگی دیکھو، شوخی سے ہم چاہیں ہیں!

دریائے لطافت میں ہندی بحور اور ہندی عروض (پنگل) کے اوزان بھی گنائے گئے ہیں۔
لیکن انشا کی یہ دونوں بحریں صاف طور پر بحرِ ہزج کے ذیل میں ہیں:۔

مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن + بی جان پری خانم بی جان پری خانم
فاعلن مفاعیلن فاعلن مفاعیلن + چھٹ لگن پری خانم چھٹ لگن پری خانم

یہ ایسی جدتیں ہیں جن کے اختیار کر لینے سے عروض میں آسانی پیدا ہو سکتی تھی اور دلچسپی بھی۔

ذوق کے یہاں یہ زمین ہے:۔ ے

اس بحر میں کیا برجستہ غزل اے ذوق یہ تم نے لکھی ہے
ہاں وزن کو جس کے سنکر شاداں روحِ خلیل و اخفش ہو

ظفر بھی کہتے ہیں:۔

حال نہیں کچھ کھلتا میرا کون ہوں کیا ہوں کیسا ہوں
مست ہوں یا ہشیاروں میں ہوں نادان ہوں یا دانا ہوں [2]

---

[1] بقول ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، اس کا وزن یہ ہوگا۔

فعلن فاع فعولن فعلن فاع فعولن فاع فعل (بحوالہ قومی زبان، یکم اکتوبر ۱۹۵۸ء)

لیکن استاذی مولانا ضیاء احمد بدایونی مدظلہ کے خیال کے مطابق یہ بحر متقارب ۱۶ رکنی اثرم ہے۔

[2] احسن اللہ بیان (م ۱۲۱۳ھ) کی بھی ایک غزل ہے۔

ہم رکھنا تیری زلفوں کا اے جان یہ خم در خم سمجھے
تصریح دبیاں اب خوب نہیں کچھ تم سمجھے کچھ ہم سمجھے

غالب کی بھی ایک غزل ہے۔

وحشی بن صیاد نے ہم رم خوردوں کو کیا رام کیا
رشتۂ چاک جیب دریدہ صرف قماش دام کیا

حالی بھی کہتے ہیں:۔

جب سے سنی ہے تیری حقیقت چین نہیں ایک آن ہمیں
اب نہ سنیں گے ذکر کسی کا آگے کو ہوئے کان ہمیں

آرزو لکھنوی کہتے ہیں۔

رہنے دو تسلی تم اپنی دکھ جھیل چکے دل ٹوٹ گیا
اب ہاتھ ملے سے ہوتا ہے کیا جب ہاتھ سے ناوک چھوٹ گیا

فراق گورکھپوری کے یہاں ہے۔

پوچھ پوچھ کے نام پتا کچھ سمجھ سمجھ رہ جاتے ہو + ہم بھی فراق نگر جاتے ہیں تو تو تم بھی آتے ہو

موجودہ دور کے شعرا میں فانی، حفیظ، ناظر، اختر اور جذبی وغیرہ کے یہاں بھی ہندی بحریں ملتی ہیں۔ قدما کی طرح بعض کے یہاں بھاشا اور سنسکرت کے جذبات، راگ اور انداز بھی پائے جاتے ہیں۔ اختر لکھنوی کہتے ہیں۔

ہائے رے پیاری پیاری آنکھیں متوالی زناری آنکھیں
کیا رہے دل جب دل کو لبھائیں بہکی باتیں خماری آنکھیں
غارت دل پر ٹوٹ پڑی ہیں شیام نگر کی کماری آنکھیں

اس کے علاوہ بھاشا کا بارہ ماسہ فارسی میں مسعود سعد سلمان (م ۵۱۵ھ) نے اختیار کیا تھا تو اردو میں افضل جھنجھانوی، عبداللہ، کاظم علی اور لطف الرحمن وغیرہ نے بھی لکھا بلکہ ملا قطبی نے نے تیرہ ماسہ لکھا۔ ہندی قصے اور افسانے بھی اردو میں منتقل ہوئے اور منظوم ترجموں کی وجہ سے ہندی روایات بھی اردو میں داخل ہوئیں۔

عام ثقافتی الفاظ و محاورات

اردو ادب کے آغاز ہی سے ثقافتی الفاظ تلاش کئے جا سکتے ہیں۔ یہاں ان کا ایک سرسری جائزہ لیا جاتا ہے

Marfat.com

بیجاپور کے ملک الشعراء نصرتی کی مثنوی گلشنِ عشق ۱۰۶۸ھ میں مرتب ہوئی اور انجمن ترقی اردو، کراچی سے ۱۹۵۲ء میں شائع ہوئی۔ اس میں ایسے الفاظ بکثرت ہیں جو برصغیر کے ہیں بلکہ مقامی ہیں اور اُن سے اُس زمانے کے معاشرے اور ماحول کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

(۱) کپڑوں کے یہ نام مستعمل ہیں:

نیلک - ہریال - جھونا - پھل - چُنبڑی - پتمبر - اندھیاری - لور - طواسانچہ (قالین) وغیرہ۔

(۲) کھانے کی چیزوں میں یہ نام آتے ہیں:

حبشی - کتلے - کانگڑے - پشمک - ابلوج - انس (انناس) وغیرہ

(۳) پرندوں کے یہ نام آتے ہیں:

کاکاتوئی - کٹ سوئی - کسنبالے - شب گوش - پپیک - تیتوری - کونکے، سُرخا لوٹن وغیرہ۔

اسی طرح مختلف اقسام کے پھولوں، زیوروں، برتنوں، آتش بازیوں، اور چرندوں، پرندوں کے نام بھی آتے ہیں۔ نمونے کے لئے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:-

ہوا جگ نے گمنام عنقا ستم + ہوائی ہما ہو رہیا غم سوں جسم
پھولیاں تھیاں سگل بلبلاں خوش کلام + پڑیا تھا گلا کوئلاں کا تمام
اُچلنے تھے طاؤس رونے کی ہاک + لگلے تھے سب فاختہ تن کو راکھ
کیا سرخ رونے تے چکُھرنی کا رنگ + کسنبا سٹے بچار لوری ہو ذنگ
رہے لوٹتے سیدھ گنواہات سوں + کبوتر توئی رنج کے دھات سوں (صفحہ ۱۶۴)

ولی (۱۱۱۹ھ) کے کلام میں مقامی الفاظ بکثرت ہیں:- آدھار - آل (آگ) اُپاسی (ردنہ دار)- اَچرج (تعجب) - اَدھک (زیادہ) - النگ - امرت بچن - انتر - انیندی نین - باسک بان - بجری - بچن - نبھیاس - بھوجن - بھوئیں - بچن ہاری - پریت - پنتھ - پیتم - جتن - جل پر - جنیو - جوگی - جھانجھ - جیرن - چند - درپن - درس - رام کلی - راوت - رتن - نجوئی - رس -

ء جگت جوگی ہوا ہے دیکھ تجھ کو + سُرج جوگی، فلک جوگی کی مڑھ ہے۔

Marfat.com

رین - ساجن - سکھی - سنگرام - گگن - لون - میا (مروت) - نہان - نیر (پانی) - نین - نہ (محبت) - ہلاس (خوشی) وغیرہ۔

عطف و اضافت کی بھی ایسی مثالیں ولی کے یہاں ملتی ہیں جنہیں گوکہ آج ہم صحیح قرار نہ دینگے۔ لیکن اُس وقت وہ معاشرتی الفاظ میں شیر و شکر ہو چکی تھیں۔

خوش بچن - شیریں بچن - نقش چرن - آب نین - دستار بسنتی - خاکِ چرن۔

خوش بچن تیرا فصاحت میں ہے مستثنائے وقت + وقت گر پاؤں تو تجھ مکھ سوں سنوں میں خوش بچن

؎ مجھ کوں ہے دارالامن پیو کا نقشِ چرن + پیو کا نقشِ چرن مجھ کوں ہے دارالامن

؎ پیو کا شیریں بچن مجھ کوں ہے آبِ حیات + مجھ کوں ہے آبِ حیات پیو کا شیریں بچن

؎ گردِ غم آبِ نین، درد کے معمار نے لے + خانۂ عشق جگر سوں کون تعمیر کیا

؎ دیکھ دستارِ بسنتی ساقیِ سرشار کی + کھل گئی ہیں آج انکھیاں نرگسِ بیمار کی

؎ سُرمے کا منہ سیاہ گیا ان نے جگ منیں + جس کے نین میں پیو کی خاکِ چرن گئی

؎ جن کوں نہیں ہے بوجھ ترے حسنِ پاک کی + تنکا نزیک تن کے مثالِ پہاڑ ہے ؎

؎ عشق بازی کے حق منیں قاتل + ہر نگہ خنجر و کٹاری ہے

ولی کے زمانے میں شرابِ پرتگالی کا رواج تھا اور معاشرہ اسے قبول کر رہا تھا

ولی تجھ شعر کو سنکر ہوئے ہیں مست اہلِ دل + اثر ہے شعر میں تیرے شرابِ پرتگالی کا

ولی کے بعد سراج اورنگ آبادی (م ۱۱۷۷ھ) کے یہاں بھی اسی قسم کی مقامی چیزیں مذکور ہیں

؎ ایک اور اضافت ملتی ہے۔

اے شکر لب قند سوں تجھ لب کی ہیں باتاں لذیذ + حرف تیز اس کے ہیں جیسے حلوۂ سوہاں لذیذ

لیکن صحیح لفظ حلوا ہے۔ اس لئے حلوائے سوہاں صحیح ترکیب ہو سکتی تھی۔

؎ ولی کے بعد سراج الدین علی خان آرزو کی کتاب نوادر الالفاظ (مصنفہ ۱۱۶۵ھ) میں بکثرت ایسے الفاظ ہیں جو ملکی حالات کی غمازی کرتے ہیں۔ مثلاً: - اکھلا - اٹینا - اچھوانی - اچار - اڈا - ادھونز - اڈوار - اڑنگا - ارھی - آنکھ مچوا - اندرسا - آموری - (راتبا) - الوارا وغیرہ۔ دوسرے حروف کے ذیل میں بہت سے الفاظ آتے ہیں۔

Marfat.com

نون رادت ترے گد کے کی یہاں لٹ کے چوٹ + پنجۂ مہر میں ہیبت سے کپھری رہتی ہے

لباسِ بسنتی ترا دیکھ کر + مجھ آنکھوں کا آنسو گلابی ہوا

رخسارِ یار حلقۂ کاکل میں ہے عیاں + یا چاند ہے سراج اماوس کی رات میں

شاہ مبارک آبرو (م ۱۱۶۱ھ) کے یہاں بھی ایسے اشعار ملتے ہیں۔

کیوں ہو رہی ہے عشق کے مارے تمام زرد + رکھتی ہے کس کے حسن کی دل میں ہوا بسنت

سانورے کے روبرو ہے دل ہمارا داغ داغ + دیکھ لو کالے کے آگے آج جلتا ہے چراغ

شاہ حاتم (م ۱۱۹۶ھ) کے یہاں مقامی رنگ اس طرح ہے۔

چھاتی بھر آوتی ہے پپیہے کی صوت سے + برسات مجھ کو آ کے ستاتی ہے ہر برس

ہولی کے اب بہانے چھڑکا ہے رنگ کس نے + نام خدا تجھ اوپر اس آن عجب سماں ہے

رنگِ گلال منہ پر ایسا بہار دے ہے + جوں آفتابِ تاباں زیرِ شفق نہاں ہے [۱]

عبد الولی عزلت (م ۱۱۸۹ھ) نے دوہے، کبت، جھولنے، بارہ ماسے، کہ مکرنیاں اور پہیلیاں بھی لکھی تھیں [۲]۔ ان کے یہاں بھی دکنی جیسی اصنافیں ملتی ہیں۔ ایک شعر یہ ہے۔

جبینِ ابرو سے تجن میں مرا دل الجھا ہے + دل کھلے گر کبھی، دونوں میں گرہ پڑ جائے

الفی شال اور عودی رومال کا ذکر بھی عزلت کے یہاں ہے۔

جاتا ہے منہ چھپائے کیوں دیکھ ٹک ادھر بھی + او الفی شال والے، عودی رومال والے

سراج الدین علی خان آرزو (م ۱۱۶۹ھ) کے یہاں بھی ایسے الفاظ ہیں۔

پھول ہونا (سوم کی فاتحہ)

رکھے سیپارۂ دل کھول آگے عندلیبوں کے + چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے [۳]

حصار کرنا بھی یہیں کا دستور ہے۔

---

[۱] بحوالہ مراۃ الشعراء (یحییٰ تنہا) جلد اول۔ صفحہ ۱۰۷

[۲] ایضاً۔ صفحہ ۱۴۱

[۳] سوم کی فاتحہ کے لئے قطب مشتری (مصنفہ ۱۰۱۸ھ) میں زیارت کا لفظ آتا ہے جو گجرات کاٹھیاوار وغیرہ میں اب بھی رائج ہے۔

Marfat.com

کھول کر بندِ قبا کو ملکِ دل غارت کیا + کیا حصارِ قلب دلبر نے کھلے بندوں کیا

حضرت مظہر جان جاناں علیہ الرحمہ (م ۱۱۹۵ھ) کے یہاں بھی اسی قسم کے الفاظ مل جاتے ہیں۔

کسی کے خون کا پیاسا، کسی کی جان کا دشمن + نہایت منہ لگایا ہے سجن نے بیڑۂ پاں کو

مرتا ہوں عیرزائی گل دیکھ ہر سحر + سورج کے ہاتھ جوہری تو بیچنا صبا کے ہاتھ

یقین (م ۱۱۶۹ھ) کا دیوان شائع ہو چکا ہے۔ ان کے یہاں بھی مقامی چیزیں آجاتی ہیں۔

اس بسنتی پوش سے آغوش رنگیں کیجئے + جی میں ہے اس مصرع موزوں کو تضمین کیجئے

شیشے میں تصویریں دکھانے کا کھیل یہاں رائج تھا۔ یقین نے یہ تشبیہ اس طرح موزوں کی ہے۔

تماشا کر تصور کو کہ ہر اک اشک میں میرے + تری صورت نظر آتی ہے جوں شیشے میں تصویریں

عبدالحی تاباں (م ۱۱۶۱ھ) کے یہاں بھی ایسے اشعار ہیں۔

سُرخ جوڑے پہنیں تیرے کناری کی جھلک + برق اس ابر میں ہوتی ہے نثارِ دامن

ہائے اس بسنتی پوش کے آنے سے محلس میں + پڑی ہے دھوم تاباں اسطرح گویا بسنت آئی [1]

شاہ حاتم اور سودا کے یہاں بھی ایسے الفاظ و محاورات ملتے ہیں۔ متقدمین میں بکثرت شعرا نے ایسے محاورات اور مصطلحات استعمال کئے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُس وقت معاشرتی روابط کیا تھے اور معاشرت کے کونسے الفاظ رائج تھے۔ صرف ایک تذکرۂ گلشن ہند۔ (لاہور ۱۹۰۶ء) کے مطالعے سے یہ الفاظ ملتے ہیں۔

چھاتی پہ مونگ دلنا — قائم لکھتے ہیں۔

گندمی رنگ جو ہے دنیا میں + میری چھاتی پہ مونگ دلتا ہے

سوز کے یہاں ہے۔

غیر کو کیا کہوں مرے پیارے +

اور معنی بدلنا، بہنا پا کرنے کو کہتے ہیں۔ انشا کا شعر ہے۔

بوئے گل بولی کہ آج آپس میں بدلی اور معنی + چاندنی بائی نے بی خیلاسے بہناپا کیا۔ (صفحہ ۳۲)

---

[1] تاباں کے متعلق راقم کی کتاب علمی نقوش میں تفصیل دیکھیں۔

Marfat.com

بھونے بھانگ نہیں سے مراد کچھ میسر نہ ہونا۔ امین عظیم آبادی کا شعر ہے:۔

دل ہے اُن کا کہیں، دماغ کہیں! + گھر میں ڈھونڈو تو بھونے بھانگ نہیں (صفحہ ۵۴)

ساون کی جھڑی لگانا یعنی زار و قطار رونا۔ حسن کا شعر ہے:۔

ٹک اپنا یہ رونے پہ اگر دھیان لگا دے + ساون کی جھڑی دیدۂ گریان لگا دے (ص ۱۴)

پانو کو مہندی باندھنا، قناعت کرنے کے مترادف ہے۔ عبدالقادر بیدل کا شعر ہے:۔

کب عوض دنیا کے سر کوں، جا سے چھوڑوں ٹھانو کو
باندھی ہے مہندی قناعت کی میں اپنے پانو کو (صفحہ ۶۴)

پاپڑ بیلنا، مصیبت میں مبتلا ہونے کے مترادف ہے۔ قمرالدین منت دہلوی کا شعر ہے:۔

خوان کرم پہ تیرے ہے سیر لیک عالم + ہم بے نصیب! تنگ سا پاپڑ ہی بیلتے ہیں (صفحہ ۲۳۹)

پنڈ چھوٹنا، پریشانی سے نجات ہونا مراد ہے۔ سوز کہتے ہیں:۔

جا کر کہا کسی نے کہ لو سوز بھی موا + کہنے لگا کہ پنڈ تو چھوٹا بھلا ہوا

تلوں میں تیل ہونا۔ معتبر خاں عمر دکنی کا شعر ہے:۔

تل میں دل لے کے یوں مکرتے ہو + کہ گویا ان تلوں میں تیل نہیں (صفحہ ۱۷۹)

محبوب کے لئے بسنتی پوش، ٹوپی والا، ہولی باز وغیرہ الفاظ آئے ہیں۔ مثلاً یقین کا شعر ہے:۔

اس بسنتی پوش سے آغوش رنگیں کیجئے + جی میں ہے اک مصرع موزوں کو تضمیں کیجئے (صفحہ ۲۶)

امین عظیم آبادی نے بھی کہا ہے:۔

جدائی سے سراپا رنگ میرا زعفرانی ہے
کوئی لے کر ملا دے اُس بسنتی پوش سے مجھ کو (صفحہ ۵۱)

پیام کو ٹوپی والوں سے خطرہ ہے:۔

کوئی عاشق نظر نہیں آتا + ٹوپی والوں نے قتل عام کیا (صفحہ ۶۹)

عزلت کا محبوب ہولی باز ہے:۔

جدھر نکلے وہ ہولی باز بانکا + گلابی ہے غبار راہ واں کا (صفحہ ۱۷۵)

آگہی دہلوی کو سیتلا کے داغ پسند ہیں۔

Marfat.com

تمہارے سیتلا کے داغ پیارے ✦ عجب ہی چاند میں نکلے ہیں تارے (صفحہ ۳۱) لے

سوداؔ کے دوست صانع بلگرامی کا ایک شعر ہے جس میں دھڑی جمانے کا ذکر ہے :۔

ہوا ہے شوق مومن کو دھڑی ہونٹوں جمانے کا ✦ نہ جانوں کیا سبب یاقوت کو نیلم بنانے کا (صفحہ ۱۱)

پھولوں کے گجرے بھی ہمارے ملک کی چیز ہے ۔ افسوس کہتے ہیں :۔

ہویاں نلک تو نزاکت گلوں کے گجرے سے ✦ لچکنے لگتا ہے اس گلعذار کا پہنچا (صفحہ ۵۹)

مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم نے شعر الہند حصۂ دوم میں ایک باب "ملکی سرمایہ" لکھا ہے ۔ اس میں بہت سے شعراء کے اسی قسم کے اشعار درج ہیں ۔ کچھ یہ ہیں :۔ میرؔ کا ایک شعر ہے:۔

ہو کے اُس کے شریتی لب سے جدا ✦ کچھ بتاسا سا گھلا جاتا ہے جی

قائمؔ کے دو شعر ہیں :۔

دل مرا تم کو تو لگتا ہے دسہرہ کی بتاں ✦ فتح ہے سال بھر اُس کی جو اسے لوٹے گا

بھری آتی ہیں قائمؔ پے بہ پے اس طرح آنسو ✦ کہے تو چشم کو میری کہ ہیں یہ رہٹ کی گھڑیاں

ناسخؔ کے یہ شعر ہیں :۔

ہجوم رکھتے ہیں جانبازیوں ترے آگے ✦ جوامریوں کا دوالی میں جیسے جمگھٹ ہو

آوارہ یوں ہوا و ہوس میں ہیں شیخ جی ✦ جس طرح اُڑتی پھرتی ہے بڑھیا مدار کی

آتشؔ کہتے ہیں :۔

افشری کا بوسہ بازی میں مجھے ملتا ہے لطف ✦ قند کی ڈلیاں وہ لب ہیں، خالِ لب ہیں فالسے

بحرؔ کے یہاں تل شکری اور کھنیا کا ذکر ہے :۔

ے ۱ بعض شاعروں کی تشبیہات یوں بھی آتی ہیں ۔

آئینے میں عکس چشم یار کا عالم نہ پوچھ ✦ دیکھئے آتش کنول پھولے ہوئے تالاب میں (آتش)

اثرؔ کی مثنوی خواب و خیال میں یوں ہیں :۔

مانگ موتی بھری دو دے ہے بہار ✦ جیسے بگلوں کی بدلی میں ہو قطار

ناک ہے یا کہ ایک طوطا ہے ✦ چونچ اب شہد میں ڈبوتا ہے

Marfat.com

اس کے خال لبِ شیریں کا جو کرتا ہوں بیاں + منہ میں بنتی ہے زباں تل شکری کا ٹکڑا [1]

ہو دھوپ میں بھی نہ کم حسنِ یار + کنھیا بنا دہ جو سونا گیا

محمد امان نثار کا یہ شعر نقل کیا ہے:

خونِ جگر سے مژگاں یوں سرخ ہو رہے ہیں + جنگل میں جیسے یارو پھولا کھڑا ہو ڈھاکا

مولانا موصوف نے بھاشا کے اور ہمارے ملک کے بعض جذبات و خیالات کا ذکر کیا ہے اور اشعار بھی پیش کئے ہیں۔ کچھ یہ ہیں:۔

داؤد دکنی کا شعر ہے:۔

رات دن ہے پکار میں داؤد + جوں پپیہا پیا پیا تجھ بن [2]

اشرف علی فغاں کا شعر ہے

سانورا مکھڑا، رسیلے نین، البیلی ہے چال + ایسے پیارے پر فغاں کیونکر نہ دیوانہ بنوں [3]

---

[1] امانی دہلوی (م ۱۱۸۷ھ) بھی کہتے ہیں:۔

پیوستہ ہے جو خال شکر لب پہ تمہارے
بوسے میں بھی شاید مزۂ تلِ شکری ہو (گلشنِ ہند۔ صفحہ ۴۵)

[2] داؤد (م ۱۱۶۸ھ) ولی کے شاگرد ہوں گے۔ میں نے ان کا دیوان مولوی عبدالحق کے کتب خانے میں دیکھا تھا۔ اس میں ولی کی استادی کا ذکر ہے۔

کہتے ہیں سب اہلِ سخن اس شعر کوں سن کر + تجھ طبع میں داؤد ولی کا اثر آیا

سند بس ہے تجھے مصرعِ ولی داؤد + کہ مجھ کو شورِ قیامت سوں بے نیاز کیا

حق نے بعد از ولی تجھے داؤد + صوبۂ شاعری بحال کیا

بعد از ولی ہوئے ہیں شاعر کئی ولیکن + داؤد شعر تیرا مشہور ہے دکن میں

داؤد اور سراج میں رقابت رہی ہوگی۔ داؤد نے لکھا ہے۔

جب سوں روشن ہے مجھ سخن کا شمع + رشک سیتیں سراج جلتا ہے

شعر داؤد کا مثالِ خار + حاسداں کے جگر میں سلتا ہے

[3] لیکن انجمن ترقی اردو، کراچی کے مطبوعہ دیوانِ فغاں میں یہ شعر نہیں ہے۔

Marfat.com

سودا کہتے ہیں :-

بوندے کے جدھر دل سے وہ بھڑتے ہیں ہم دگر + لڑکے مجھ آنسوؤں کے غضب منگرے ہوئے

اے دل یہ کس سے بگڑی کہ آئی ہے فوجِ اشک + لختِ جگر کی لاش کو آگے دھرے ہوئے

کوّے کی آواز سے شگون لینا بھی ہمارے ملک کی ضعیف الاعتقادی ہے۔ منیر کہتے ہیں۔

شگون لیتے ہیں کس خوش بیاں کی آمد کا + صفیرِ طوطیِ جنت صدائے زاغ میں ہے

دھونی رمانا اور آسن مار کے بیٹھنا میر کے شعر میں ہے۔

کب تلک دھونی رمائے جوگیوں کی سی ہوں + بیٹھے بیٹھے در پہ تیرے میرا آسن جل گیا

پھر متوسطین میں انشا کے یہاں بھی ہم ایسے اشعار دیکھتے ہیں۔

سانولے پن پر غضب ہے دھج بسنتی شال کی + جی میں ہے کہ بیٹھیے اب جے کنھیا لال کی

رادھکا کو چین کیا آوے کنھیا جی بغیر + واقعی کافور اڑ جائے اگر فلفل نہ ہو

مصحفی کے یہاں بھی مقامی حالات مذکور ہیں :-

اے مصحفی چل تو بھی قطب کو کہ کہتے ہیں + آتا ہے نبت جھڑیوں میں میوات کا عالم

ازبسکہ چشم تر نے بہاریں لگا لیاں + مژگاں ہیں اشکِ سرخ سے پھولوں کی ڈالیاں

پھر ناسخ کے زمانے سے خارجی شاعری کے لوازمات شروع ہوئے اور اس کے ساتھ اکثر مقامی اور ملکی چیزوں کا ذکر آیا۔

میر امن نے ۱۲۱۵ھ اور ۱۲۱۷ھ کے درمیان باغ و بہار لکھی۔ اس میں بکثرت الفاظ ملکی اور مقامی ہیں۔ "سیر پہلے درویش کی" ان الفاظ کی سیر کرائی تہے۔ "اس حیص بیص میں گھر تو کیا دیکھتا ہوں کہ دروازے پر دھوم دھام ہو رہی ہے۔ گلیارے میں جھاڑ دے کر چھڑکاؤ کیا ہے۔ یساول اور عصابردار کھڑے ہیں۔ میں حیران ہوا لیکن اپنا گھر جان کر قدم اندر رکھا۔ دیکھا تو تمام حویلی میں فرش مکلف۔ لائق ہر مکان کے جا بجا بچھا ہے اور مسندیں لگی ہیں۔ پان دان، گلاب پاش، پیک دان، چنگیریں، نرگس دان قرینے سے دھرے ہیں۔ طاقوں میں رنگترے، کنولے، نارنگیاں اور گلابیاں، رنگ برنگ کی چنی ہیں۔ ایک طرف رنگ آمیز ابرک کی ٹٹیوں میں چراغاں کی بہار ہے۔ ایک طرف جھاڑ اور سرو کنول کے روشن ہیں اور تمام دالان اور شہ نشینوں میں طلائی شمع دانوں پر کافوری شمعیں چڑھی ہیں اور جڑاؤ فانوسیں اوپر

Marfat.com

دھری ہیں۔ سب آدمی اپنے اپنے عہدوں پر مستعد ہیں۔ باورچی خانے میں دیگیں کھٹکھنا رہی ہیں۔ آب دار خانے کی ویسی ہی تیاری ہے۔ کوری کوری ٹھلیاں، روپے کی گھڑونچیوں پر صافیوں سے بندھیں اور بجھروں سے ڈھکی رکھی ہیں۔ آگے چوکی پر ڈونگے، کٹورے بمع تھالی، سرپوش، دھرے برف کے آب خورے لگ رہے ہیں اور شورے کی صراحیاں ہل رہی ہیں۔ غرض سب اسباب بادشاہانہ موجود ہے اور کنچنیاں، بھانڈ، بھگتیے، کلاونت، قوال اچھی پوشاک پہنے، ساز کے سُر ملائے حاضر ہیں۔

..... دیکھتا ہوں تو وہ نازنین ایک مکان میں گلے میں کرتی، پاؤں میں تہ پوشی، سر پر سفید رومالی اوڑھے ہوئے سادی خوزادی، بن گہنے پاتے، بنی ہوئی۔"

دوسرے درویش کی سیر میں یوں ہے: "..... دسترخوان بچھا کر مجھ تن تنہا کے روبرو رکابدار نے ایک تورے کا تورا چن دیا۔ چار مشقاب، ایک میں یخنی پلاؤ، دوسری میں قورمہ پلاؤ، تیسری میں متنجن پلاؤ اور چوتھی میں کوکو پلاؤ۔ اور ایک قاب زردے کی، اور کئی طرح کے قلیے، دوپیازہ، نرگسی، بادامی، روغن جوش اور روٹیاں کئی قسم کی۔ باقرخانی، تنکی، شیرمال، گاؤدیدہ، گاؤزبان، نان نعمت، پراٹھے اور کباب کوفتے کے، تکے کے، مرغ کے، خاگینہ، ملغوبہ، سب دیگ دم پخت، حلیم، ہریسا (حریسہ)، سموسے، ورقی، قبولی، فرنی، شیر برنج، ملائی، حلوا، فالودہ، پن بھتا، نمش، آب شورہ، ساق عروس، لوزیات، مربا، اچار دان، دہی کی قلفیاں (قفلیاں)،

....." جب دسترخوان اٹھا، زیر انداز کاشانی مخمل کا مقیشی بچھا کر چلمچی آفتابہ طلائی لا کر بیسن دان میں سے خوش بو بیسن دے کر گرم پانی سے میرے ہاتھ دھلائے، پھر پان دان جڑاؤ میں گلوریاں سونے کی بکھروٹوں میں بندھی ہوئیں اور چوگھروں میں کھلوریاں اور چکنی سپاریاں اور لونگ الاچیاں رُپے کے ورقوں میں مڑھی ہوئیں لا کر رکھیں۔"

"..... کیا دیکھتا ہوں کہ دو رویہ صف باندھے دست بستہ سہیلیاں اور خواصیں اور اردابیگنیاں، قلماقنیاں، ترکنیاں، حبشیاں، اوزبکنیاں، کشمیرنیاں، جواہر میں جڑی عہدے لئے کھڑی ہیں..... چوتھے روز جب رخصت ہونے لگا، تب بھی کسو نے خوشی سے نہ کہا کہ جاؤ اور جتنا اسباب اس مکان میں تھا، شطرنجی، چاندنی، قالینیں، سنتیل پاٹی، مندگل کوٹی، دیوارگیری، چھت پردے، چلونیں، سائبان، نم گیرے، چھپرکھٹ مع غلاف، ادقچہ، توشک

Marfat.com

بالاپوش، سیج بند، چادر، تکیئے، تکینی، گل تکیے، مسند، گاؤ تکیے، دیگ، دیگچی، پتیلی، طباق، رکابی، بادیئے، تشتری، چمچے، رکاوُلی، کفگیر، طعام بخش، سرپوش، سینی، خوان پوش، تورہ پوش، آب خورے، بجھرے، صراحی، لگن، پان دان، چوگھرے، چنگیر، گلاب پاش، عودسوز، آفتابہ، چلمچی سب میرے حوالے کئے کہ یہ تمہارا مال ہے۔"

ان تفصیلات کے تحت بکثرت ایسے الفاظ اور محاورات آگئے ہیں جو ہمارے برصغیر میں پیدا ہوئے۔ پھر متاخرین کے عہد میں ہندو مسلمانوں کے قریبی تعلقات کی وجہ سے بے شمار محاورات پیدا ہوئے۔ ڈپٹی نذیر احمد اور راشد الخیری نے بکثرت محاورات استعمال کئے۔ ذوقؔ اور داغؔ کو بھی محاورات کا بہت شوق تھا۔ ذوقؔ کا کلام کچھ مشتبہ بھی ہے اس لئے ہم صرف داغؔ کے محاورات پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

محاوراتِ داغؔ

آسن جمانا:۔

باقی نہیں نشاں کسی کے مزار کا + آسن جما ہوا ہے مرے شہ سوار کا (ی)

آسن مار کے بیٹھنا:۔

مر کے اٹھیں گے اگر اٹھیں گے ہم + بیٹھے ہیں اس در پہ آسن مار کے

اللہ کو سونپنا:۔

جو چارہ گر آیا مری بالیں پہ یہ بولا + اللہ کو سونپا تجھے بیمارِ محبت (گ)

کچھ کچھ نگاہ شرم سے تیزی بھی چاہئے + دل ہوگا ایسی کند چھری سے حلال کیا (ی)

الٹی چھری سے حلال کرنا:۔

نگاہ پھیر کے عذرِ وصال کرتے ہیں + مجھے وہ الٹی چھری سے حلال کرتے ہیں (آ)

الٹی گنگا بہانا:۔

مجھ پہ رکھتے ہیں غیر کا الزام + الٹی گنگا بہائی جاتی ہے (ی)

آنہ پائی سے چکانا:۔

لیں گے پھرے فردش سے ہم قرض + گو چکایا ہے آنہ پائی سے (ی)

ادلہ ہو جانا :۔

دیکھتا ہے نبض کیا مرے کی تو اے چارہ گر + دم کہاں ہے مجھ میں ادلہ ہو گیا ہے تن بدن (ی)

ایلے گیلے :۔

منہ لگایا تم نے غیروں سے بہت + کیوں نہ ایلے گیلے اتراتے پھریں (ی)

بائیں آنکھ پھڑکنا :۔

ٹھہر ٹھہر کے پھڑکتی ہے دہنی بائیں آنکھ + شگون کون سا اچھا بُرا ہے کیا کہیئے (ی)

باوا آدم نرالا ہونا۔

بظاہر آدمی ہیں آدمیت کب ہے غیروں میں + عجب خلقت ہے اُن کا باوا آدم ہی نرالا ہے (ی)

بٹا لگانا :۔

لگایا تم نے بٹّا نقد جاں کو + پرکھ سیکھو کھری کھوٹی رقم کی (ی)

بدھی پہنانا :۔

آڑے زخموں کی جو قاتل نے پہنائی بدّھی + آج مقتل میں شہید آئے ہیں دولھا بنکر (ی)

براج رہنا :۔

غیر کے گھر میں تم براج رہے + منتظر صبح سے ہم آج رہے (ی)

بسنت پھولنا :۔

عشق کے آتے ہی منہ پر میرے پھولی ہے بسنت + ہوگیا زرد یہ شاگرد جب استاد آیا (ی)

بسنت کی خبر نہ ہونا :۔

رنگت تپِ دروں سے مری ہوگئی ہے زرد + اُن کو مگر بسنت کی اب تک خبر نہیں (ی)

بسم اللہ کا گنبد (حفاظت کی جگہ)

پھونک دیں گے ایک دم میں شرارے آہ کے + آسماں رہتا ہے کیا گنبد میں بسم اللہ کے (ی)

بندھن وار باندھنا :۔

شب معراج میں شادی منائی تھی فرشتوں نے + نہ سمجھو کہکشاں اس کو یہ بندھن وار باندھا ہے (ی)

پالا جیتنا :۔

Marfat.com

بوالہوس جان پہ کھیلے تھے مری طرح مگر + میں نے ہی عشق کے میدان میں پالا جیتا (د)

پٹا کھیلنا:۔

نظر بازیوں سے پٹا اس نے کھیلا + وہ دنبالۂ چشم تھا یا پٹا تھا (د)

پچھوا چلنا:۔

کوئے جاناں تک نہ پہنچی اپنی خاک + بارہا پروا چلی، پچھوا چلی ! (د)

پڑھنت پڑھنا:۔

کیا جانے کیا پڑھنت پڑھی نامہ بر نے آج + اس بت کو دو ہی باتوں میں تسخیر کر لیا (د)

پلیتھن نکل جانا:۔

پورا مہ صیام کریں گے نہ شیخ جی + حضرت کا چار دن میں پلیتھن نکل گیا (د)

پنشن ملنا:۔

فلک دیتا ہے ہم کو درد اے داغ + یہ پنشن ہو گئی ہے عمر بھر کی (د)

پنچایت کرنا:۔

دل کے مقدمے میں بیگانہ کوئی پنچ + پنچایت ایسے جھگڑے کی کس کی بلا کرے (د)

پھول کا کٹورا اتار دینا:۔

غیر پر بھاری ستارے ہیں کئی + تم اتار دو کٹورا پھول کا (د)

تیسرے دن پھول ہونا:۔

یا تیسرے فلک سے بچے حضرت زاہد + یا تیسرے دن پھول ہوئے بنت عنب کے (ی)

جل تھل بھر جانا:۔

پھوٹ کر روئے جو چھالے ہو گئے جنگل ہرے + چشم دریا بار جب برسے تو جل تھل بھر گئے (آ)

چادر چڑھانا:۔

داغ ہم تربت مجنوں پہ چڑھاتے چادر + پر بیاباں تار کفن کو بھی گریباں میں نہیں (د)

چاندماری:۔

چاندماری نہ سمجھ جائیں اے اہل تفنگ + چرخ ڈرتا ہے جو پڑتا ہے کبھی ہالۂ ماہ (م)

Marfat.com

کہا سنا بخشوانا :-

کیا یوں ہی مر گئے ترے عاشق + بخشوایا کہا سنا بھی ہے (م)

گڑے مُردے اکھیڑنا :-

آگے کیا ایسے ذکر چھیڑوں میں + گڑے مردے عبث اکھیڑوں میں

گنگا نہانا :-

غم سے کہیں نجات ملے چین پائیں ہم + دل خون میں نہائے تو گنگا نہائیں ہم (ی)

لن ترانی :-

سُن چکے بس لن ترانی ہو چکا مجھ سے حجاب + آیئے اب آیئے اے بندہ پرور سامنے (م)

لنگوٹی میں پھاگ کھیلنا :-

کھیلے وہ فاقہ مست لنگوٹی میں کیوں نہ پھاگ + ہولی میں پھاگ کھیلتے ہو تم رقیب سے (ی)

(مٹی برباد ہونا) مٹی خراب ہونا -

ازل کے دن سے ہے مٹی خراب عاشق کی + یہ مشتِ خاک یونہیں خوار ہوتی آتی ہے (گ)

مرادیں ماننا :-

مرادیں مان رہا ہوں قضا کے آنے کی + بُری گھڑی تھی دلِ مبتلا کے آنے کی (آ)

مُردے کا مال :-

فلک نے لوٹ کے لٹوا دیا حسینوں سے + سمجھ لیا کسی مُردے کا اُس نے مجھے

مُردے کا کفن سے نکلنا :-

نہ پوچھو نندوں کو بیچارے جس چلن سے چلے + قیامت آئی کہ مردے نکل کفن سے چلے (گ)

مَرے دل سے :-

ہو گئی یاس عہدِ باطل سے + ہم کو جینا پڑا مرے دل سے (م)

مرنے سے شرط باندھ کے سونا :-

نصیب ہوئے تو بیدار کوئی ہوتا ہے + کہ شرط باندھ کے مردے سے وہ تو سوتا ہے (ی)

Marfat.com

مُردنی چہرے پر :-

دیکھنے آئے ہم ترے بیمار کو + مردنی چہرے پر اس کے چھائی تھی (مومن)

نقش گھول کر دینا :-

خاکسارانِ محبت کا یہی تو ہے علاج + گھول کر ان کو ترا نقش قدم دیتے ہیں (م)

ہو حق کرنا :-

شیخ ہو حق کر رہا ہے رات دن مستوں کیا تھی + آج کل ہے میکدہ اللہ کے گھر کا جواب (گ)

ہولی کھیلنا :-

یہ ٹپکتا ہے رنگِ بسمل سے + ہولی کھیلے گا آج قاتل سے (م)

یاد اللہ ہونا :-

کیوں جنابِ داغ یاد اللہ میری یاد ہے + بھیس بدلے رات کو آتے تھے کس کے گھر سے آپ (گ)

یہ تو دہلی کے محاورات ہیں اور بے شک مستند ہیں ــــ اب خواجہ عشرت لکھنوی کی فرہنگ محاورات میں سے کچھ اور ثقافتی محاورات پیش کئے جاتے ہیں جو عام طور پر رائج ہیں۔

آلہا گانا (بات کو طول دینا) استخارہ کرنا۔ اشتاق۔ افشاں چننا

احدی (اہدی اہدی بھی لکھتے ہیں)

باز دھپڑ کنا۔ بدھی ڈالنا۔ بسم اللہ کرنا۔ بھرم کھونا۔ بھگت بنانا (بری ہیئت بنانا)

بہناپا کرنا۔ بھینٹ چڑھانا۔

بھنی کھانا (مرنے کا کھانا کھانا)۔ بھیروں ناچنا (سناٹا ہونا)۔ / بھوت اتارنا بھوت سوار ہونا۔

بیڑا اٹھانا۔

پاپڑ بیلنا۔ پاکھنڈ مچانا (جھگڑا کرنا)

پانو پوجنا۔ پلیتھن نکالنا۔ پینگ بڑھانا۔

تڑا مڑنا۔ تیرنظ۔ تیجا۔

ٹوپی اچھالنا۔

جبینی لگانا (رٹ لگانا)۔ جگت چھاٹنا (پھبتی کہنا)

جوگ سادھنا (جوگی بننا)

چالا دیکھنا (نیک ساعت دیکھنا)

چالا کرنا ۔ چوتھی کھیلنا ۔ چھپر رکھنا ۔

دال گلنا ۔ دان دینا ۔ ڈنڈوت کرنا ۔ ڈولی چڑھنا ۔ ریوڑی بانٹنا ۔

عید منانا ۔ عیدی دینا ۔ قُل ہونا ۔ لاحول پڑھنا ۔ لم لگانا (عیب لگانا)

مائیوں بیٹھنا ۔ مباح ہونا ۔ محراب سُننا ۔ مسّی ۔ نسیٹ کرنا (بدشگونی منانا)

نیاز دینا ۔

ضرب الامثال

یہ بھی کئی ہزار ہیں ۔ صرف الف ممدودہ کی کچھ کہاوتیں پیش کی جاتی ہیں ۔

آب آمد تیمم برخاست

آپ سے چار برساتیں میں نے زیادہ دیکھی ہیں ۔

آپ سے ملے سو دودھ برابر مانگ ملے سو پانی + کہے نانک وہ رکت برابر جس میں کھینچا تانی

آپ میاں صوبہ دار گھر میں بیوی جھونکے بھاڑ

آپ میاں منگنے باہر کھڑے درویش

آپ ہارے بہو کو مارے ۔

آپ تجے سوہر کو بھجے

آپڑوسن مجھ سی ہو ۔

آتی ہے ہاتھی کے پانو جاتی ہے چیونٹی کے پانو

آتما میں پڑے تو پرماتما کی سوجھے ۔

آٹا نبڑا بوجا سنکا ۔

آٹے کا چراغ گھر رکھوں تو چوہا کھائے باہر رکھوں تو کوا لے جائے ۔

آٹھ یار، نو تیوہار

آٹھ چولہے نو حقے، تس پر بھی ٹھکم ٹھکا (دن)

آٹھ گانٹھ کمیت ۔

Marfat.com

آج کے بنیے کل کے سیٹھ۔

آج کے ٹھیپے آج ہی نہیں چلتے۔

آدمی آدمی انتر کوئی ہیرا کوئی کنکر

آدھا تیتر آدھا بٹیر

آدھ پاؤ آٹا چوپال میں رسوئی۔

آدھے اساڑھ تو بیری کے بھی برسے

آدھے گا تو دیوالی، آدھے گا تو ہولی

آدھے ماگھے کملی کاندھے

آسے سر پر چل گئے تو بھی مدار مدار ہی رہے۔

آرتی کے وقت سو گئے، مال بھوگ کے وقت جاگ اٹھے۔

آغا میر کی دائی سب سیکھی سکھائی۔

آگ جانے لہار جانے، دھونکنے والے کی بلا جانے۔

آگے آگے گرو، پیچھے پیچھے چیلا۔

آگے کنواں پیچھے کھائی۔

آگے کے دن پیچھے گئے ہر سے کیو نہ ہیت + اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

آگے ناتھ نہ پیچھے پگھا۔

آگے ہاتھ پیچھے پات۔

آم بوؤ آم کھاؤ املی بوؤ املی کھاؤ

آم پھلے نیو چلے ارنڈ پھلے اترائے۔

آم کھانے سے کام یا پیڑ گننے سے

آم کھائے پال کا، خربوزہ کھائے ڈال کا، پانی پیے تال کا۔

آم کے آم گٹھلی کے دام

آنہ پائی، نری پاتو گھسیائی۔

Marfat.com

آندھی آئے بیٹھ جائے مینھ آئے بھاگ جائے۔

آندھی آئے یا مینھ، بڑھیا بیٹھ سے نہ رہے۔

آنکھ ایک نہیں کجلوٹیاں نو نو

آنکھ پھڑکے بائیں بیر ملے یا سائیں + آنکھ پھڑکے دہنی ماں ملے یا بہنی

آنکھ لجائی دہی پر آئی۔

آنکھوں کے اندھے نام نین سکھ

آیا کتا کھا گیا، تو بیٹھی ڈھول بجا۔

آئے تھے ہر بھجن کو اور اوٹنے لگے کپاس۔

آئے ہاتھی کی چال، جائے چیونٹی کی چال۔

مرکبّات پروفیسر وحید الدین سلیم مرحوم نے اپنی بے مثل کتاب "وضع اصطلاحات" میں آریائی خاندان کی زبان کے مشترک اصول بتاتے ہوئے اردو کو اسی خاندان کی زبان قرار دیا ہے (۱) مرکب امتزاجی (جس میں قواعد کا رشتہ نہ ہو) (۲) مرکب ارتباطی (جس میں قواعد کا رشتہ ہو) (۳) سابقے لاحقے اور (۴) حسبِ ضرورت ہر لفظ سے فعل بنا لینا، گویا اسی خاندان کی زبانوں کے عام اصول ہیں۔ پروفیسر مرحوم نے لاتعداد الفاظ کی فہرست دی ہے جس سے ان کی غیر معمولی ذہانت کا معترف ہونا پڑتا ہے۔ ہمارے ملک اور ملک والوں نے اپنے مزاج کے مطابق جن الفاظ کو قبولِ عام کی سند دی ہے وہ اپنے اندر سیکڑوں سال کی تاریخ کو سمیٹے ہوئے ہیں۔ دیکھیے مرکب امتزاجی کے ذیل میں کس قسم کے الفاظ آتے ہیں۔

اللہ بیلی۔ اکاس دیا۔ بن کریلا۔ ٹھگ بدیا۔ جنم پتری۔ چاند گہن۔ رام لیلا۔ موم روغن۔ گاؤزبان۔ جیب گھڑی۔ عمر قید۔ گھر داماد۔ دودھ شریک۔ زن مرید۔ سفر خرچ۔ گھڑ دوڑ۔ ٹڈی دل۔ ڈاک گاڑی۔ بقر عید۔ جمعہ مسجد۔ تار گھر۔ جگت استاد۔

مرکب ارتباطی کے ذیل میں صرف مرکب توصیفی اور فعلی مشتقات آتے ہیں۔ مثلاً:۔

جیب کترا۔ چڑی مار۔ نیبو نچوڑ۔ کن کھوٹ۔ مکھی چوس۔ چلتا منتر۔ لم ٹنگو۔ اندھیر نگری۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔ منہ توڑ، پتھر پھوڑ۔ گھڑی ساز۔ سمجھ دار۔

Marfat.com

تیسرے اصول یعنی سابقے اور لاحقے کے ذیل میں لاتعداد الفاظ آتے ہیں کہ اُن کا احاطہ کرنا بھی مشکل ہے صرف بے کے سابقے سے چند الفاظ درج کئے جاتے ہیں۔

بے آرامی۔ بے بسی۔ بے تحاشا۔ بے ٹھکانے۔ بے جوڑ۔ بے چینی۔ بے عزتی۔ بے حیائی۔ بے دھڑک۔ بے ڈول۔ بے ڈھب۔ بے ڈھنگا۔ بے ساختہ پن۔ بے آسرا۔ بے شرمی۔ بے کسی۔ بے گھرا۔ بے لاگ۔ بے مروتی۔ بے نماز۔ بے موسم۔ بے دقعت۔ بے فکرا۔ بے غیرتی۔ بے ہمتی۔ بے اصولی۔ بے حضوری۔ بے جگری۔ بے دماغی۔ بے دیدہ۔ بے محلی۔ بے نوائی وغیرہ۔

مہا (بڑا) کے سابقے کے چند الفاظ یہ ہیں۔

مہاشٹی۔ مہابلی۔ مہابھارت۔ مہابیر۔ مہاپاپی۔ مہاتما۔ مہاجن۔ مہادیو۔ مہاراج۔ مہارانی۔ مہامنتری۔ مہاسبھائی۔ مہاپنڈت۔ وغیرہ۔

لاحقے بھی بکثرت ہیں۔ باز کے ساتھ چند الفاظ ملاحظہ ہوں۔

آتش باز۔ اٹکل باز۔ دل لگی باز۔ اکڑباز۔ دھوکے باز۔ دغاباز۔ پتنگ باز۔ دھاندل باز۔ شیخی باز۔ پھکڑباز۔ ٹھٹھے باز۔ جگت باز۔ چھیل باز۔ کبوتر باز۔ قلاباز۔ گلے باز۔ مرغ باز۔ حقہ باز۔ طرّہ باز وغیرہ

چوتھے اصول یعنی حسبِ ضرورت ہر لفظ سے فعل بنانا بھی اردو میں ہے۔ وحیدالدین مرحوم نے بے شمار مصادر جمع کئے ہیں۔ یہاں چند ایسے مصادر پیش کئے جاتے ہیں۔ جن سے ہمارے ملک کی مشترک تہذیبوں کی بیک وقت نشان دہی کی جاسکتی ہے۔ مثلاً آزمانا۔ بخشنا۔ تراشنا۔ خریدنا۔ داغنا۔ رنگنا۔ شرمانا۔ فرمانا۔ گزارنا۔ گرداننا۔ لرزنا۔ نرمانا۔ نوازنا۔ ورغلانا۔ بجھنا۔ بدلنا۔ دفنانا۔ قبولنا۔ کفنانا۔ خرچنا۔ الاپنا۔ اُجالنا۔ آنجنا۔ سنگارنا۔ سہارنا۔ کھلانا۔ ناتھنا۔ وغیرہ۔

وحیدالدین مرحوم فرماتے ہیں کہ" ان میں سے پہلے تین اصول سامی خاندان کی زبانوں میں مفقود ہیں۔ چوتھا اصول البتہ عربی زبان میں بھی پایا جاتا ہے۔ مگر مصادر کے اوزان اس زبان میں مقرر ہیں۔ یعنی ثلاثی اور رباعی۔ اس بنا پر جب تک کہ وہ الفاظ جن سے نئے مصدر بنائے

Marfat.com

جائیں۔ سہ حرفی یا چہار حرفی نہ ہوں، یہ اصول اس زبان میں جاری نہیں ہوتا۔ ہمارے بعض ذہین اور طباع دوستوں نے جو عربی ادب میں کافی دستگاہ رکھتے ہیں، غلطی سے یہ خیال کیا ہے کہ عربی زبان میں تیسرا اصول بھی موجود ہے۔ . . . . . حالانکہ عربی زبان میں اسما اور صفات کے خاص اوزان مقرر ہیں۔ فقط سہ حرفی مادّے ان اوزان کے سانچوں میں ڈھالے جا سکتے ہیں۔ اگر کوئی لفظ تین حرفوں سے زیادہ مثلاً چار یا پنج حرف کا ہو وہ ان اوزان میں بغیر حذف و اسقاط کے نہیں ڈھل سکتا"۔ ؎

عورتوں کی زبان

اقبال نے خوب کہا ہے۔

مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں

یہ حقیقت ہے کہ بیرونی اثرات کی وجہ سے مردوں کی زبان تو بدلتی رہتی ہے لیکن محدود ماحول کی وجہ سے عورتوں کی زبان ایک مدت تک ایک ہی نہج پر قائم رہتی ہے۔ ان کے خیالات بھی محدود ہوتے ہیں۔ اور بہت سے الفاظ و محاورات بھی انہی کے لئے مخصوص ہوتے ہیں۔ ہمارے ادب میں ریختی لاکھ معیوب سہی، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس صنف کی وجہ سے عورتوں کے ہزاروں مخصوص الفاظ و محاورات محفوظ ہو گئے ہیں۔ غالباً سعادت یار خان رنگین اس صنف کے موجد ہیں۔ انشا نے دریائے لطافت میں عفر غیبی کے الفاظ میں اس ایجاد کا سہرا رنگین ہی کے سر باندھا ہے۔ یعنی ـــ" (اسنے) غیبی نے کے تئیں چھوڑ کر ایک ریختی ایجاد کی ہے اس واسطے کہ بھلے آدمیوں کی بہو بیٹیاں لیں کر مشتاق ہوں"۔ دردانہ بیجم میں بھی انشا نے رنگین کے متعلق لکھا ہے کہ۔

"دیوانے دراں گفتگو بنظم در آوردہ بدیوانِ ریختی کہ ایجادِ اوست موسوم ساخت"

رنگین کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

مجھ پہ طوفان نہ لے جاہ کا چل دور دوا + جھوٹے منہ کا تیرے جائے گا اُڑ نور دوا

دوا، طوفان کسی پہ لینا، منہ کا نور اڑ جانا، سب عورتوں کی گفتگو میں عام ہیں۔ انشا کے

؎ وضع اصطلاحات۔ صفحہ ۱۷۰۔ (کراچی ۱۹۵۲ء)

Marfat.com

چند اشعار یہ ہیں۔

اللہ کرے سلامت جم جم رہے یہ بیڑا + ہے جس کے دم قدم سے دنیا کا سب بکھیڑا
بندی کی دشمنی میں ناحق جو ہوں الٰہی + لگ جائے اسکے منہ پر از غیب کا تھپیڑا
باجی سے اپنی ہنس کر کل دھیری یہ بولی + کیوں تم نے میرے انشاء اللہ خاں کو چھیڑا

پھر نازنین، نسبت، خانم، عصمت، جان صاحب، بیگم وغیرہ بہت سے شعراء اسی صنف میں دادِ سخن دیتے رہے اور ایسے ادب کی تخلیق کی جس میں ہمارے معاشرے کے بکثرت الفاظ محفوظ ہیں۔ ماں، باپ، بھائی بہن، شوہر بیوی اور دیگر اعزاء کے تعلقات، آپس کے جھگڑے، ساس نندوں کی لڑائی، سَوت کا جلاپا، آشنا کے نخرے، دلہن کا حجاب، سالیوں کا مذاق، امورِ خانہ داری، شادی بیاہ کی رسمیں، بناؤ سنگار کی چیزیں، زیور کپڑے، ٹونے ٹوٹکے، ضعیف الاعتقادیاں، سوگ ماتم وغیرہ کے سلسلے کے بے شمار الفاظ و محاورات ہماری زبان و ادب میں اسی ریختی کی وجہ سے رائج ہوئے۔ دگانا (دوگانہ) سہ گانا، زناخی، گوئیاں، بنّو، باجی، الاچی، انّا، جیا، دوا، چھوچھو، کوکی، خیلا، مغلانی، آتو (آتون)، لاڈو، اُنکھ مُندی (کنواری)، کھل اوپاڑ، آنکھ لگی، موم کی مریم، پیٹ کی ہلکی، اجلی (دھوبن)، جل ککڑی، نین مٹکنی، رنڈی، بھنبھری، رنگیلی، کل موئی، نکھٹو، بندوڑ، بڑھی چونڈی، چرخا (بوڑھی)، بھاگ بھری، بختوں جلی، مانگ جلی۔ کوکھ جلی، اری، اجی، ادبی، فوج، نگوڑا، مردوا، موا، بھڑوا، خصم، نس کٹا، سمجھوتی، تلچھٹ، ڈھینڈھا، سیل کا کونڈا، بڑی روٹی، بیٹھی مراد، میٹھا برس، فتح پیچ، کھجوری چوٹی وغیرہ اس صنف کے خاص الفاظ ہیں۔

عورتوں کے کپڑوں کے یہ نام آتے ہیں۔ آبِ رواں، آرٹا، بلبل چشم، پھولام، تاش، ترچھا، تن زیب، چلہ خانہ، چاند تارا، ڈھاکا، رادھا نگری، سنگی، سوسی، شبنم، شربتی، صحن، قلندری، کام لیٹ، کم خواب، گاچ، گاڑھا، گزی، گلبدن، لم دراز، لنکلاٹ (لانگ کلاتھ) محرمات، محمودی، مخمل، مشجر، مومی چھینٹ، نین سکھ، نینو وغیرہ[1]

---

[1] اس سلسلے کے بہت سے الفاظ "تاریخ ریختی مع دیوان جان صاحب" از محمد مبین نقوی (الہ آباد۔ انوار احمد پریس) سے لئے گئے ہیں۔ جان صاحب کی ایک غزل (صفحہ ۱۹۶) میں کپڑوں کے بکثرت نام آئے ہیں۔

Marfat.com

زیورات میں یہ نام معروف ہیں۔ آرسی، اکا، انگوٹھی، بالے، بالیاں، بجلی، پہنچی، تعویذ، توڑا، جگنو، جوشن، جھومر، چاند، چوڑیاں، چھپکا، چھڑے، چھلا، دھکدھکی، زنجیر، طوق، کڑے، کنگن، گجرا، گھنگرو، نتھ، نورتن، نونگے، ہار وغیرہ۔

صرف انگیا کے سلسلے میں یہ الفاظ آتے ہیں:۔ بنگلا، کنٹھا، گھاٹ، بازو، بند، پان، دیوار (یا) دوال، بیچے، پچھوے، چڑیا، خسی، (خواصی)، ڈوری، کٹوری، لہر، ٹھرا، آستین وغیرہ۔

محمد مبین صاحب نے صرف دیوان جان صاحبؒ کے قریب پونے دو سو الفاظ ایسے نقل کئے ہیں جو افراد سے متعلق رعایتِ لفظی کے لئے استعمال کئے گئے ہیں ـــ بعض دلچسپ الفاظ یہ ہیں:۔ بادل خاں۔ رمضان خان، چاند خان، میر بحری، میر مچھلی، موجی رام، برفی خانم، کوڑیا خانم، گمانی جان، امام باندی وغیرہ۔

صرف شادی بیاہ کی چند رسمیں جان صاحب کے اشعار میں ملاحظہ ہوں:۔

چھلا جڑاؤ سونے کا دولہا کے سامنے + میں نے دلھن پہ ڈومنی کو وار کر دیا

دو روپے بھی گر نہیں نکتے پاس دینے کیلئے + اشرفی خانم بہو کا تو نے منہ دیکھا عبث

ماں جائی ہوں میں ڈالونگی آنچل ہے میرا کام + جوتا چھپا کے نیگ لیں دولہا کی سالیاں

چھپٹی کو تو صورت ذرا دیکھوں دلھن کی + بندھوا کے اُٹھنی مجھے لا دو اجی گھمن کی

چلے بھی چار ہو چکے کبتک رہے گی شرم + گھونگھٹ اٹھاؤ اپنے خصم کو جواب دو

پڑھ کے اخلاص کا سورہ مرے کنگھی کرنا + بعض ہیلا نہ ہو جیسا کیا پیدا اخلاص

جمعہ کو بلالوں گی، کیوں روتی ہوائے بنو + سسرال کو لے جاؤ، قربان خدا حافظ [۲]

ان کے علاوہ بے شمار الفاظ اور محاورات ایسے آتے ہیں جو عورتوں کی زبان پر زیادہ ہیں۔ مثلاً

---

[۱] "تاریخ ریختی مع دیوان جان صاحب" از محمد مبین نقوی (الہ آباد۔ انوار احمد پریس) صفحہ ۶۸ - ۶۹ - دریائے لطافت کے دروازۂ پنجم میں بھی بہت سے الفاظ ہیں۔

[۲] ایضاً

جوکی بھرنا، ٹسوے گھلانا، توتیے جوڑنا، اللہ اللہ کہنا، ڈھال کا پھول سونگھنا، کھبرا گکڑی کرنا، ماتھا ٹھنکنا، کولا کاٹنا، انگول کرنا، گاؤں میں چاول بھبکے کر سونا، روٹی پہ بوٹی رکھ کر کھانا، پانچا بھاری کرنا، پاپڑ اغ کرنا، دن لگنا، پانو پھیرنا، اینٹ الٹنا، ڈولا اچھلنا، آنچل میں بات باندھ رکھنا، بیس ہنڈیوں کا مزہ چکھنا، سوکھی دھانوں پانی پڑنا، بھوگ سنانا، ریوڑی کے پھیر میں آنا، چندرانا، پیر بھاری ہونا، دودھی سے ہونا، زمین دیکھنا، نشان چڑھانا، من مٹنا، رموز چھانٹنا، پانو کی جوتی سر کو چڑھانا، ٹیکی پڑنا، ادھل ہو جانا، اہلی گہلی بھرنا، بے نماز ہونا، درد کھانا، گود بھرنا وغیرہ۔

نثر میں بھی مستورات کی زبان کے نمونے ملتے ہیں۔ مثلاً طلسم ہوش ربا (جلد اول) کی یہ عبارت ہے:-

"یہ جو ملکہ نے سنا اپنا حال تباہ کیا اور جواب دیا کہ مجھ سے یہ قید فرنگ نہ اٹھی ہے، نہ اٹھے گی۔ لو صاحب دائی مجھ پہ گڑ رہا ہوں گی۔ میں تو ماں کا دباؤ سہتی نہیں، دائی جو میرے ساتھ رہیں گی اور ہر بات پر چٹ پٹ بولیں گی، پھر مجھے کہاں تاب ہو گی؟ میں بھی کچھ کہوں گی تو نگوڑ ماری بدنام ہوں گی۔ اس سے میں در گزری۔ بھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان۔ ایسی بے اعتبار میں ہوں کہ دائی کو لئے لئے پھروں۔ بھاڑ میں جائے سیر، چولھے میں جائے تماشا۔ میں اپنی جان دوں گی، کہیں نہ جاؤں گی اور جاؤں گی تو بڑھیا نگوڑی کو نہ لے جاؤں گی، ماں نے جو یہ باتیں سنیں، کہا کہ اگر تو اکیلی جائے گی تو مار مار کے تیرا کچومر نکالوں گی۔ لو موئی مجھ سے نخرے بگھارنے لگی۔ ایسی خود مختار ٹھہری کہ کوئی بڑا بوڑھا واقف کار اس کے ساتھ نہ رہے۔ خواہ تیرے لئے کچھ ہی کیوں نہ ہو، تو جیے یا مرے۔ مگر دائی ضرور ساتھ رہے گی"۔[۱]

طلسم ہوش ربا کا سال تصنیف متعین نہیں ہے۔ تاہم اس سے پہلے بھی نثر میں عورتوں کی زبان کے نمونے ملتے ہیں۔ میر امن کی باغ و بہار میں کئی جگہ یہ زبان آتی ہے۔ ایک بڑھیا کی دعا اور گفتگو یوں آتی ہے:-

---

[۱] "تاریخ ریختی مع دیوان جان صاحب" از محمد مبین نقوی (الہ آباد۔ انوار احمد پریس) صفحہ ۳۷

Marfat.com

الٰہی۔ تیری ننھ جوڑی سہاگ کی سلامت رہے اور کماؤ کی پگڑی قائم رہے۔ میں غریب رنڈیا فقیرنی ہوں۔ ایک بیٹی میری ہے کہ وہ دوجی سے پورے دنوں دردِ زہ میں مرتی ہے اور مجھ کو اتنی وسعت نہیں کہ آدمی کا تیل چراغ میں جلاؤں۔ اگر مرگئی تو گور و کفن کیونکر کر دل‌گی اور جینے تو دائی جنائی کو کیا دوں گی اور جچا (زچہ) کو سٹھوارا اچھوانی کہاں سے پلاؤں گی؟ آج دو دن ہوئے ہیں کہ بھوکی پیاسی پڑی ہے۔ اے صاحب زادی، اپنی خیر، کچھ ٹکڑا پارچہ دلا، تو اس کو پانی پینے کا ادھار ہو۔"

میر امن کی باغ و بہار ۱۲۱۷ھ میں مکمل ہوئی تھی۔ اس کے ۲۳ سال بعد ۱۲۴۰ھ میں رجب علی بیگ سرور کی کتاب فسانۂ عجائب مرتب ہوئی۔ اس میں کہیں کہیں دو چار فقرے اس زبان کے آتے ہیں۔ مثلاً۔

"۔۔۔۔ ماہ طلعت ان باتوں سے زیادہ مکدر ہوئی۔ شہزادے سے کہا، اگر میری بات کا نونا جواب صاف نہ دے گا تو اس نگوڑے کی گردن مرڈرا اپنے تلوؤں سے اس کی آنکھیں ملوں گی جب دانہ پانی کھاؤں گی۔۔۔"

عورتوں کی زبان کے نمونے میر حسن، نسیم، واجد علی شاہ، اختر، فلق، نواب مرزا شوق لکھنوی اور شوق قدوائی لکھنوی وغیرہ کی مثنویوں میں بھی ملتے ہیں۔

خلاصۂ کلام مسلمانوں کے خدا، رسولؐ، پیغمبر، نبی، ولی، وحی، معجزہ، کرامت، تکبیر، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، کفارہ، صدقہ، فطرہ، قربانی، وضو، استنجا وغیرہ سیکڑوں الفاظ ہیں جن کو بدلنا چاہیں تو نہیں بدل سکتے۔ اسی طرح ہندوؤں کا دسہرا، دیوالی، ہولی، جنم اشٹمی، راکھی، رشی، منی، دیو، دیوتا، مندر، پنڈت، گرو، گوکل، پوجا، پاٹ وغیرہ لاتعداد الفاظ ہیں جن کے بغیر چارہ نہیں اور ان کے مترادفات مہیا نہیں ہو سکتے۔

معاشرت اور ثقافت کے ذیل میں تو اس قدر الفاظ آتے ہیں کہ ان کا سمیٹنا مشکل ہے۔ پہلے کپڑوں کو دیکھیے کہ ہندوؤں کی دھوتی، ساری، پگڑی، کرتی، انگیا، لہنگا، بندی، چھینٹ، ململ، ڈوریا، لٹھا، دوسوتی، کھادی، وغیرہ متعدد الفاظ ملتے ہیں اور مسلمانوں کے کپڑے دیکھیے۔[1]

---

[1] مسلمانوں کے اکثر الفاظ نقوشِ سلیمانی (ہندستان میں ہندستانی) سے لیے گئے ہیں۔

مخمل، تافتہ، کاشانی، زربفت، شروانی، کمخواب، دیبا، اطلس، حریر، تافتہ، بانات، مشروع، زری، گل بدن، تن زیب، جامہ دار، محمودی، علی قلی خانی، زرتار، جام دانی، کام دانی، کرتہ، قمیص، اچکن، چپکن، پیشواز، میرزائی، نیم آستین، جامہ، عبا، چغہ، فرغل، کلاہ، دستار، کلغی، شال، دوشالہ، چادر، شلوار، پاجامہ، ازار، توشک، تکیہ، لحاف، قالین، مسند، بستر، رضائی، دولائی، غلاف، رومال، سوزنی، موزے، ازاربند، کمربند وغیرہ الفاظ عربی، فارسی، اور ترکی سے آئے۔ کسی باغ میں آپ داخل ہوں تو گیندا، چمپا، مدن مست، چمیلی، بیلا، موتیا، موگرا، مولسری وغیرہ یہاں کے پھول ملیں گے اور ان کے ساتھ گلاب، لالہ، سوسن، سنبل، ریحان، بنفشہ، خطمی، نرگس، نسرین، گل طرہ (GOLD HAIR) گل مشبّر وغیرہ مسلمانوں کی یادگاریں بھی ملیں گی۔ پھلوں کی طرف آیئے تو آڑو، لکاٹ، آم، لیچی، چرونجی، کمرکھ، شریفہ، (سیتا پھل)، رام پھل وغیرہ یہاں کے پھل کھایئے اور ان کے علاوہ متقدر ہو تو انگور، انار، سیب، موز، سفرجل، بہی، انجیر، نارنگی، خربوزہ، تربوزہ، سردہ، گرما، بادام، منقی، کشمش، پستہ، شفتالو، ناشپاتی، خوبانی، چلغوزہ، وغیرہ بھی مسلمانوں سے لیجیے۔ پھر کھانوں کی طرف آیئے تو پوری کچوری، دہی بڑے، چنے، سیو، بھجیے، پاپڑ، لڈو، پیڑے، گوجھے، کھچڑی، پن بھتا وغیرہ ہندوؤں سے کھایئے۔ اور مسلمانوں کے دسترخوان کی چیزوں کا تو شمار ہی نہیں۔ ایک درجن اقسام کی روٹیوں کا مزہ دیکھیے، یعنی نانِ یزدی، نان ورقی، نان تنکی، نان پنیری، نانِ خمیری، نان باقرخانی، گاؤ زبان، گاؤ دیدہ، آبی، خطائی، شیرمال اور نانِ گلدار —— پھر قلیہ بھی ہے اور دو پیازہ بھی ہے، نرگسی، شیرازی، زعفرانی، بادامی، قلچہ، کوفتہ، خاگینہ، ملغوبہ، بورانی، بریانی، دُرمحلی، خراسانی، رومی، تبریزی، شب دیگ، دم پخت، خشکہ، مزعفر، شولا، متنجن پلاؤ، قورمہ پلاؤ، یخنی پلاؤ، حبشی پلاؤ، بیگمی، چاشنی، عنبری، کاشانی، پھر ماہی کباب ہیں، مرغ کباب ہیں، مرغ کباب، سیخ کباب، بیضہ کباب اور شامی کباب وغیرہ کے تو نام سے بھی موہنہ میں پانی بھر آتا ہوگا۔ ان کے علاوہ حلیم، حریرہ، سموسہ، قبولی، طاہری، جہانگیری، زعفرانی، فرنی، ملائی، حلوا، فالودہ، نمش، قندی،

Marfat.com

مشک نافہ[1] وغیرہ بھی بکثرت اغذیہ میں۔ ہندوستان نے پان، کتھا، چونا، چھالیا وغیرہ مہیا کی تو مسلمانوں نے سلیقے کے اسباب مثلاً پاندان، خاصدان، اگال دان وغیرہ پیش کئے۔ ہندوستان نے کیلے کے پتے، مٹی کی ہانڈیاں، کٹوریاں، ڈوئی، گنڈ وغیرہ دیے تو مسلمانوں نے دیگ، دیگچی، کفگیر، چمچہ، قاشق، رکابی، پیالہ، بادیہ، قاب، آفتابہ، آب خورہ، سلابچی، صابون، خلال وغیرہ پیش کئے۔ پھر کھانے تیار کرنے والے باورچی، نان بائی، حلوائی، خانساماں اور ان کے طشت، خوانچے، صحنک وغیرہ جمع ہوئے۔ ہندوستان کے دیے اور دیپک کے ساتھ مسلمانوں کی شمع، قندیل، فانوس، مشعل، دیوارگیر، فتیل سوز وغیرہ بھی شمعِ محفل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہندوستان میں ٹٹیاں بنائی گئیں لیکن خس ہن کا نام مسلمانوں ہی نے دیا۔ گھوڑے گدھے اور بیل کے لئے لگام، زین، خوگیر، رکاب، نعل، وغیرہ مسلمانوں نے مہیا کئے۔ سئیس، سوار، شہ سوار، تازیانہ، قمچی وغیرہ بھی مسلمانوں کی یادگار ہیں۔ —— زیورات میں کرن پھول، کڑے، جھمکے، بالی، آرسی، جھومر وغیرہ یہاں تھے، تو سرپیچ، کلغی، طرّہ، دُرہ، گوشوارہ، دست بند، بازو بند، ہیکل، طوق، تعویذ، گلو بند، پری بند، زنجیر، کمرزیب، پازیب، وغیرہ مسلمانوں نے دلوائے۔ پتھروں میں پنا، پکھراج، کیمور، سلیٹ وغیرہ یہاں ملے تو مسلمان اپنے ساتھ لعلِ بدخشانی، دُرِّ عمانی، عقیق یمنی، زمرد، زبرجد، یشب، فیروزہ، سنگِ ستارہ، سنگِ شجر، سنگِ مرمر، سنگِ موسیٰ، سنگِ عیسیٰ، سنگِ خارا، سنگِ سماق، سنگ لرزاں وغیرہ لائے۔ کیا ان الفاظ کو کسی حالت میں بھی دور کیا جا سکتا ہے؟ اور کیا ان کے مرادفات یا مترادفات ہو سکتے ہیں؟ یہ الفاظ ہمارے سیکڑوں سال کی معاشرت و ثقافت کی یادگار ہیں اور ان کا مٹنا ہماری تہذیب و شرافت کا مٹنا ہے۔

اب پاکستان کے وجود سے اردو کے نئے مرکز قائم ہو رہے ہیں۔ ہندوستان کے بکثرت ادباء آ گئے ہیں اور بکثرت پیدا ہو رہے ہیں۔ مختلف صوبوں کے ثقافتی تعلقات بھی گہرے اور مضبوط ہو گئے ہیں —— چناں چہ امید ہے کہ اب ان تعلقات کی وجہ سے زبان و ادب میں

---

[1] کھانوں کے نام تحسین کی کتاب نوطرز مرصع (الہ آباد ۱۹۵۸ء، صفحہ ۱۵۹) سے لیے ہیں۔

Marfat.com

اور بھی وسعت ہو گی — نئے رجحانات، نئے نظریے اور نئی کیفیات جنم لیں گی۔ مختلف سیاسی ملکی اور مذہبی امور سے خیالات اور جذبات میں تبدیلی ہو گی۔ ابتدائی مدارس میں نئی تعلیمی اسکیم کے مطابق قرآن پاک کا ترجمہ لازمی کرنے سے مشرقی اور مغربی پاکستان کے لوگوں میں دینی اور ثقافتی تعلقات زیادہ وسیع اور زیادہ قریبی ہوں گے۔ ایران اور ترکی کے مضبوط و مستحکم معاہدوں کی وجہ سے پاکستانی ادب میں ایک بار پھر ان ملکوں کے ادب سے ہمارا تعلق براہِ راست ہو جائے گا۔ یہ اور اسی قسم کے دوسرے ثقافتی اور سیاسی امور ہماری زبان و ادب کے لیے نیک فال ہیں۔

Marfat.com

بابائے اُردو کی اُردو

اُردو اور بابائے اُردو آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ جس طرح اُردو ادب کی تاریخ بغیر بابائے اُردو کے مکمل نہیں کہی جاسکتی، ٹھیک اُسی طرح بابائے اُردو کی تاریخ بغیر اُردو کے مکمّل نہیں ـــــ اُردو ان کی آنکھوں کا تارا اور وہ خود اُردو کی زندگی کا سہارا ہیں ـــــ وہ بچّے تھے تو اُردو کے گہوارے میں پلے، جوان ہوئے تو اُردو سے عشق کیا اور بڑے بوڑھے ہوئے تو اُردو ان کی پروردہ قرار پائی ـــ اُردو ادب کے وہ ثقافتی اور نفسیاتی اثرات ہی تو ہیں جن کی وجہ سے بابائے اُردو کی ذات میں شرافت و محبت کے اعلیٰ جوہر موجود ہیں اور اخلاقی جرأت

Marfat.com

اُن کا طرۂ امتیاز ہے۔

انھوں نے کم و بیش ساٹھ سال اُردو کی خدمت کی ہے اور زبان و ادب کے بہت سے گوشے روشن کیے ہیں۔ اس خصوص میں اُن کا ایک ایک لفظ، سند کی حیثیت رکھتا ہے اور حرفِ آخر کی مہر ثبت کرتا ہے۔ اُردو کا مورخ ان کے آگے کسی اور کو خاطر میں نہیں لاتا اور کسی ادیب کا چراغ اُن کے آگے نہیں جلتا۔ وہ اردو کی رہتی دُنیا تک جئیں گے اور اردو ادب کا سہارا لینے والے ہمیشہ اُن کی بدولت اپنی ادبی زندگی حاصل کریں گے۔ چناں چہ مناسب ہے کہ زبان و ادب سے متعلق اُن کے اقوال و بیانات کا ایک ایسا جامع انتخاب بھی کر لیا جائے جو مشعلِ راہ کا کام دے سکے اور اس سے ہمارے ادبا کے بہت سے رجحانات اور معلومات کی اصلاح بھی ہو سکے۔ فی الحال اس انتخاب کی تقسیم اس طرح کی جا سکتی ہے:۔

(الف) اردو زبان کا مسئلہ اور (ب) اُردو ادب۔ نشو و نما اور ارتقا — انتخابات اور اقتباسات کے بعد مضمون کا آخری حصّہ (ج) بابائے اُردو کی نثر ہے جس میں تنقید و تبصرہ ہوگا۔ خدا کرے کہ یہ ناچیز سعی مشکور ہو!

Marfat.com

(الف)

اُردو زبان کا مسئلہ

بمبئی اُردو کانفرنس ۱۹۴۵ء کے خطبے میں فرماتے ہیں کہ

"شاہ عالم ثانی نے جب احاطۂ بنگال کی دیوانی ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کی تو معاہدے کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ دفتروں اور عدالتوں کی زبان بدستور فارسی رہے گی۔ بہادر شاہ ظفر جو مغلیہ خاندان کے آخری بادشاہ تھے اُن کا کاروبار بھی فارسی میں ہوتا۔ ان کا درباری اخبار سراج الاخبار بھی فارسی میں شائع ہوتا تھا۔ مرزا غالبؔ سے اپنے خاندان کی تاریخ بھی انھوں نے فارسی میں لکھوائی۔ اس زبان (اردو) کو بادشاہوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔"

اسی واقعے کی تفصیل، اُردو کانفرنس دیناج پور (۷، مارچ ۱۹۴۳ء) کے خطبے میں یوں ہے:-

"جب شاہ عالم بادشاہ کے زمانے میں بنگالہ کی دیوانی، ایسٹ انڈیا کمپنی کو تفویض کی گئی تو منجملہ دیگر شرائط کے ایک شرط یہ بھی تھی کہ فارسی بدستور سرکاری زبان رہے گی۔ کچھ دنوں تک تو اس کی پابندی کی گئی لیکن جب فارسی کی جگہ اردو[1] نے لے لی اور تمام صوبوں کے دفتروں اور عدالتوں میں جہاں پہلے فارسی تھی اردو کا رواج ہو گیا تو حکومت بنگال نے اردو کی طرف سے سخت بے اعتنائی کی اور اس کی ناانصافی صرف بنگال ہی تک محدود نہ رہی بلکہ بہار میں بھی (جو اس وقت احاطۂ بنگال میں شامل تھا) حکماً اُردو کی جگہ ہندی رائج کر دی۔ لیکن باوجود اس کے اپنی ذاتی صفات اور صلاحیت کی بدولت اس کی ہر دل عزیزی پھر بھی باقی رہی۔"

---

[1] خطبات (صفحہ ۴۰۵) میں ہے کہ ۱۸۳۷ء سے اردو سرکاری زبان قرار پائی اور (صفحہ ۳۳۷ میں ہے کہ ۱۸۰۲ء سے جب کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں انگریزی اثر اور تسلط پنجاب میں ہوا تو اردو یہاں کی سرکاری زبان ہو گئی۔"

Marfat.com

بنگال کے لفٹننٹ گورنر مسٹر جی کیمبل نے ۱۸۷۱ء میں اردو کے خلاف زہر اگلا اور اُسے سرکاری زبان نہ رہنے دیا۔ مولانا اسی خطبے میں آگے چل کر فرماتے ہیں کہ:۔

"سر جارج کیمبل نے اردو کو بنگال اور بہار سے خارج کر کے چھوڑا۔ یہ پہلی ضرب تھی جو اردو پر لگائی گئی اور اس وقت سے لے کر اب تک اس پر برابر مخالفتوں کی بوچھاڑ رہی ہے اور کوئی کوشش اور سازش ایسی نہیں جو اس کے خلاف نہ کی گئی ہو۔"

سرسید نے تعلیمی سروے میں فرمایا ہے کہ:۔

"تیس برس کے عرصے سے مجھ کو ملک کی ترقی اور اس کے باشندوں کی فلاح کا خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان، خیال پیدا ہوا ہے اور ہمیشہ میری یہ خواہش تھی کہ دونوں مل کر دونوں کی فلاح میں کوشش کریں مگر جب سے ہندو صاحبوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اردو زبان اور فارسی کو جو مسلمانوں کی حکومت اور ان کی شاہنشہی ہندوستان کی باقی ماندہ نشانی ہے مٹا دیا جائے، اس وقت سے مجھ کو یقین ہو گیا کہ اب ہندو مسلمان باہم متفق ہو کر کام نہیں کر سکتے۔ میں نہایت درستی اور اپنے تجربے اور یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ہندو مسلمانوں میں جو نفاق شروع ہوا ہے اس کی ابتدا اسی سے ہوئی۔"

سرسید کا یہ قول عبدالحق صاحب نے علی گڑھ کانفرنس میں ۲۸ اپریل ۱۹۳۷ء اور ۱۴ فروری ۱۹۴۱ء میں نقل کیا ہے۔ موخر الذکر موقع پر یہ بھی فرمایا ہے کہ:۔

"۱۸۶۸ء اور ۱۸۶۹ء میں اردو ہندی کی بحث میں شدت شروع ہوئی۔ الٰہ آباد میں ہندی کی حمایت میں ایک صدر مجلس قائم ہوئی اور مختلف مقامات میں اس کی شاخیں بنائی گئیں۔ اس صدر مجلس کے سکرٹری (بابو سردا پرشاد سنڈیال) اور سرسید میں اسی تنازع کے متعلق مراسلت ہوئی۔ اخبار سائنٹفک سوسائٹی، بنارس گزٹ، رسالہ جلسۂ تہذیب (لکھنؤ)، نور الانوار وغیرہ اخبارات میں دونوں طرف سے بڑے گرم مضامین نکلے۔ اِدھر یہ بحث ہو رہی تھی کہ بہار میں حکومت بنگال نے زبردستی اردو کی جگہ ہندی رائج کر دی۔[1] .... الغرض ۱۸۷۳ء میں جب سرسید کو یہ معلوم ہوا کہ مدرسوں اور دفتروں میں دیوناگری جاری کرنے کے لئے ایک درخواست،

---

[1] تفصیل، خطبات (کراچی ۱۹۵۲ء) صفحہ ۵۲۰ میں دیکھیں۔

ہندوؤں کے دستخطوں کے لیے گشت کرائی جا رہی ہے تو انھوں نے ۹ر دسمبر ۱۸۷۳ء

کو الٰہ آباد میں ایک بڑا جلسہ کیا اور اردو کی حفاظت کے لیے ایک صدر مجلس، الٰہ آباد

میں قائم کی جس کے سرسید سکریٹری قرار پائے اور اس کی شاخیں دوسرے اضلاع میں

قائم کی گئیں۔ سرسید نے ایک پرزور اور مدلل سرکلر جاری کیا جس میں ان نقصانات

کو مفصّل طور پر بیان کیا جو اس تبدیلی سے پہنچیں گے۔ ۱۸۸۲ء میں جب حکومتِ ہند

کے مقرر کردہ مشہور ایجوکیشن کمیشن کا دورہ بہ غرض تحقیقات، ملک میں ہوا تو یہ جنون

پھر شدت سے اُبھلا اور اضلاعِ شمال و مغرب اور پنجاب کے ہندوؤں نے اردو

زبان کی بڑی زور شور سے مخالفت کی اور دونوں صوبوں کی بے شمار سبھاؤں اور انجمنوں

کی طرف سے بڑے بڑے طولانی محضر پیش ہوئے۔ چناں چہ ڈاکٹر ہنٹر نے جو اس

کمیشن کے صدر تھے، ایم اے او کالج علی گڑھ کے اڈریس کے جواب میں کہا کہ روزانہ

ڈاک میں ہمارے پاس بے شمار دستخطوں کے ساتھ ہندی کی حمایت میں میموریل،

وصول ہو رہے ہیں۔ صرف ایک درخواست پر جو کل ہی وصول ہوئی، تین ہزار

دو سو ستاسی اشخاص کے دستخط ثبت ہیں۔"

کمیشن میں بھی یہ معاملہ پہنچایا گیا۔ لیکن سرسیدؔ نے اس بنا پر کہ یہ معاملہ اب تعلیمی نہیں رہا، سیاسی ہو گیا ہے، اس ناگوار بحث کو کمیشن میں نہ آنے دیا۔

یہ آگ جو اندر ہی اندر سلگ رہی تھی، مارچ ۱۸۹۸ء میں یکایک بھڑک اٹھی۔

اشتعال کا باعث سر انٹنی میکڈانل ہوئے جو اس صوبے میں لفٹننٹ گورنر ہو کر

آئے تھے۔ اس سے پہلے صوبۂ بہار میں کلکٹر تھے۔ وہاں بھی اس آگ پر بہت تیل

چھڑکا تھا۔ ان کے آنے سے ہندی کے طرف داروں کے حوصلے بڑھ گئے۔ معزز اور

سربرآوردہ ہندوؤں نے پھر ایک میموریل لفٹننٹ گورنر کی خدمت میں پیش کیا۔

مولانا حالیؔ لکھتے ہیں کہ اگرچہ سرسید پر اس زمانے میں ہجومِ رنج و الم کے سبب

ایسا سکتے کا عالم طاری تھا کہ وہ بالکل نقشِ دیوار بن گئے تھے مگر اسی حالت میں

انھوں اس مضمون پر ایک آرٹیکل لکھا جو ۱۵ر مارچ کے انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں

سرسید کی وفات سے نو دن پہلے شائع ہوا اور جو کمیٹی مسلمانوں نے الٰہ آباد

میں اردو کی حمایت کے لیے قائم کی تھی اُس کو اِس باب میں بہ ذریعۂ تحریر

سے کچھ مشورے دیئے.........

اسی سال ہندی والوں کا ایک ڈیپوٹیشن لفٹننٹ گورنر بہادر کی خدمت میں حاضر ہوا جس کو جواب دیتے ہوئے "ہزآنر نے موجودہ دستورِ عدالت میں جلد تبادلے کو ناپسند کر کے، جس کے افسران گورنمنٹ عادی نہیں ہیں، قبول کیا کہ سرکاری کاغذات میں ناگری حروف کے مزید استعمال سے فائدہ ہوسکتا ہے".....چناں چہ گورنمنٹ کے ریزولیوشن مورخہ ۱۸ اپریل ۱۹۰۰ء میں ناگری حروف جاری کرنے کا قطعی فیصلہ کر دیا گیا......... وائس رائے کرزن نے اپنے احکام میں حروف کا لفظ بدل کر زبان کا لفظ بنا دیا۔ وہ جو ذرا سا تسمہ لگا رہ گیا تھا ظالم نے وہ بھی کاٹ کر رکھ دیا۔

اس پر مسلمانوں میں بڑا ہیجان ہوا۔ نواب محسن الملک بہادر نے ان احکام کی ناانصافی کی طرف گورنمنٹ کو توجہ دلانے کی غرض سے ایک بڑا جلسہ منعقد کرنے کی تیاری کی اور ملک کے سربرآوردہ اور تعلیم یافتہ اصحاب کو مدعو کیا۔ یہ جلسہ ۱۷، ۱۸ اگست ۱۹۰۰ء کو بمقام لکھنؤ، بارہ دری قیصر باغ میں بڑی دھوم دھام اور جوش وخروش سے ہوا۔ (لیکن نواب محسن الملک کو) ایسی سخت دھمکی دی گئی کہ نواب صاحب کو یہ تحریک چھوڑتے بنی اور ساری کوششوں پر پانی پھر گیا۔ یہ واقعہ نہایت عبرت انگیز ہے۔ یہ اردو کی بہت بڑی شکست ہوئی۔

اس وقت سے یہ زبان جسے اب ہندی کہا جاتا ہے، ترقی کرتی چلی گئی۔ پنڈت مالویا جی نے جب شدھی اور سنگھٹن کے دنگل قائم کیے تو اس کا زور اور بڑھا اور اس مذہبی جنون سے ہندی کی اشاعت کا خوب فائدہ اٹھایا گیا۔ راج پوتانہ اور سنٹرل انڈیا کی ہندو ریاستوں میں اس وقت تک دفتروں اور عدالتوں کی زبان اردو تھی، وہاں وفد بھیج بھیج کر اردو کو اکھاڑا اور ہندی کو جمایا۔ ایک جودھپور ان کی گرفت سے بچ رہا تھا۔ اس کا جو حشر ہوا وہ آپ نے دیکھ لیا۔ ایک پنڈت رام چندر شرما نامی نے مرن برن برت رکھا............. یہ مرن برت نہیں، دھمکی برت ہے اور جس طرح لاج کوٹ کے معاملے میں وائس رائے دھمکی میں آگئے تھے اسی طرح جودھپور کے وزیراعظم بھی دھمکی میں آگئے........ سرانیتی (میکڈانل) کو دیو ناگری

Marfat.com

جاری کرنے میں دو سال الگ گئے تھے۔ مگر موجودہ دور کے وزیر باتدبیر نے چند ہی روز میں حکم ناطق نافذ کر دیا اور بے گناہ اُردو کے قتل کا فتوا سر مرزا اسمٰعیل کے دستِ مبارک سے لکھا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔"

علی گڑھ کانفرنس (۱۴ار فروری ۱۹۴۱ء) میں فرمایا :-

"آپ کو معلوم ہے کہ نومبر ۱۸۳۷ء میں حکومت نے ایک بجٹ پاس کیا جس کی رو سے دفتروں اور عدالتوں کی زبان فارسی سے اردو کر دی گئی۔ جب تک فارسی رہی کسی نے زبان کی شکایت نہ کی اور جب اردو ہوئی تو بھی کوئی شکایت پیش نہ ہوئی۔ ہندی اُردو کی نزاع ۱۸۶۷ء سے شروع ہوتی ہے جب بنارس کے بعض معزز ہندوؤں نے (بابو فتح نرائن سنگھ کی سرگردگی میں) تمام سرکاری دفتروں میں اردو زبان اور فارسی خط کے موقوف کرنے اور اس کے بجائے ہندی بھاشا رائج کرنے کی کوشش کی۔ (مولانا حالی، حیاتِ جاوید میں لکھتے ہیں کہ سرسید کہتے تھے کہ یہ پہلا موقع تھا جب کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اب ہندو مسلمان کا بطور ایک قوم کے ساتھ چلنا اور دونوں کو ملا کر سب کے لیے ساتھ ساتھ کوشش کرنا محال ہے۔)

اس سے پہلے اسی خطبے میں فرمایا تھا کہ :-

"۱۸۵۷ء کے بعد کمپنی بہادر برخاست ہوئی۔ انگریزی راج آیا۔ حالات نے پلٹا کھایا۔ جدید قانون نافذ ہوئے ...... ریل اور تار کی حیرت انگیز اختراعوں، کالجوں کی تعلیم، آزادی اور حبِ وطن کی تقریروں اور تحریروں، انگریزی انصاف پسندی کے اعتقاد نے قومیت اور وطنیت کے جذبے کو اور اُکسایا۔ خاص کر ہندو اس سے زیادہ متاثر ہوئے ...... قومیت اور ماضی کے فخر نے بھی دلوں میں نیا جوش پیدا کیا جسے میکس مولر نے ابھارا اور جس سے بعد میں اینی بزانٹ نے خوب کام لیا۔ لیکن سب سے زیادہ مستحکم طور پر یہ خیال سوامی دیانند سرسوتی نے دلوں میں جمایا۔ گروکل قائم ہوئے جس میں سنسکرت پڑھنا اور سنسکرت بولنا لازم تھا۔ ویدک زمانے کی معاشرت کی نقل کی جانے لگی۔ ننگے پاؤں پھرنا، ایک بے سِلی چادر اوڑھنا پہننا، جنگلوں میں رہنا، زیرِ سما سونا وغیرہ قومی شعار قرار پایا...... سب سے زیادہ نزلہ اردو زبان پر گرا۔"

Marfat.com

مجلسِ ادب لاہور والے خطبے ۱۹۴۹ء میں فرمایا۔

"آپ کو شاید معلوم ہو یا نہ ہو، کہ ہندو مسلم اختلاف کی ابتدا سیاست سے نہیں بلکہ اردو کی مخالفت سے ہوئی۔ ۱۸۶۷ء میں جب کہ نہ نیشنل کانگریس کا وجود تھا، نہ کسی دوسری سیاسی تحریک کا، ہندوؤں نے اُردو کی مخالفت کا آغاز کیا اور اُسے دفتروں، عدالتوں اور دوسرے اداروں سے خارج کرنے کے لیے کوششیں شروع کیں۔ سرسید احمد خاں نے اردو کی حمایت میں اس مخالفت کا توڑ کیا اور مرتے دم تک اردو کی حفاظت اور حمایت میں مردانہ وار لڑتے رہے۔ ہندوؤں کی کوششیں اس وقت سے برابر جاری رہیں اور اسّی سال تک مسلسل اُردو دشمنی پر تُلے رہے اور مختلف صورتوں اور ترکیبوں سے اس آگ کو سلگاتے رہے اور دو قومی نظریے قائم کر کے ہندو مسلم اختلاف کو بڑھاتے رہے۔ دو قومی نظریے کے بانی ہندو تھے نہ کہ قائدِ اعظم یا مسلم لیگ۔"

۱۳ اپریل ۱۹۴۸ء کو احمد آباد میں کُل گجرات اردو کانفرنس کے خطبۂ صدارت میں فرماتے ہیں:۔

"یوں تو اردو کی مخالفت اسّی برس سے مسلسل ہوتی چلی آ رہی ہے...... مگر اب اس پر ایسا بُرا وقت آیا ہے جو پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ کیوں کہ اِس وقت حکومت میں ان کا عمل دخل ہے جو سالہا سال سے اُس کی مخالفت کرتے آئے ہیں...... اس میدان کے سب سے من چلے شہ سوار آپ کے مردم خیز خطّے کے سردار (پٹیل) ہیں جنھوں نے ریڈیو میں وہ زبان چلائی جو سوائے ریڈیو کے اور کہیں سننے میں نہیں آتی۔"

"ہر صوبہ پہل کی عزت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چناں چہ پنڈت شُکلا (رَوی شنکر) وزیرِ اعظم، سی پی نے سب سے پہلے یہ اعلان کیا کہ اس صوبے میں سرکاری زبان ہندی ہوگی۔ ناگ پور یونی ورسٹی کے وائس چانسلر نے ان کا ساتھ دیا اور ہندی ذریعۂ تعلیم قرار پائی۔ میں نے اسی وقت مہاتما گاندھی کو لکھا کہ آپ نے ایک مدت کے غور و فکر اور مشورے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس کی عام زبان ہندستانی ہونی چاہیے... لہٰذا آپ مہربانی فرما کر سی پی کے وزیرِ اعظم اور ناگ پور یونی ورسٹی کے وائس چانسلر کو ہدایت فرمایئے کہ وہ ہندی کی بجائے ہندستانی کو رواج دیں۔ اس کے بعد

یو پی کی حکومت نے اعلان کیا کہ ہندی، حکومت کی دفتری اور عدالتی زبان ہو گی اور رسم خط ناگری ہو گا۔ اور صوبے کے تمام سرکاری اور نیم سرکاری محکموں کو اطلاع دی گئی کہ ہندی زبان اور ناگری رسم خط فوراً جاری کر دیا جائے اور ان سرکاری ملازموں کو جو ہندی نہیں جانتے ہدایت کی گئی کہ وہ تین مہینے کے اندر ہندی سیکھ لیں اور آئندہ کوئی شخص جو ہندی نہیں جانتا ملازمت کا حق دار نہ ہو گا۔"

اسی خطبے میں کچھ پہلے مولانا فرماتے ہیں کہ:۔

"میں کم و بیش ۳۵ سال سے جیسی کچھ بن پڑی، بری بھلی اُردو کی خدمت کر رہا ہوں اور بزعم خود یہ سمجھتا رہا کہ میں اُردو زبان کی قدر و قیمت اور اہمیت کو سمجھتا ہوں۔ لیکن آج میں آپ کے سامنے نہایت صاف دلی سے اس امر کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں بھی اب تک اس کی قدر و منزلت کو نہیں سمجھا اور سمجھا تو کب؟ جب پنڈت راوی شنکر شکلا[1]، وزیراعظم، حکومت سی پی نے مسلمانوں کو خطاب کر کے یہ کہا کہ ہم تمھاری وفاداری کے زبانی دعووں کو نہیں مانتے۔ اپنی وفاداری کا عملی ثبوت دو اور اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ اُردو زبان کو قطعاً ترک کر دو۔ اگرچہ زبان کے مسئلے کا فیصلہ مجلس آئین ساز پر رکھا گیا تھا لیکن ان صوبوں نے اس فیصلے کا مطلق انتظار نہ کیا اور بڑی چالاکی اور عجلت سے ہندی کے حق میں احکام جاری کر دیے۔"

اورنگ آباد (دکن) سے ۱۹۴۷ء میں جو تقریر نشر کی تھی اُس میں ہے:۔

"اردو پر کئی نازک دور گزر چکے ہیں۔ اب اس نئے عہد میں پہلے سے بھی سخت وقت آیا ہے۔۔۔۔۔ سب سے اوّل، پہل کی عزت صوبۂ متوسط (سی۔پی) کو حاصل ہوئی۔ وہاں کے وزیراعظم نے صاف صاف کہہ دیا کہ اس صوبے کی زبان ہندی ہو گی۔ مدارس اور کالجوں میں ذریعۂ تعلیم ہندی ہو گا۔ دفتروں اور

---

[1] صحیح تلفظ "روی شنکر" سُنا جاتا تھا۔ کانگریس کی ڈھائی سالہ حکومت میں شکلا نے ودیا مندر اسکیم تیار کی تھی اور ہندی رائج کرنے کی سازش کی تھی۔

Marfat.com

عدالتوں میں بھی ہندی رہے گی - خانگی مدارس جو اس کی تعمیل نہیں کریں گے اُن کو امداد نہیں دی جائے گی...... اس کے بعد یوپی نے بھی یہی راگ الاپا - اس کا اثر میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں پر بھی ہوا اور انتہا یہ ہے کہ کانگریس پارٹی نے اپنے جلسے میں کثرت رائے سے یہ قرار داد منظور کر دی کہ اس ملک کی زبان بخط ناگری ہو گی -"

۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء کو لاہور میں فرمایا :-

" انڈین نیشنل کانگریس نے یہ قرار داد منظور کی تھی کہ ہندستان کی زبان ہندستانی ہو گی، خواہ وہ ناگری حروف میں ہو یا فارسی حروف میں ـــــ یہ فیصلہ معقول تھا اور اس دور اندیشی پر مبنی تھا جو اس قسم کی کانگریسیں ایسے موقعوں پر عمل میں لاتی ہیں - لیکن ان صاحبوں کے اطمینان کے لیئے کافی نہ تھا جن کا منشا کچھ اور تھا .. ان کی کوششوں کا نتیجہ اپریل ۱۹۳۵ء میں ظہور میں آیا - یعنی ہندی سمیلن کا سالانہ اجلاس اندور میں منعقد ہوا جس کی صدارت مہاتما گاندھی نے فرمائی. (ہندی اتھوا ہندستانی کے چند نمونے دے کر گاندھی کی زبان کے متعلق مولانا فرماتے ہیں کہ :-) .... ممکن ہے کہ مہاتما گاندھی جو توجیہ و تاویل کے فن کے استادِ کامل ہیں، لفظ اتھوا (یا) کے کچھ اور معنی پیدا کر لیں - ورنہ بحالتِ موجودہ، ہندی یا ہندستانی کا کوئی دوسرا مفہوم نہیں ہو سکتا -"

" انھوں (گاندھی) نے ہندی کا پرچار مدراس سے شروع کیا - یہ تو اس لیے کہ ہندی وہاں سرے سے ہے ہی نہیں اور اگر اس خطے کو رام کر لیا تو دوسرے علاقے خود بخود ہم نوا ہو جائیں گے - دوسرے اس لئے کہ یہ کارروائی، شمالی ہند والوں کی نظر سے اوجھل رہے گی، جو ایسے معاملوں میں بحث و تکرار اور جھگڑے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں" [۱]

" ملک پر اس بزرگ وار کے بہت احسان ہیں - اس نے سیاسیات، معاشرت، اقتصادیات میں بڑا انقلاب کر دیا - قدرت نے اسے خاص قسم کا دماغ عطا کیا ہے - اس کا

---

[۱] خطبات ـــ صفحہ ۵۳۳

Marfat.com

ذہن رسا ، اس کی نظر دور بین اور اس کا ارادہ اٹل ہے ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی فکر کا راستہ گو بظاہر صاف اور سیدھا ہے لیکن بباطن پیچ در پیچ ہے وہ اتفاق آباد جانے کا عزم کرتا ہے تو چلتے چلتے شقاق نگر کی راہ جا نکلتا ہے ۔ وہ وصل کا طالب ہے لیکن داخل ہوتا ہے فصل کے دروازے سے ۔ وہ ایکے کا آرزومند ہے لیکن وہاں تک پہنچتا ہے پھوٹ کے توسّل سے ۔ میں کسی کی نیت پر حملہ کرنا نہیں چاہتا ۔ دلوں کا جاننے والا خدا ہے ۔ لیکن جس طرح درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے ، انسان اپنے اعمال سے جانا جاتا ہے ۔ اور یہ واقعہ ہے کہ جب کبھی ایسا موقع آیا کہ سالہا سال کی گتھیاں اور پیچیدہ مسائل فریقین نے باہمی مشورے اور مصالحت سے سلجھا لیے اور یہ امید بندھ گئی کہ اب نفاق کی گھٹا چھٹنے والی ہے اور آفتاب اتحاد ، افق سے طلوع ہونے والا ہے ، تو تنت پر اس مقدس ہستی نے سر ہلا کر برسوں کی محنت خاک میں ملا دی ۔ پھر بہتیرا سر مارا ، ہزار جتن کیے ، نہ ماننا تھا ، نہ مانا ۔ ہمارے ملک میں تین ہٹیں مشہور ہیں ۔ راج ہٹ ، تریا ہٹ اور بالک ہٹ ۔ لیکن حضرات ، ایک چوتھی ہٹ اور بھی ہے اور وہ ہے لیڈر ہٹ ۔ وہ لیڈر ہی کیا جو دوسرے کی مان جائے ۔ مرزا داغ نے اپنے خاص انداز میں ایک بہت ہی پرلطف اور صاف ستھرا شعر کہا ہے ۔ کہا تو ہے اپنے محبوب کی شان میں لیکن صادق آتا ہے ہمارے ملک کے سب سے محبوب ڈکٹیٹر لیڈر پر ؎

اتنی ہی تو بس کسر ہے تم میں
کہنا نہیں مانتے کسی کا

مشکل یہ آ پڑی ہے کہ وہ ہر مسئلے کو ایک آنکھ سے دیکھتا ہے جس سے ایک ہی رخ نظر آتا ہے ۔ دوسرا رخ نہ دیکھتا ہے اور نہ اس کی اسے پروا ہے .....“لہ

بہار میں ۱۹۳۶ء میں فرمایا :۔

لہ ایضاً ۔ صفحہ ۲۴۶ بعد ۔ اسی مقابلے پر بابائے اردو نے اردو کی ترقی کے لئے مختلف تجاویز اور ذرائع صفحہ ۴۴ ، ۲۹۶ ، ۳۸۱ ، ۴۹۰ پر پیش کیے ہیں ۔

Marfat.com

"انڈین نشینل کانگریس نے بہت معقول فیصلہ کیا تھا کہ ملک کی زبان ہندستانی ہے، خواہ رسم خط کچھ بھی ہو۔ لیکن تعجب اور افسوس ہے کہ جس مدبّرانہ دماغ نے یہ تجویز سوچی تھی اور جنھوں نے اس پر آمنّا و صدّقنا کہا تھا، سب سے پہلے اب وہی اس سے انحراف کر رہے ہیں۔ مہاتما گاندھی کی جدّت پسند طبیعت نے ایک نیا لفظ ہندی ہندستانی وضع کر کے گویا جلتی آگ میں تیل ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ جب مہاتما جی سے دریافت کیا گیا کہ اس جدید مرکب لفظ سے آپ کی کیا مُراد ہے تو فرمایا کہ" ہندی جو آئندہ چل کر ہندستانی ہو جائے گی" تو یہ زبان نہ ہوئی، آئندہ کا پروگرام ہوا۔ "۔

انگریزی کا مقصد

بلوچستان کے سالانہ جلسہ منعقدہ ۲۶ جولائی ۱۹۴۸ء کے خطبے میں انگریزوں اور انگریزی تعلیم کے مقاصد بیان کیے ہیں:۔

"بات یہ ہے کہ انگریزی حکومت میں ہماری تعلیم کا جو ڈول ڈالا گیا تھا اُس کا مقصد ہمیں علم سکھانا نہ تھا۔ بلکہ اس کی تہہ میں زیادہ تر سیاسی اغراض تھیں بہت دنوں کے بحث مباحثے کے بعد جب میکالے کی یادداشت کی بنا پر گورنر جنرل کی تائید سے یہ قطعی طور پر طے پایا کہ انگریزی زبان اور تمام یورپی علوم کی تعلیم انگریزی کے ذریعے سے دی جائے تو اُس میں حکومت کی خاص مصلحت تھی۔۔۔ (میکالے نے یاداشت میں کہا تھا کہ) " ہمیں فی الحال انتہائی کوشش کرنی چاہیے کہ ہم ایک ایسی جماعت پیدا کریں جو ہمارے اور ہماری رعایا کے لاکھوں انسانوں کے درمیان ترجمان کا کام دے۔ یہ لوگ خون اور رنگ میں ہندستانی لیکن ذوق، خیالات اور ذہنیت میں انگریز ہوں گے"...... کمپنی کے حکّام بظاہر مذہب کے معاملے میں ناطرفدار تھے۔ لیکن یہ ناطرفداری دکھاوے کی تھی۔ وہ بھی دل سے مشنریوں کی تائید میں تھے۔ چناں چہ میکالے نے اپنی یاد داشت کے دوسرے سال (۱۸۳۶ء) اپنے والد کو ایک خط میں لکھا کہ اگر تعلیم کی تجاویز پر عمل کیا گیا تو تیس سال کے بعد بنگال کے معزز طبقوں میں ایک شخص بھی بت پرست نہیں رہے گا۔

Marfat.com

ایک اور بات جو انگریزی کی تعلیم کی محرک ہوئی وہ یہ تھی کہ دفتروں میں انگریزی داں کلارکوں اور اسی قسم کی چھوٹی موٹی ملازمتوں کی ضرورت تھی۔ انگریز کم تنخواہ پر کہاں ملتے۔ انگریزی پڑھے لکھے ہندی بہت سستے ملنے لگے۔ اس میں سرکاری کفایت مدِ نظر تھی۔"

لاہور کے خطبے میں ۱۹۴۹ء میں فرمایا:۔

"ہمارے اعلا تعلیم یافتہ، انگریز کی طرح سوچتے اور فکر کرتے۔ انگریز کی طرح پڑھتے اور لکھتے۔ انگریز کی طرح اٹھتے اور بیٹھتے۔ یہاں تک کہ انگریز کی طرح ہنستے اور روتے تھے اور خفا ہوتے تو اینگلو انڈین گالیاں دیتے۔ خیر سے اس زمانے کے یادگار بزرگ اب بھی موجود ہیں۔ انگریز کیسا خوش قسمت اور خوش اقبال تھا کہ اُسے ایسے نیک اور وفادار بندے ملے۔

ہیں ایک بار سر سکندر حیات خاں مرحوم کے عہدِ وزارت میں یہاں (لاہور) آیا اور وزیرِ تعلیم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُن سے درخواست کی کہ یونی ورسٹی میں نہیں تو کم سے کم میٹریکولیشن کی جماعتوں میں اُردو کو ذریعۂ تعلیم کر دیا جائے۔ اس سے یہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ یونی ورسٹی کے درجوں میں بھی اردو ذریعۂ تعلیم ہو جائے گی۔ یہ سُننا تھا کہ ان پر ایک جلالی کیفیت طاری ہو گئی۔ فرمانے لگے کہ اردو یا ہماری کوئی اور زبان ہرگز ذریعہ تعلیم نہیں ہو سکتی۔ کوئی زبان انگریزی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ آپ اس زمانے میں ایسی باتیں کرتے ہیں جب کہ لوگ کوٹ پتلون پہنتے اور پاٹ پر بیٹھتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر میرا بس چلے تو کشمیر سے لے راس کماری تک انگریزی ہی انگریزی کر دوں ــــ"

۲۶، ۲۷ مارچ ۱۹۴۸ء کے خطبے میں فرمایا کہ:۔

"ترقی کی یہ رَو جو اس وقت ہم پنجاب میں دیکھتے ہیں اس کے سرچشمے کا سراغ اگر تلاش کیا جائے تو انجمن پنجاب میں ملے گا جو ۱۸۶۵ء میں قائم ہوئی۔ اس کا مقصد علومِ مشرقی کی تعلیم کا از سرِ نو جاری کرنا اور ایسی زبانوں کے ذریعے سے ملک میں علومِ مفیدہ کی اشاعت تھا...... انجمن پنجاب نے ۱۸۶۵ء میں اپنے ایک جلسے میں مشرقی زبانوں کی تعلیم کے لیے ایک یونی ورسٹی قائم کرنے کی تجویز کی....

انجمن کا منشا یہ تھا کہ مشرقی زبانوں یعنی عربی، فارسی، سنسکرت کی تعلیم سے اردو ہندی کو تقویت پہنچائی جائے اور ان کے ذریعے سے علوم و فنون کی انگریزی کتابوں کے ترجمے اپنی زبان میں کرائے اور ان کی اشاعت ملک میں کرے۔ اسی زمانے میں ہماری قوم کے عالی دماغ مصلح سر سیّد احمد خاں نے برٹش انڈین ایسوسی ایشن کی طرف سے جس کے وہ بانی اور آنریری لائف سکریٹری تھے، اردو یونی ورسٹی کے قیام کے لیے گورنمنٹ آف انڈیا میں ایک عرض داشت پیش کی .... ان دونوں تجویزوں کا حشر ایک ہی ہوا۔ وہی شبہات اور اعتراضات پیش آئے جو اب بھی کبھی کبھی بعض انگریزی تعلیم یافتہ اور خاص کر وہ اصحاب جن کے ہاتھ میں نظام تعلیم ہے، کرتے ہیں۔ یعنی ابھی ہماری زبان میں اتنی سکت نہیں کہ جدید علوم کی تعلیم کا بار اٹھا سکے........

اس میں زیادہ سوچ بچار کی ضرورت نہیں۔ خصوصاً جب کہ ہماری رہ نمائی کے لیے دو روشن مثالیں موجود ہیں۔ ایک سو سوا سو برس پہلے کی (دہلی کالج) اور ایک زمانۂ حال کی (جامعۂ عثمانیہ)۔[1]

"اردو نے ہر مسلم تحریک کی مدد کی ہے۔ وہابی تحریک کو اس نے مدد دی۔ سر سیّد کے مشن کو اس نے چمکایا۔ خلافت کا پیغام گھر گھر اس نے پہنچایا۔ لیگ کی آواز اس نے شہر شہر اور گانو گانو پہنچائی۔ پاکستان کا پروپیگنڈا جس برق رفتاری اور قوت سے اس نے برِّ اعظم کے کونے کونے تک میں کیا اور مسلمانوں کے دلوں میں جو نیا ولولہ اور جوش اور ایک نئی زندگی پیدا کر دی، ہمارے اس زمانے کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں۔ کیا اب ایسے وقت میں جب اسے وطن سے دیس نکالا ملا ہے پاکستان اس کی کچھ بھی مدد نہ کرے گا؟ کیا آزادی اور حکومت ملنے کے بعد وہ اپنے اس محسن کو بالکل بھول جائے گا؟"[2]

[1] ۷۵ سال پہلے کی اور پھر جامعۂ عثمانیہ سے متعلق اصطلاحات کی توضیح کی تفصیل خطبات (صفحہ ۳۵۲ بجو)

[2] خطبات صفحہ ۴۱۷ ملاحظہ فرمائیں جامعۂ عثمانیہ کے دار الترجمہ کی خدمات کا ذکر صفحہ ۱۸ پر ہے۔

Marfat.com

پاکستان میں اُردو

بابائے اُردو نے ایک کتابچہ "پاکستان میں اُردو کا المیہ" ۱۹۵۶ء میں شائع کیا تھا۔اس میں سے چند ضروری اقتباسات درج کیے جاتے ہیں:۔

پاکستان کے قیام کو ابھی کچھ اوپر تین ہی مہینے ہوئے تھے کہ اس باہمّت وزیر تعلیم (فضل الرحمن صاحب) نے بڑے پیمانے پر ایک ایجوکیشنل کانفرنس کا ڈول ڈالا جس کے اجلاس دارالحکومت کراچی میں ۲۷ نومبر ۱۹۴۷ء سے پہلی دسمبر ۱۹۴۷ء تک ہوتے رہے۔۔۔۔ صدر کانفرنس جناب فضل الرحمن نے فرمایا:۔

"ہمیں اپنی صوبائی زبانوں کی ترقی کے لیے زیادہ سے زیادہ گنجائش رکھنی چاہیے۔ نہ صرف ذریعۂ تعلیم کے لیے بلکہ اس تہذیب کی اشاعت کے لیے بھی جو ان زبانوں میں پائی جاتی ہے۔ لیکن صرف اس حد تک کہ ہماری مشترک تہذیب (کلچر) کی وحدت کو کوئی آسیب نہ پہنچے۔ اس وحدت کے تعیّن کے لیے ہمیں ایک بین صوبائی زبان کی ضرورت ہے۔ اس بارے میں اردو زبان کے حقوق ہماری خاص توجہ کے محتاج ہیں۔ یہ مسلمانانِ ہند کی خاص تخلیق ہے اور اس نے مقابلتہً اپنی زندگی کی کم مدّت میں ادائے مافی الضمیر، خیال کے نازک سے نازک فروق اور تخیّل کی بلند ترین پرواز کے اظہار کی غیر معمولی قوّت اور نزاکتِ احساس حاصل کر لی ہے۔غیر زبانوں کے الفاظ مستعار لینے اور اپنے میں جذب کر لینے کی صلاحیت، فارسی، عربی اور انگریزی سے اس کے تاریخی تعلقات اور نظم و نثر میں اس کا اعلا تخلیقی سرمایہ، یہ سب میری نظر میں اُسے پاکستان کی لنگوا فرینکا کا مرتبہ دینے کے حق میں ناقابلِ تردید دلائل ہیں۔"

اُدھر پاکستان کے وجود میں آنے کے صرف دو ہفتے بعد یعنی یکم ستمبر ۱۹۴۷ء کو ڈھاکہ یونی ورسٹی کے چند اساتذہ اور طلبہ نے ایک جماعت اس مقصد سے بنائی کہ بنگالی کو پاکستان کی دوسری قومی زبان بنایا جائے یا کم از کم منوایا جائے۔ پھر فضل الرحمن صاحب اور دوسرے ذمّہ دار حضرات کے خلاف یہ افواہ اڑائی کہ وہ منی آرڈر فارموں اور نوٹوں سے بنگلہ اڑا دینا چاہتے ہیں۔چناں چہ ۸ فروری ۱۹۴۸ء کو یوم احتجاج منایا گیا اور خوب ریشہ دوانیاں کی گئیں۔

سردار عبدالرب نشتر مرحوم نے اس موقع فرمایا تھا:۔

Marfat.com

"اس وقت حضرت قائدِاعظم رحمۃ اللہ علیہ بقیدِ حیات تھے۔ انھوں نے محسوس فرمایا کہ یہ تحریک، ملک کی وحدت اور بنیادی تخیّل پر ایک کاری ضرب ہے۔ بہت کم لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ وہ بہت بڑا خطرہ مول لے کر بنگال پہنچے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ پاکستان نیا نیا عالمِ وجود میں آیا تھا اور حکومت بے سروسامانی کی حالت میں قائم ہوئی تھی۔ ہمارے پاس کوئی ایسا طیارہ موجود نہ تھا جو ایک ہی اڑان میں مغربی پاکستان سے مشرقی پاکستان پہنچ جائے........ قائدِاعظم نے ایک پرانی مشین میں مزید پٹرول کا انتظام کیا اور ڈھاکے کے سفر کا خطرہ مول لیا۔ ہماری خواہشات اور درخواستوں کی پروا نہ کرکے انھوں نے اپنی زندگی کو لسانی وحدت و استحکام کی بازی پر لگا دیا۔ ایک پرانے ڈکوٹا جہاز میں ڈھاکے پہنچے اور ان سرپھرے طلبہ کو جنھوں نے دشمنانِ پاکستان کے کہنے میں آکر اس قسم کا سوال اٹھایا تھا، سمجھایا کہ اگر تم پاکستان کو قائم اور برقرار رکھنا چاہتے ہو تو یاد رکھو کہ پاکستان کی زبان اُردو اور صرف اُردو ہوسکتی ہے۔ کوئی اور زبان نہیں ہوسکتی.......

(قائدِاعظم ۹ مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈھاکے تشریف لے گئے تھے۔ وہاں اپنا فیصلہ اس طرح سنایا)

میں آپ کو صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان اُردو ہوگی اور کوئی دوسری زبان نہیں ہوسکتی۔ جو کوئی اس معاملے میں غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ صریحاً پاکستان کا دشمن ہے۔

(قائدِ ملّت لیاقت علی خاں مرحوم نے انجمن ترقیٔ اُردو، کراچی کے جلسے میں ۱۹ نومبر ۱۹۴۹ء کو فرمایا:۔)

مجھے یہ کہنے میں باک نہیں اور میں چاہتا ہوں کہ صاف الفاظ میں یہ واضح کردوں کہ اُردو اور صرف اُردو ہماری قومی زبان ہے اور یہی ایک زبان ہے جو پاکستان کی قومی زبان بننے کی مستحق ہے۔

"بنیادی اصول کی کمیٹی کی انٹرم رپورٹ ۱۹۵۰ء کی دفعہ ۱۲۰ میں صاف الفاظ میں یہ لکھا ہے کہ مملکت کی قومی زبان اُردو ہوگی............ ۱۹۵۲ء میں جب خواجہ (ناظم الدین) صاحب مسلم لیگ کے اجلاس کے سلسلے میں ڈھاکا تشریف لے گئے تو آپ نے ۲۷ جنوری کو ایک عام جلسے میں زبان کا ذکر کرتے ہوئے قائدِاعظم کے اُس مشہور یادگار قول کو

ٹھہرایا جسے اب تاریخی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ یہ کہنا تھا کہ دوسرے روز یونیورسٹی کے ختنہ پرواز بھارتی ہندو پروفیسروں نے جن کی کثرت تھی اور جو لڑکوں کو متحدہ بنگال کے خواب دکھا رہے تھے، طلبہ کو بھڑکا...... ایک میل لمبا جلوس نکالا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ وزیر اعظم اپنا یہ بیان واپس لیں کہ پاکستان کی سرکاری زبان صرف اردو ہوگی۔ یونیورسٹی اور کالجوں میں اندر ہی اندر یہ مواد پکتا رہا اور ہندو پروفیسر طلبہ اور طالبات کو نئی نئی ترکیبوں اور حیلہ سازیوں سے برابر اشتعال دلاتے رہے حتیٰ کہ حرارتِ اشتعال انتہائی نقطے پر پہنچ گئی۔ انھیں اپنے اوپر قابو نہ رہا اور عملی قدم اٹھانے پر مجبور ہوگئے اور جلوس نکالا........

(۲۲ فروری کو تین لڑکے ہلاک ہوئے اور بنگالی کو سرکاری زبان بنانے کی تحریک منظور ہوگئی)

مسٹر نورالامین (وزیر اعلیٰ) نے اس الم ناک سانحے سے خوب فائدہ اٹھایا۔ کسی کا گھر جلے اور کوئی تاپے...... خواجہ صاحب کے بعد محمد علی صاحب (بوگرا) وزارتِ عظمیٰ کی مسند پر جلوہ فرما ہوئے۔ آپ نے اس منصبِ عالی پر فائز ہوتے ہی بنگلا کی حمایت شروع کر دی۔ ڈھاکے کے جلسۂ عام منعقدہ ۹ جنوری ۱۹۵۴ء میں اعلان فرمایا کہ بنگلا کو پاکستان کی قومی زبان بنانے کی خود میں سربراہی کروں گا...... چناں چہ میں نے متواتر اس قسم کی اطلاعات پہنچنے پر ۹ فروری ۱۹۵۴ء کو ایک بیان اخبارات کو دیا جس میں وزیر اعظم کی نسبت یہ الفاظ تھے:۔

موصوف کو متحدہ پاکستان کی قومیت کا تصور ہی نہیں۔ وہ اوّل و آخر صرف بنگالی ہیں۔ یہ بات ایسی مملکت کے وزیر اعظم کے منصب سے مطلق مناسبت نہیں رکھتی جب کہ وہ مختلف وحدتوں کا وفاقی مجموعہ ہے........ جناب محمد علی صاحب کے لیے درست راستہ یہ تھا کہ وہ بنگلا تحریک کی قیادت کرنے کے لیے اپنے عہدے سے مستعفی ہوجاتے۔

اس تحریک کی تہ میں جہاں اور کئی باتیں ہیں وہاں ایک خاص بات یہ تھی کہ مشرقی بنگال کے انتخاب میں چند ہی روز باقی تھے۔ بنگالیوں سے ووٹ حاصل کرنے کے لیے بنگلا بھاشا کا حربہ سب سے زبردست تھا........

آخر وہ دن آ ہی گیا جس کا کھٹکا تھا۔ ۱۹ اپریل (۱۹۵۴ء) کو شب کے وقت

Marfat.com

لیگ کی پارلیمانی پارٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ اردو کے ساتھ بنگالی بھی سرکاری زبان ہوگی۔ کئی روز سے ارکانِ مسلم لیگ سودے بازی کر رہے تھے۔ یہ بات بھی چھپی نہ رہی کہ مغربی پاکستان کے بعض لیگی ممبروں نے اس معاملے میں بڑی غدّاری اور پاک دشمنی کی۔ (اس فیصلے کے خلاف احتجاج کیا گیا۔ ۲۲ اپریل کو بہت بڑا جلوس نکالا گیا اور ہڑتال کی گئی۔ گو کہ اسے روکنے کی سرکاری کوششیں بھی بہت ہوئیں) ...... یہ عظیم جلوس جو میرے ساتھ مجلسِ دستور ساز تک گیا اُس کی مثال اِس ملک کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہ جلوس انسانوں کا ایک بہتا ہوا سمندر تھا لیکن جس ضبط و نظم کا مظاہرہ، جلوس میں حصّہ لینے والوں کی طرف سے کیا گیا وہ ملک کی سیاسی جماعتوں کے لئے ایک سبق اور عوام کے لیے ایک زندہ مثال رہے گا۔ (پھر مذاکرات ہوتے) ...... لیکن نہایت افسوس اور شرم کا مقام ہے کہ پاکستان کے عالی مرتبت وزیرِ اعظم (بوگرا) نے اس معاہدۂ واثق کے خلاف جو انھوں نے اپنے دو معزز وزیروں (شعیب قریشی اور چودھری محمد علی) کی معیت میں مجھ سے اور میرے رفقا سے کیا تھا، مجلسِ دستور ساز میں ۷ مئی ۵۴ء کو وہی پہلا فرسودہ ضابطہ (اردو اور بنگالی دونوں کو سرکاری زبان بنانے کا[1]) پیش کیا جسے ہم رد کر چکے تھے اور جس کے نقائص تسلیم کر کے انھوں نے خود اس میں مناسب تبدیلی کی تھی۔ (سوائے پی۔ ڈی۔ بھنڈارا کے اکثر ممبروں نے اردو کے مقابلے میں صوبائی زبانوں کی حمایت میں تقریریں کیں اور اسی طرح کی قرار داد منظور ہو گئی) ...... حالات عجیب بے ہنگم طور سے بدل رہے تھے۔ اقتدار کے بھوکے سب کچھ گوارا کر لیتے ہیں لیکن یہ کسی طرح گوارا نہیں ہوتا کہ ان کے اقتدار پہ آنچ آئے۔ اس کش مکش میں ہار جیت لازم ہے۔ گورنر جنرل نے اپنے اختیار سے بڑی جرأت کر کے کابینہ کو توڑ پھوڑ ڈالا اور نئی کابینہ اور نئی مجلس دستور ساز بنا ڈالی اور دفعتہً ون یونٹ کا بم اس طرح پارلیمنٹ میں لا کے پھینکا کہ کسی کو سوچنے کا موقع بھی نہ ملا۔ اب مغربی پاکستان کو اس کے مختلف صوبوں اور ریاستوں کے حدود اور نشان مٹا کر ایک وحدت میں بدل دیا گیا۔

---

[1] اس ضابطے میں آٹھ دفعات تھیں: "پاکستان میں اردو کا المیہ" کے صفحہ ۵۶ پر تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

اس میں بھی جیت مشرقی بنگال کی رہی - اس کا صوبہ اکھنڈ رہا اور یہاں باوجود وحدت کے کھنڈت پڑ گئی ...... ڈھونڈ کر ایک ایسے شخص کو وزارتِ عظمیٰ کی کرسی پر لا بٹھایا جسے تدبّر سے کچھ واسطہ نہ تھا - اس نے چند روز نظام کی طرح چام کے دام چلائے اور اپنے منصب کو بٹّا لگا کر اپنے آقا کے ساتھ بساطِ سیاست سے پٹے ہوئے مُہرے کی طرح روپوش ہو گیا - اس وزیرِ بے تدبیر نے سب سے زیادہ نقصان پہنچایا اور پھوٹ کا بیج بویا - باوجود مملکتِ پاکستان کے وزیرِ اعظم اور آل پاکستان مسلم لیگ کے صدر ہونے کے وہ مشرقی پاکستان میں بنگالی کی تبلیغ کرتا پھرا، محض اس نیت سے کہ آئندہ الیکشن میں اُسے ووٹ ملیں اور اس کی وزارت قائم رہے ...... اب ایک دوسرا نیا دور شروع ہوتا ہے اور نئے گورنر جنرل، نئے وزیرِ اعظم اور نئے وزرا کی سبھا قائم ہوتی ہے - ہر طرف دستور کی دُہائی ہے - گویا گذشتہ سات سال میں کچھ ہوا ہی نہ تھا - اور اب چند مہینے میں سب کچھ ہو جائے گا - وزیرِ اعظم کو دستور کی دُھن تھی - یہ قانون، سیاست، تدبّر کا مسئلہ نہ تھا، عزّت و آبرو کا معاملہ بن گیا تھا - اندر ہی اندر سمجھوتے ہونے لگے - دستور کا جلد سے جلد پاس کرانا مقدّم ٹھہرا ...... یہ سب جانتے تھے کہ زبان کا مسئلہ، مجلس دستور ساز میں ضرور آئے گا اور جلد آئے گا لیکن ہمارے محترم وزیرِ اعظم سے نہ رہا گیا اور جذبۂ خوشنودی سے بے تاب ہو کر قبل از وقت ایوان میں بلا تکلّف اور بلا خوفِ ملامتِ ضمیر یہ اعلان فرما دیا کہ بنگالی بھی سرکاری زبان ہوگی ...... اگرچہ یہ اعلان اُس وقت بالکل بے محل تھا لیکن شاید مصلحت کا تقاضا یہی ہو - یہ سیاسی رموز ہیں - ہر کوئی اسے نہیں سمجھ سکتا - آخر وہ دن بھی آ گیا جب اردو کے گلے پر چھری پھرنے والی تھی - ۱۶ر فروری ۱۹۵۶ء کو زبان کا مسئلہ مجلسِ دستور ساز میں پیش ہوا ...... (ملی بھگت سے علاقائی زبانوں کی سرپرستی پر زور دیا گیا اور مشرقی پاکستان میں جو چند طلبہ ہمارے دشمنوں کی حمایت سے بے قابو ہو کر ہلاکت کی زد میں آ گئے تھے اُن پر فخر کر کے بنگالی کو سرکاری زبان منظور کرایا گیا) .... یہ حشر ہوا ہماری قومی زبان کا اسلامی جمہوریۂ پاکستان میں ـــ یہ جائے عبرت ہے ...... (لیکن) ہم اُن کی

Marfat.com

قرار دادوں سے مرعوب نہیں ہو سکتے۔ اس قسم کی رکاوٹیں ہمارے کام میں تیزی پیدا کرتی ہیں۔ اردو نے مخالفتوں میں پرورش پائی ہے۔ اس کا پایہ اس قدر مضبوط ہے کہ اس قسم کے طوفان و حوادث اسے اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتے۔ ہم اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے اور اب یہ کام خاص اصول اور منصوبے کے تحت انجام پائے گا۔ اعلا ترین پایے تک پہنچنے کے لئے ہمارے ادب میں جو کمی ہے اُسے پورا کیا جائے گا۔ جو خامیاں ہیں اُن کی اصلاح کی جائے گی۔ دائرۂ تحقیق وسیع تر کیا جائے گا۔ ہر شعبے کو جہاں تک ممکن ہو گا قومی بنانے کی کوشش کی جائے گی اور ہم اپنی ساری ذہنی، دماغی اور اخلاقی قوتیں اُس عظیم نصب العین کے حصول میں صرف کریں گے جسے ہم اپنی زندگی کا حاصل سمجھتے ہیں یعنی اردو یونی ورسٹی کا قیام لہ .... یہ یونی ورسٹی اپنی نظیر آپ ہوگی۔ یہ قومی زبان اور قومی تہذیب و روایات کو زندہ رکھے گی اور فروغ دے گی۔ اس کا سنگِ بنیاد ایک ایسے شخص کا دستِ مبارک رکھے گا جس کے آنے کا انتظار ہے۔

" پاکستان میں اردو کا المیہ " کے یہ اقتباسات ہیں۔ اس کے "عرض حال" میں (۱۹۵۶ء میں) بابائے اردو نے فرمایا :-

" حکومت پودوں کے ہاتھ میں ہے۔ انسان کی تلاش ہے۔ اس کی آمد کا انتظار ہے"۔

یہ انتظار صحیح اور بر وقت تھا ـــــ خدا کرے کہ ایسے انسان (صدر محمد ایوبؔ خاں) سے کروڑوں کے کام و دہن (یعنی زبان) کے کام بھی بنیں!

لہ شکر ہے کہ اُردو یونی ورسٹی کے قیام کی صورت پیدا ہو رہی ہے۔ بابائے اردو نے اس کے لئے اسکیم کا اعلان بھی کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو قومی زبان (بابت ۱۶ فروری ۱۹۶۰ء)

(ب)

اردو ادب ——— نشو و نما اور ارتقا

پیدائش اور نشو و نما

اردو کانفرنس، ناگ پور میں فرمایا :-

"حضرات، اردو کی پیدائش اور اس کی تاریخ کوئی معمولی واقعہ نہیں ——— یہ ہندستان کی تاریخ کا نہایت اہم عظیم الشان واقعہ ہے .... یہ اس وقت وجود میں آئی جب کہ ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا۔ ہر رجواڑا خود مختاری کا دعوا دار تھا۔ ملک میں اس سرے سے اس سرے تک عجیب بے سروسامانی انتشار اور بے ترتیبی پھیلی ہوئی تھی۔ آپس کی پھوٹ نے سارے کام درہم برہم کر رکھے تھے۔ کوئی ایک ملک تھا، اور نہ کوئی نظام۔ ایسے وقت میں مسلمان یہاں آئے بے ترتیبی اور بدنظمی کو رفع کیا اور امن قائم کیا۔ نئے قواعد اور نئے آئین نافذ کیے۔ ایک ملک، ایک زبان اور ایک تہذیب کی بنیاد ڈالی۔ وہی تہذیب اصل ہندستانی تہذیب اور وہی زبان اصل ہندستانی زبان ہے۔ کیوں کہ اسی میں ہندو مسلمان دونوں کا رنگ روپ موجود ہے ——— "۱۱

بڑودہ اورینٹل کانفرنس (دسمبر ۱۹۳۳ء) میں فرمایا :-

"وہ (مسلمان) بھی آریاؤں کی طرح فاتح کی حیثیت سے آئے۔ ان کی تعداد اہلِ ملک کے مقابلے میں کم تھی۔ وہ فارسی بولتے تھے اور اہلِ ملک ہندی (یعنی مقامی پراکرتیں)۔ ان حالات میں جیسا کہ دستور ہے۔ کاروباری، ملکی اور معاشرتی ضرورت سے مسلمان، بول چال میں ہندی الفاظ استعمال کرنے کی کوشش کرتے تھے اور

ہندو، فارسی الفاظ۔ کچھ عرصے تک تو مسلمانوں کا تعلق اپنے اصلی ملک سے رہا لیکن رفتہ رفتہ یہ تعلق کم ہوتا گیا اور وہ یہیں کے ہو گئے۔ اس تعلق کے استقلال کے ساتھ اس زبان کو بھی استقلال ہو گیا۔ اگرچہ سرکاری درباری زبان فارسی تھی اور مسلمانوں کی تعلیمی زبان بھی یہی تھی لیکن نوکر چاکروں، بیوی بچوں اور ملک کے دوسرے لوگوں سے جو اس زبان سے واقف نہ تھے، انھیں ٹوٹی پھوٹی ہندی ہی میں باتیں کرنی پڑتی تھیں۔ ادھر اہلِ ملک کی ایک بڑی تعداد ایسی تھی جس کا تعلق دفاتر اور دربار اور امرا وغیرہ سے تھا اور بہت سے ایسے تھے جو حلقۂ اسلام میں آگئے تھے، وہ سب فارسی جانتے اور بولتے تھے۔ لیکن اصل زبان ان سب کی ہندی ہی تھی۔ اس لئے اس مخلوط زبان کو بہت زیادہ تقویت پہنچی اور دن بدن فروغ ہوتا گیا۔"

اسی خطبے میں آگے چل کر کہتے ہیں کہ :۔

"جب اُردو نے اپنی جگہ بنالی اور بول چال سے نکل کر ادب میں قدم رکھا تو ابتدا جیساکہ اکثر زبانوں کی ہوئی ہے، شعر وسخن سے ہوئی اور اس وقت الفاظ ہی نہیں، بلکہ فارسی ترکیبیں، اندازِ بیان، تشبیہات و استعارات اور تلمیحات، یہاں تک کہ بعض صرفی نحوی صورتیں بھی خود بخود اس میں منتقل ہو گئیں۔ اس زمانے میں ہمارے اکثر شعرا فارسی اُردو، دونوں میں شعر کہتے تھے۔ اس میں ہندو مسلمان دونوں شریک تھے۔ رفتہ رفتہ فارسی کا زور کم ہوتا گیا اور اردو کو فروغ ہونا شروع ہوا۔ مگر اس کی ساخت اور ہیئت وہی رہی جو قائم ہو چکی تھی۔" [۱۱]

گجرات کے خطبۂ صدارت (۳ر اپریل ۱۹۴۸ء) میں فرمایا :۔

"یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ گئی ہے کہ اردو ادب کا نشو و نما سب سے پہلے گجرات میں ہوا۔ یہاں پانچ سو سال سے اردو ادب کا سکّہ رائج ہے۔ سب سے اوّل درویشوں اور صوفیوں نے یہیں اس زبان میں نغمے سُنائے۔ اسی سرزمین کو اس شخص (ولیؔ) کے وطن ہونے کا فخر حاصل ہے جو اردو کا باوا آدم کہلاتا ہے اور جس نے اپنے کلام سے ہند و دکن کو مسحور کر دیا تھا۔ اور آج تک اُردو

Marfat.com

کے غزل گو شعرا اس کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ اُس وقت سے برابر یہاں علوم و ادب اور شعر و سخن کا چرچا رہا اور اس کی گود کبھی اُردو کے قدر دانوں سے خالی نہ رہی ۔"

زبان کے نام

" زبان[۱] کے معنوں میں ہندستانی کا لفظ ہمارے کسی مستند شاعر یا ادیب یا اہلِ زبان نے کبھی استعمال نہیں کیا۔ یہ یورپ والوں کی اُپج ہے۔ یورپ کے سیاحوں نے جو سترھویں صدی سے اس ملک میں آنے شروع ہوئے، اس زبان کو جو شمالی ہند میں عام طور سے بولی جاتی تھی، اندستان، اندستانی اور بعد ازاں ہندستانی کے نام سے موسوم کیا۔ لیکن اس لفظ کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے سے اُس وقت فروغ ہوا جب ۱۸۰۰ء میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حیدر بخش حیدری قصۂ حاتم طائی کی زبان کو ریختہ کہتا ہے۔ میر امن، گنجِ خوبی میں گلکرائسٹ کو " اردو کا قدر دان" لکھتا ہے۔ مہر چند کھتری لاہوری اپنی کتاب نو آئینِ ہندی میں لکھتا ہے کہ اُس نے قصۂ آذر شاہ اور سمن رخ کو فارسی سے ہندی میں ترجمہ کیا۔ ڈاکٹر جان گلکرائسٹ اپنی تصانیف میں ہندستانی اور اردو دونوں لفظ اس ایک زبان کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ گارساں دتاسی کا بھی یہی حال ہے۔ لیکن وہ زیادہ تر ہندستانی کا لفظ استعمال کرتا ہے۔۔۔۔۔۔"

"یہ لفظ (ہندی) اس زبان کے لئے قدیم دکنی اور گجراتی اردو میں بھی انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ وہ معذرت کے طور پر اکثر اپنی تصانیف میں یہ لکھتے ہیں کہ جو لوگ فارسی و عربی سے بہرہ نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے یہ کتاب ہندی میں لکھی ہے۔ یا یہ کہ یہ کتاب فارسی میں تھی، عام لوگوں کی خاطر ہندی میں ترجمہ کی۔ یہ لفظ مصحفی کے زمانے تک انہی معنوں میں استعمال

---

[۱] خطبات ۔ صفحہ ۴۵۷ ۔ یہ تقریر ۲۱ فروری ۱۹۳۹ء کو ہوئی تھی ۔

ہوتا رہا۔ مصحفی اپنے دو تذکروں کو تذکرۂ ہندی یا ہندی گویان کے نام سے یاد کرتا ہے......... جب اس بولی کو خود ایک زبان کی حیثیت حاصل ہو گئی اور اس نے زبانی بول چال سے نکل کر ادب میں قدم رکھا تو یہ لفظ خود بہ خود متروک ہو گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ریختہ کا لفظ استعمال ہونے لگا۔ یہ لفظ اس وقت استعمال ہوا جب اس میں ادبی شان پیدا ہو چلی تھی لیکن زیادہ تر شعر و سخن اور ادبی کلام کے لئے استعمال ہوتا تھا...... لیکن جب یہ زبان عام ہو گئی تو یہ لفظ خود بہ خود خارج ہو گیا۔ سترھویں نیز اٹھارھویں صدی میں پرانے فیشن کے یوروپین اور انگریز اسے موررز (MOORS) کہتے تھے، جس طرح احاطہ مدراس، دور بمبئی کے بعض مقامات میں عوام اسے مسلمانی سے موسوم کرتے ہیں۔ لیکن یہ نام غلط فہمی پر مبنی تھے اور اسی لیے اب بالکل متروک ہیں گول کنڈہ کا اردو شاعر اور ادیب وجہی اپنی کتاب سب رس میں جو ۱۰۴۵ھ کی تصنیف ہے اُسے زبانِ ہندستان کہتا ہے......... اردو کا لفظ بعد میں آیا۔ میر تقی میرؔ اسے اپنے تذکرے میں "زبانِ اردوئے معلّیٰ شاہ جہاں آباد دہلی" لکھتے ہیں۔ اس کے بعد زبانِ اردو کہنے لگے۔ رفتہ رفتہ زبان کا لفظ اڑ گیا اور خود اردو زبان کے معنوں میں آنے لگا۔ مصحفی اور انشا کے زمانے میں اس کا رواج عام ہو گیا تھا......" [۱]

"مراد (متوفی ۱۲۱۵ھ) ان پہلے چند حضرات میں سے ہیں جنھوں نے اردو کا لفظ زبان کے معنوں میں استعمال کیا۔" [۲]

بڑودہ کانفرنس میں دسمبر ۱۹۳۳ء کو خطبہ دیا تھا۔ اس میں ہے:۔

"...... ادب کی راہ ہمیشہ صاف اور سیدھی نہیں ہوتی۔ اس میں بہت سے پیچ و خم ہوتے ہیں۔ اسی لیے اس کے جانچنے کے لیے ہر کوشے کھدرے پر نظر دوڑانی چاہئے چناں چہ اس زمانے میں بعض ایسی خصوصیات نظر آتی ہیں جو پہلے نہیں تھیں اور تھیں

---

[۱] خطبات۔ صفحہ ۸۰ — ۸۲

[۲] ایضاً۔ صفحہ ۳۳۷

تو بہت کم۔ مثلاً چھوٹے افسانے لکھنے کا آج کل عام رواج پایا جاتا ہے۔ اگرچہ اس وقت سوائے منشی پریم چند کے، جن کے بعض افسانے درحقیقت بے نظیر ہیں، کوئی ایسا نظر نہیں آتا جس میں وہ جدّت ہو۔ لیکن اِن لکھنے والوں میں بعض بہت ہونہار ہیں جن سے توقع ہے کہ آگے چل کر نام پیدا کریں گے۔ دوسری چیز ادبی تنقید ہے جس کی ابتدا مولوی حالیؔ نے کی اور اب اس فن پر متعدّد لکھنے والے پیدا ہو گئے ہیں جن میں سے بعض اپنی زبان کی بڑی خدمت کر رہے ہیں۔ یہ زیادہ تر مغربی تعلیم کا اثر ہے اور کم و بیش مغربی اصول پر کام ہو رہا ہے..... شعر و سخن میں بھی اردو زبان کسی سے پیچھے نہیں، اگرچہ اس وقت حالیؔ سا کوئی انقلابی شاعر پیدا نہیں ہوا سوائے ایک شخص کے جس نے حقیقت میں اردو شاعری میں جان ڈال دی تھی اور جس نے اپنی قوّتِ کلام اور زورِ بیان سے زبان میں ایک نئی تازگی اور نیا جوش پیدا کر دیا تھا۔ لیکن اس بدقسمتی کا کیا علاج کہ اقبالؔ اُردو سے روٹھ گئے ہیں.......“ [1]

دلّی مرکز

”جب تک دلّی اردو کا مرکز رہی، ہندی کے دل کش الفاظ اس میں برابر داخل ہوتے رہے اور اب تک دلّی کے ادیبوں نے اس کی پابندی کی ہے۔ چناں چہ زمانۂ حال کے مصنّفین خصوصاً آزادؔ، حالیؔ، ذکاء اللہ، نذیر احمد، نیز مرزا داغؔ نے سیکڑوں، ہزاروں ہندی لفظ جو صرف زبانوں پر تھے اور مبتذل سمجھے جاتے تھے اور جنھیں ادب میں بار نہیں ملا تھا، اِس خوبی سے اپنے کلام میں استعمال کیے ہیں کہ خاصے متین اور سنجیدہ معلوم ہوتے ہیں۔ جب یہ زبان دوسرے صوبوں اور علاقوں میں پہنچی تو وہ اس سے محروم ہو گئی اور خصوصاً انگریزی تعلیم کے اثر سے زبان میں جب نئے نئے خیالات آنے شروع ہوئے تو انھوں نے مجبوراً فارسی عربی

---

[1] ایضاً۔ صفحہ ۱۵

Marfat.com

الفاظ سے کام لینا شروع کیا۔ پھر اکثر مترجموں نے جو انگریزی تعلیم یافتہ تھے
اور اپنی زبان پر پوری قدرت نہ رکھتے تھے، فارسی عربی الفاظ کے سوا انگریزی
الفاظ کا بھی اضافہ کیا۔ میں اس میں مسلمانوں کو بھی بری الذمہ نہیں سمجھتا۔
لیکن اگر ہندی والے پہلے کی طرح شریک رہتے تو یہ افراط تفریط نہ ہونے پاتی[لہ]
مرزا غالب کا شعر ہے :۔

آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

مرزا غالب کی مشکل پسندی مشہور ہے اور جب اس کی شکایت بہت بڑھ چلی تو
انھوں نے یہ عذر کیا۔ یہ عذر تو ایک لطیفہ ہے۔ لیکن عام شکایت کا اثر یہ ہوا کہ
وہ سچ مچ آسان کہنے لگے۔ اور آسان بھی ایسا کہ اس کا جواب نہیں۔ ان کی شہرت
اور مقبولیت اسی آسان کلام پر ہے۔۔۔۔ "[سہ]

لکھنؤ کی زبان

"۔۔۔۔ جدت پسندی کے شوق میں لکھنؤ کے شاعروں اور ادیبوں نے ایسے مشکل
اور ثقیل فارسی عربی کے لفظ اپنے کلام میں داخل کرنے شروع کر دیئے تھے کہ عام
فہم تو کیا، خاص فہم بھی نہیں ۔۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اردو کے بہت سے
ٹھیٹھ لفظ اور بول چال کے عام فہم محاورے عامیانہ قرار دے کر متروک کر دیے
گئے ۔۔ یہ معیار شرافت و ثقاہت سمجھا جاتا تھا ؛ تحریر ہی میں نہیں ،
بات چیت میں بھی یہی شان پیدا ہوگئی تھی۔ اپنی علمیت جتانے کے لیے یہ لوگ
عجیب طرح کی زبان بولنے لگے تھے۔ ایک زمانے میں یہاں (حیدرآباد۔ دکن) کی
ہائی کورٹ میں لکھنؤ کے ایک صاحب علم، میر مجلس تھے۔ ایک دن میں یونہی
ان سے ملنے گیا۔ مزاج پوچھا تو فرمایا، "صدر پر انصباب نوازل ہے"۔ آپ

لہ خطبات۔ صفحہ ۸
سہ ایضاً۔ صفحہ ۵۲۳

Marfat.com

سمجھے کیا کہا؟ — غزل جس کی زبان سبک، فصیح اور عام فہم ہوتی ہے، وہ بھی اس کی زد سے نہ بچی اور اس میں بھی وہاں کے شاعروں نے ایسے ثقیل اور نامانوس عربی فارسی لفظ لکھنے شروع کر دیے جن کی وہ کسی طرح متحمل نہیں ہو سکتی" لہ

"...... البتہ اردو پر ایک ایسا تاریک زمانہ آیا تھا کہ ہمارے شاعروں نے اکثر ہندی لفظوں کو متروک قرار دیا اور ان کی بجائے عربی فارسی کے لفظ بھرنے شروع کیے اور یہی نہیں بلکہ بعض عربی فارسی الفاظ جو بہ تغیر ہیئت یا بہ تغیر تلفظ اردو میں داخل ہو گئے تھے، انھیں بھی غلط قرار دے کر اصل صورت میں پیش کیا اور اس کا نام اصلاحِ زبان رکھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ تکلف اور تصنع ہمارے ادب پر چھا گئے تھے۔ شاعری ضلع جگت ہو گئی تھی، سخن وروں نے لفظوں کو کھیل بنا لیا تھا۔ شاعر کا مقصد کچھ کہنا نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کا کام قافیے کی رعایت سے لفظوں کو جما دینا، ان میں صنائع و بدائع کا رنگ بھر دینا، قافیہ ردیف کھپا دینا اور محاوروں کا نباہ دینا رہ گیا تھا۔ اس میلان کی وجہ سے ہماری شاعری رنگ برنگ لفظوں کا ایک ڈھانچا تھی جس پر طرح طرح کی نقاشی کی ہوئی تھی لیکن اس میں جان نہ تھی اور ہماری زبان ایک ایسی زبان ہو گئی تھی کہ اسے بہت کم انسان بولتے تھے۔ غرض اس رنگ نے ہمارے ادب کو بے جان بے لطف اور بے اثر بنا دیا تھا۔ لیکن یہ دورِ تاریکی چند روزہ تھا۔ اس کے رفع کرنے میں سب سے بڑا کام سرسید احمد خاں نے کیا۔ اس کی تحریروں نے ہمارے ادب میں نئی جان ڈال دی۔ اگرچہ اس کی زبان اور اس کا اندازِ بیان سادہ تھا لیکن اس میں فصاحت، اثر اور قوت تھی۔ اس نے علمی اور سنجیدہ مضامین لکھنے کا نیا ڈول ڈالا اور موافق و مخالف دونوں نے اس کی پیروی کی اور اس کے رفقا یعنی نذیر احمد، شبلی، حالی اور ذکاء اللہ خاں وغیرہ نے اسے اور چمکایا اور بڑھایا۔ سرسید احمد خاں کا اردو پر بڑا احسان ہے........" ۲ہ

لہ ایضاً۔ صفحہ ۵۲۳

۲ہ ایضاً۔ صفحہ ۱۱۹

اردو زبان و ادب کا جدید دور، گزشتہ صدی کے آغاز سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں چار بڑی باقاعدہ تحریکیں عمل میں آئیں:۔ (۱) فورٹ ولیم کالج، کلکتہ۔ (۲) دہلی کالج۔ (۳) سائنٹی فک سوسائٹی، علی گڑھ اور (۴) اورینٹل کالج، لاہور.....‘‘[1]

علی گڑھ کا دبستان

۱۴ر فروری ۱۹۴۱ء کو فرمایا:۔

’’یہ مقام (علی گڑھ) جہاں آپ جلوہ فرما ہیں اردو کا گہوارہ اور اُتارا رہا ہے، اسی ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ جمگھٹوں میں ہماری زبان کے نامور ادیب، مورّخ، مصنّف، شاعر تکلیف فرماتے اور اپنے کلام سے اہلِ کانفرنس کو محظوظ کرتے تھے۔ لوگ دُور دُور سے کھچے چلے آتے تھے اور بڑے شوق سے ان جلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ قطعِ نظر دوسرے فوائد کے، ان بزرگوں کو دیکھنا، ان کی باتیں سُننا یا ان سے ملنا ہی اپنی بڑی خوش قسمتی اور اپنی زندگی کا بڑا کارنامہ سمجھتے تھے اور ان باتوں کا تذکرہ آج بھی ہم اپنی صحبتوں میں بڑے فخر سے کرتے ہیں۔ حالی، شبلی، نذیر احمد کے جوہر یہیں کھلے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اردو کی بنیادیں مستحکم کیں۔ سر سیّد احمد خاں ان سب کے سردار تھے۔ سیّد کے احسانات سے کون انکار کر سکتا ہے۔ یہ گونا گوں ہیں۔ لیکن ان کا سب سے بڑا احسان اردو زبان پر ہے۔ اس نے زبان کو پستی سے نکالا۔ اندازِ بیان میں سادگی کے ساتھ قوّت پیدا کی۔ سنجیدہ مضامین لکھنے کا ڈول ڈالا۔ سائنٹی فک سوسائٹی کی بنیاد ڈالی۔ جدید علوم و فنون کے ترجمے انگریزی سے کرائے۔ خود کتابیں لکھیں اور دوسروں سے لکھوائیں۔ اخبار سائنٹی فک سوسائٹی (علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ) جاری کر کے اپنے اندازِ تحریر، بے لاگ تنقید اور روشن خیالی سے اخبار نویسی کا پایہ بڑھایا۔ تہذیب الاخلاق کے ذریعے اُردو ادب میں انقلاب پیدا کیا۔ ٹائپ کو رواج دیا۔ ان بزرگوں کی سعیٔ عمل سے علی گڑھ، اردو ادب اور روشن خیالی کا ایسا مرکز ہو گیا تھا جس کی فضیلت اور

[1] ایضاً۔ صفحہ ۲۸ — پھر ان چاروں تحریکوں کی تفصیل آتی ہے۔

Marfat.com

برتری سب نے تسلیم کی ہے۔ یہ اردو ادب کے فروغ اور عروج کا زمانہ تھا اور اردو ادب کی تاریخ میں اس کا ذکر ہمیشہ احترام سے کیا جاتے گا۔.......... سید کے زمانے میں کالج میں ادبیت کا رنگ نظر آتا تھا۔ اوّل تو وہ خود ایک اعلا نمونہ تھے۔ دوسرے، بعض اہلِ کمال اور ادیب کالج میں آتے اور قیام فرماتے۔ طلبہ ان کی صحبت سے فیض حاصل کرتے۔ اس کے علاوہ بعض پروفیسر مثلاً پروفیسر آرنلڈ، مولانا شبلی، مولوی کرامت حسین اس پائے کے تھے کہ ان کی تعلیم، گفتگو اور صحبت؛ صحیح علمی اور ادبی ذوق کی ضامن تھی۔ ظاہر ہے کہ سب ادیب اور عالم نہیں ہو سکتے لیکن جن میں کچھ صلاحیت اور مادّہ تھا، اس سے مستفید ہوئے اور کچھ کیا بھی۔ حالاں کہ اس زمانے میں کالج کے نصابِ تعلیم میں اردو داخل نہ تھی۔" [1]

عورتوں کی زبان

"اردو زبان کی ایک اور خصوصیت بھی ہے جس پر بہت کم توجہ کی گئی ہے، وہ عورتوں کی زبان ہے۔ یوں تو دُنیا میں اور بھی زبانیں ہیں جن میں مردوں اور عورتوں کی بول چال میں کچھ کچھ فرق ہے۔ لیکن اردو زبان میں یہ امتیاز بہت نمایاں اور گہرا ہے۔ اردو نے جس خطے میں جنم لیا، یا جہاں جہاں اس نے زیادہ رواج پایا، وہاں پردے کی رسم رہی ہے۔ اسی وجہ سے مردوں اور عورتوں کی معاشرت میں بہت کچھ فرق پیدا ہو گیا۔ عورتوں کے الفاظ اور محاورے اور ان کا طرز بیان اور بول چال بھی بہت کچھ الگ ہو گئے۔ عورتوں کی نظر بڑی تیز ہوتی ہے، وہ انسانوں یا چیزوں میں بعض ایسی چھوٹی چھوٹی خوبیاں یا کمزوریاں دیکھ لیتی ہیں جن پر مردوں کی نظر نہیں پڑتی۔ پردے میں رہنے کی وجہ سے ان کا سارا وقت امورِ خانہ داری، بال بچوں کی پرورش اور نگہداشت، شادی بیاہ، رسم و رواج کی پابندی اور ان کے متعلق جتنے معاملات ہیں اس میں صرف ہوتا ہے اور اس اقلیم میں ان کی عمل داری کامل

---

[1] خطبات۔ صفحہ ۲۵۱ - ۲۵۳

Marfat.com

ہوتی ہے۔ پھر ان کی زبان اور لہجے میں قدرتی لطافت، نزاکت اور لوچ ہوتا ہے۔ اس لیے انھوں نے اپنے متعلقات کے لحاظ سے جو طرح طرح کے لفظ، محاورے اور مثلیں بنائی ہیں وہ بڑی لطیف، نازک، خوب صورت اور سبک ہیں۔ وہ گیت جو عورتوں نے بنائے ہیں، بہت ہی پُرلطف اور دل کش ہیں اور نفسیاتی اعتبار سے خاص طور پر قابلِ قدر ہیں۔ ایسے الفاظ جن کا زبان سے نکالنا بدتمیزی سمجھا جاتا ہے یا جن کے کہنے میں شرم و حجاب مانع ہوتا ہے، عورتیں ایسے الفاظ نہیں بولتیں بلکہ وہ اس کو لطیف پیرائے میں یا تشبیہہ اور استعارے کے رنگ میں بڑی خوب صورتی سے بیان کر جاتی ہیں۔ عربی فارسی کے ثقیل الفاظ جن کا تلفّظ آسانی سے ادا نہیں ہوتا وہ انھیں بہت سڈول بنا لیتی ہیں۔ بعض اوقات ان کے معنی تک بدل جاتے ہیں اور وہ خالص اردو کے لفظ ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ ریختی گو شعرا کا بڑا احسان ہے (اگرچہ ان میں سے بعض نے بہت کچھ فحش بھی بکا ہے) کہ انھوں نے اس زبان کو محفوظ کر دیا ہے۔۔۔۔۔۔۔ اس زمانے میں نذیر احمد، حالی، سیّد احمد دہلوی، راشد الخیری اور بعض دیگر اصحاب کی بدولت صنفِ نازک کی پاکیزہ زبان کا اکثر حصّہ ہمارا مشترک سرمایہ ہو گیا ہے۔[1]

اُردو اسٹیج

اُردو کانفرنس بمبئی (۱۹۴۵ء) میں فرمایا:۔

"پسٹن جی فرام جی، اردو اسٹیج کے پہلے بانی ہیں۔ وہ صرف اُردو شاعری کے قدرداں ہی نہ تھے، خود بھی اردو شاعر تھے۔ رنگ و پروین تخلّص کرتے تھے اور نواب علی نفیس سے اصلاح لیتے تھے۔ انھوں نے اوجنل تھیئٹریکل کمپنی کے نام سے ایک تھیئٹر قائم کیا۔ اس کمپنی کے ڈرامے جو تیس چالیس سے کم نہ ہوں گے، اردو زبان میں تھے۔ اس کمپنی کو خوب فروغ ہوا۔ پسٹن جی کی وفات کے بعد بالی والا نے وکٹوریا تھیئٹریکل کمپنی اور کاؤس جی کھٹاؤ نے الفریڈ تھیئٹر قائم کیا۔ یہ دونوں بہت مشہور

---

[1] خطبات۔ صفحہ ۱۲۱ - ۱۲۲

Marfat.com

ایکٹر تھے - ان کے علاوہ نیو الفریڈ اور بمبئی پارسی تھیئٹریکل کمپنیاں بنیں جو پارسیوں کی ہمت اور جدت کی رہینِ منت تھیں - ان کمپنیوں میں بعض بڑے پائے کے منشی اور شاعر تھے - طالب، احسن، بے تاب، حشر کے نام ڈراما نویس کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رہیں گے - یہ کمپنیاں تمام بڑے بڑے شہروں میں جاتیں، وہاں عجیب رونق اور چہل پہل ہو جاتی تھی - جب کوئی بڑھیا گانے والا یا ایکٹر آتا تھا تو خلقت تماشا دیکھنے کے لئے ٹوٹ پڑتی تھی اور "ونس مور" کی تابڑ توڑ فرمائشوں سے بعض ایکٹر بے حال ہو جاتے تھے - جوں جوں ان تھیئٹروں کی ترقی ہوتی گئی، ان کے ڈرامے بھی زبان کے اعتبار سے بہتر ہوتے گئے - آج کل ان کی جگہ فلموں نے لے لی ہے اور ان کا بھی یہی حال ہے - فلم کے مرکز تو بمبئی کے سوا اور مقامات پر بھی ہیں لیکن اردو ڈرامے کی بنا اور فروغ کا فخر بمبئی ہی کو حاصل ہے - ان تھیئٹروں کی بدولت سیکڑوں ڈرامے لکھے گئے اور اردو کی آواز گھر گھر پہنچ گئی - مجھے خوب یاد ہے کہ جب پچاس برس قبل میں بمبئی آیا اور ایک تھیئٹر میں گیا تو عجیب نظارہ دیکھا - جوں ہی ایک ایکٹر نے اردو غزل شروع کی، نیچے درجوں کے سارے تماشائیوں نے بے تکلف اس کے ساتھ گانا شروع کر دیا - - - پارسیوں نے صرف تھیٹر کے ذریعے اردو نہیں پھیلائی، بعض ان میں اردو کے اہلِ قلم بھی ہوئے ہیں - ۱۸۴۳ء میں ڈوسا بھائی سہراب جی نے ہندستانی انگریزی میں اردو محاورات اور بول چال پر ایک کتاب لکھی - حال میں انجمن ترقی اردو نے دستور بہرام جی کا اردو دیوان شائع کیا ہے -"

اُردو کے بعض اخبار

۱۹۴۵ء میں بمبئی کانفرنس میں فرمایا:-

"نوّے سال پہلے بھی یہاں سے اردو اخبار نکلتے تھے جن میں کشف الاخبار، روضۃ الاخبار، ریاض الاخبار، برقِ خاطف کے نام اب تک ملتے ہیں - ایک اخبار پریم گوپال پرکاش نام کا بھی تھا جو اردو زبان میں شائع ہوتا تھا - کشف الاخبار ۱۸۵۵ء میں نکلنا شروع ہوا تھا - جب میں ۱۸۹۵ء میں یہاں آیا تو اس وقت بھی جاری تھا اور میں اس کے اڈیٹر سے ملا تھا -"

Marfat.com

لاہور میں ۱۹۴۸ء میں فرمایا:۔

"حق یہ ہے کہ اس (پنجاب) نے اردو کوشی اور اردو نوازی کا وہ کام کیا ہے جو برِاعظم پاک ہند کا کوئی صوبہ نہ کر سکا۔ جس کثرت سے اردو کے اخبار اور رسالے یہاں سے نکلتے ہیں کہیں اور سے نہیں نکلتے۔ اور کمیت ہی میں نہیں، کیفیت میں بھی دوسرے سب اخباروں پر سبقت لے گئے ہیں۔ سر شیخ عبدالقادر، مولوی ظفر علی خان، مہر، میاں بشیر، حمید نظامی جیسے اخبار نویس اور کہاں ہیں۔ نوائے وقت کے بعض مضامین پڑھ کر مجھے حیرت ہوتی تھی۔ قطع نظر معلومات کے ان کی زبان و بیان کی روانی اور قوت کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ اردو زبان ان کی نہیں ہے۔ یہ تو اس وقت کی باتیں ہیں۔ اس سے بہت پہلے بھی پنجاب سے اردو اخبار کوہِ نور، پنجابی اخبار، اخبارِ عام اور ان کے بعد رفیقِ ہند، وکیل، وطن، پیسہ اخبار وغیرہ وغیرہ اپنے اپنے زمانے میں بہت مقبول اور بااثر رہے ہیں۔ اس وقت یہاں بہت سے نئے ادیب اور شاعر اور انشاپرداز ایسے ہیں کہ جن کے کلام اور افکار کو پڑھ کر مسرت ہوتی ہے۔ ان میں جدت اور تازگی ہے۔ یہ ہونہار نوجوان آئندہ اردو ادب میں نام پیدا کریں گے۔ علاوہ عام ادبی رسالوں کے مثلاً ہمایون، ادبی دنیا وغیرہ جو یادش بخیر، مرحوم مخزن کی ذریات ہیں، علمی رسالوں کی طرف بھی توجہ ہوئی ہے۔ ابھی حال میں رسالہ نفسیات اور نفسیات پر چند کتابیں میری نظر سے گزریں جو بعض نوجوانوں نے لاہور سے شائع کی ہیں، ان میں علمی مطالب مناسب، سادہ اور صاف زبان میں ادا کیے ہیں۔" [1]

---

[1] خطبات۔ صفحہ ۳۲۵۔ خطبات (صفحہ ۱۹۔۲۰) میں اخباروں کی زبان پر اظہارِ خیال کے ساتھ ہی اس کے لیے مشورے بھی ہیں۔

Marfat.com

(ج)

بابائے اردو کی نثر

بابائے اردو کی نثر کی سب سے بڑی خصوصیت سادگی ہے۔ انھوں نے بارہا اس سادگی کا ذکر کیا کہ اس کی نوعیت کیا ہونی چاہیے۔۔ باغ و بہار کے مقدمے میں فرماتے ہیں :۔

"سادہ زبان لکھنا سخت مشکل ہے۔ سادگی بعض وقت عامیانہ یا بے مزہ ہو جاتی ہے۔ سادگی کے ساتھ فصاحت اور لطفِ بیان کو قائم رکھنا بڑا کمال ہے۔"

خطبات میں متعدد مقامات پر سادگی اور لفظ کی قوت کا ذکر ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ :۔

"لفظ ایک بڑی قوت ہے اور اس کا برمحل استعمال، خیال میں قوت پیدا کر دیتا ہے۔ جو اس گُر سے واقف نہیں اور لفظ کے صحیح برمحل استعمال کو نہیں جانتا، اُس کا بیان اکثر ناقص، ادھورا اور بے جان ہوتا ہے۔ یہ دو چیزیں ہیں۔ ایک ادب کا ظاہر یعنی زبان اور دوسرے، ادب کا باطن یعنی خیال۔ اگرچہ ان کو الگ الگ بیان کیا جاتا ہے لیکن یہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتیں۔ یہ لازم و ملزوم ہیں۔ انہی کے میل سے اسلوبِ بیان یعنی اسٹائل بنتا ہے" [۱]

ایک جگہ اس طرح مشورہ دیتے ہیں :۔

"زیادہ زور اس بات پر دینا چاہیے کہ بیان سادہ اور سہل ہو۔ رہا لفظ تو اس کا پرکھنے والا ادیب ہی ہو سکتا ہے۔ وہ ہر لفظ کی نبض پہچانتا ہے اور خوب سمجھتا ہے کہ کون سا لفظ کہاں آنا چاہیے۔ اس میں موقع اور محل کو پہچاننا بڑی بات ہے۔ یہ انشا پردازی کا بڑا گُر ہے۔ لفظ میں ایک جادو ہوتا ہے جو بے محل استعمال

---

[۱] خطبات۔ صفحہ ۱۷

Marfat.com

سے پھیکا پڑ جاتا ہے اور اچھا خاصا لفظ بے جان اور بے اثر ہو جاتا ہے ..... اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری آواز زیادہ سے زیادہ اشخاص تک پہنچے تو ہمیں ایسی زبان میں لکھنا یا بولنا چاہیے جسے زیادہ سے زیادہ اشخاص سمجھ سکیں۔ اور اگر ساتھ ہی آپ یہ بھی چاہتے ہیں کہ آپ کی تحریر و تقریر میں اثر اور دل کشی بھی ہو تو اس کے لیے بڑی محنت، مشق اور مطالعے کی ضرورت ہے۔ ورنہ نری سادہ زبان زیادہ کارآمد نہیں ہو سکتی۔" [۱]

ایک اور جگہ یوں ارشاد ہے:۔

"محض زبان کا آسان ہونا کافی نہیں۔ اس میں جان، اثر اور لطف بھی ہونا چاہیے اور یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ ایسی زبان صرف کامل ادیب ہی لکھ سکتے ہیں۔ ورنہ ایسی تحریر سے کیا فائدہ جو سپاٹ، بے مزہ اور بھدی ہو۔" [۲]

اسی لیے سرسید کی نثر کی قدر کرتے ہیں اور صحیح طور پر سراہتے ہیں کہ:۔

"سرسید کی سادہ نویسی مشہور ہے۔ مجھے اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میں اپنے خیالات ایسی زبان میں ادا کرنا چاہتا ہوں جسے گھر کی ماما اور سائیس بھی سمجھ لے اور انھوں نے یہ کر دکھایا۔ سنجیدہ اور علمی مضامین بھی انھوں نے بڑی ستھری اور آسان زبان میں لکھے ہیں اور بعض اوقات انھیں سادہ الفاظ اور فقروں [۳] کے صحیح استعمال نے وہ قوت اور دل کشی پیدا کر دی ہے کہ جو بڑے بڑے الفاظ اور جملوں سے ممکن نہیں۔ جس زمانے میں مولانا شبلی حیدر آباد میں مقیم تھے، میں ایک روز ان سے ملنے گیا۔ دیکھا کہ برآمدے میں ٹہل رہے ہیں۔ (اس زمانے میں وہ علم الکلام لکھ رہے تھے) میں نے پوچھا، مولانا کس فکر میں ہیں؟۔ فرمایا، الہام و وحی کے موضوع پر کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ سرسید

---

[۱] ایضاً۔ صفحہ ۴۵۲۔

[۲] ایضاً۔ صفحہ ۴۶۱۔

[۳] صفحہ ۵۲۱ میں ہے کہ "اس سے قبل ہماری زبان میں قوم کا لفظ ذات کے معنوں میں آتا تھا۔ سرسید نے اس لفظ کا مفہوم بدل دیا اور پہلی بار لفظ قوم کو نیشن کے معنوں میں استعمال کیا۔"

Marfat.com

نے بھی اس پر لکھا ہے - لکھا گیا ہے، مسئلے کو پانی کر دیا ہے - میں

حیران ہوں کہ کیا پیرایہ اختیار کروں -" لہ

بابائے اردو کے پیشِ نظر سرسید کی زبان تھی لیکن ان کا اندازِ بیان شہادت دیتا ہے کہ وہ مولانا حالی سے زیادہ متاثر ہیں اور یہ چیز بذاتِ خود سرسید سے اثر پذیری کی نشان دہی کرتی ہے - مولانا حالی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :-

" لفظ کا صحیح اور برمحل استعمال جس سے کلام میں جان پڑ جائے اور لفظ خود بول اُٹھے کہ لکھنے والے کے دل میں کیا چیز کھٹک رہی ہے، ادب کا بڑا کمال ہے اور یہ کوئی حالی سے سیکھے - دلوں میں گھر کر لینے کے جو گُر ادب میں ہیں، اُن میں سے ایک یہ بھی ہے -" لہ

اس سے پہلے اسی مضمون میں مولانا حالی کے متعلق بابا نے لکھا ہے :-

" مولانا کی سیرت میں دو ممتاز خصوصیتیں تھیں - ایک سادگی اور دوسری، دردِدل اور یہی شان اُن کے کلام میں ہے - اُن کی سیرت اور اُن کا کلام ایک ہے - یا یوں سمجھئے کہ ایک دوسرے کا عکس ہیں"

مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ ٹھیک یہی وہ خصوصیتیں خود بابائے اردو میں ہیں اور یہی شان ان کے کلام میں بھی ہے - ان کی کوئی عبارت، کوئی مضمون اور کوئی تقریر ان دو خصوصیتوں سے خالی نہیں اور یہی اُن کا سب سے بڑا کمال بھی ہے -

سرسید اور مولانا حالی کی نثر میں ایک اور خوبی یہ تھی کہ وہ ہندی کے عام اور سبک الفاظ جو بول چال میں بلا تکلف آتے ہیں، زیادہ سے زیادہ استعمال کرتے تھے - چند ہم عصر میں حالی کے ذکر میں ہے کہ

" ایک بار جب اردو لغت کی ترتیب کا ذکر اُن سے آیا تو فرمانے لگے کہ اردو لغت میں ہندی کے وہ الفاظ جو عام بول چال میں آتے ہیں یا جو ہماری زبان میں کھپ سکتے ہیں بلا تکلف کثرت سے داخل کرنے چاہییں - خود اپنی نظم و نثر میں وہ ہندی الفاظ

لہ ایضاً - صفحہ ۵۲۵

لہ چند ہم عصر (حالی) - لفظ کی قوت کے لئے ایک اور عمدہ بیان خطبات (صفحہ ۵۲۶) میں بھی ہے -

ایسی خوب صورتی سے لکھ جاتے تھے کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ اسی موقع کے لیے وضع ہوئے تھے۔ انھوں نے بہت سے ایسے ہندی الفاظ اردو ادب میں داخل کیے جو ہماری نظر سے اوجھل تھے اور جن کا آج تک کبھی کسی اردو ادیب یا شاعر نے تو کیا، ہندی ادیبوں اور شاعروں نے بھی استعمال نہیں کیا تھا۔"

بابائے اردو کا عمل بھی اسی پر ہے۔ چناں چہ اُن کی تمام تحریروں میں ہندی اور عام بول چال کے الفاظ بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔ کچھ نمونے یہاں درج کیے جاتے ہیں:۔

(۱) باغ و بہار کے مقدمے میں ہے:۔

"اردو کی پُرانی کتابوں میں کوئی کتاب، زبان کی فصاحت اور سلاست کے لحاظ سے اس سے لگا نہیں کھاتی۔ اگرچہ زبان نے بہت کچھ پلٹا کھایا ہے، اُس وقت اور اِس وقت کی زبان میں بہت بڑا بَل ہے، تاہم باغ و بہار اب بھی ویسی ہی دل چسپ اور پڑھنے کے قابل ہے جیسے پہلی تھی۔"

(۲) کلیاتِ ولی (مرتبہ مولانا احسنؔ مارہروی) کے شروع میں التماس کے ذیل میں ہے:۔

"جن صاحبوں کو کبھی قلمی نسخوں سے سابقہ پڑا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ قلمی نسخوں کی صحت اور مقابلے میں کیسی کچھ کھکھیڑ اٹھانی پڑتی ہے۔ ....کم سواد خوشنویسوں ہی نے نہیں، بلکہ ذہین خوشنویسوں نے بھی کتابوں کا وہ ستیاناس کیا ہے کہ صحت کی بحث اُن کی بدولت، رہتی دنیا تک رہے گی۔ .... اگرچہ اس تصحیح و ترتیب، ترمیم و اضافہ میں بہت کچھ کھڑاگ کرنا پڑا اور طوالت بھی بہت زیادہ ہو گئی ہے، تاہم مجھے امید ہے کہ یہ محنت رائیگاں نہ جائے گی۔"

(۳) سب رس کے مقدمے میں ایسے جُملے آتے ہیں:۔

"نستاہی سے ایسی چوک نہیں ہوئی۔"

"یہ بڑے مزے کا قصہ ہے اور کون ہے جو اس کوچے سے ناآشنا ہے اور جس نے اس معرکے میں چوٹ نہ کھائی ہو۔"

"تو خیر یہ پوری کب تک چھپتی۔ رقیب کی ایک بیٹی تھی جس کا نام غیر تھا۔ حسن کے پاس رہتی تھی۔ ظاہر میں دوست، پَر دل میں کھوٹ تھا۔"

(۴) مضامین محفوظ علی کے مقدمے میں ہے:۔

Marfat.com

"مختلف ممالک کے سامانوں کی جانچ پڑتال کی۔ ایک دستی یعنی نوٹ بک ہر وقت ان کی جیب میں رہتی تھی، جہاں کوئی کام کی چیز نظر پڑی فوراً ٹانک لی۔"

"مولانا ظفر علی خاں رسی تڑا کر بھاگ گئے تھے، پھر اسی تھان پر آ گئے"

مولانا محمد علی نے کیسے کیسے جتن کیے کہ وہ ان کے پاس دلّی میں رہیں اور ہمدرد کے کام میں ان کا ہاتھ بٹائیں، مگر وہ کسی طرح ہتّے نہ چڑھے۔"

(۵) صرف ایک کتاب خطبات میں سے بکثرت ایسے نمونے تلاش کیے جا سکتے ہیں:۔

"اس کے جانچنے کے لیے ہر کونے کھدرے پر نظر دوڑانی چاہیے"

(صفحہ ۱۴)

"انجمن ترقی اردو ایک مدت تک اٹکل پچو کام کرتی رہی"

(صفحہ ۳۷)

"اس (سیاسی) رنگ کو اور گہرا کرنے کے لیے اکثر مذہب کی پٹ دی جاتی ہے"

(صفحہ ۵۴)

"رسم الخط کا مسئلہ آج کل بہت زیر بحث ہے اور خاصا جھگڑوں کا چھتّا بن گیا ہے"

(صفحہ ۴۱)

"بہت پتّا مارنے کا کام ہے"

(صفحہ ۶۷)

"صدیوں تک انتظار کرنے اور سالہا سال کی مصیبت اور کھکھیڑ اٹھانے سے حاصل؟"

(صفحہ ۸۳)

"جب لفظ ہماری زبان میں آگیا اور رس بس گیا تو وہ غیر زبان کا نہیں رہتا۔۔۔ دوسری زبان میں مل جانے سے نہ اس کی پہلی سی صورت اور چہرہ مہرہ رہتا ہے اور نہ سیرت و خصلت"

(صفحہ ۱۱۰)

"ہندی کی بھونڈی بولیوں کو ملا کر جھاڑ جھنکاڑ کو چھانٹا"

(صفحہ ۲۲۳)

"حالات نے پلٹا کھایا"

(صفحہ ۱۰۹)

—"زمانے نے پلٹا کھایا۔"

(صفحہ ۲۹۱)

"یہ مقام جہاں آپ جلوہ فرما ہیں اردو کا گہوارہ اور گہوارہ رہا ہے۔"

(صفحہ ۲۵۸)

"لیکن جب انھیں اس کی سن گن معلوم ہوئی —"

(صفحہ ۳۶۴)

"اس وقت سے دلوں میں ایسا بل پڑا ہے کہ اب تک نہیں نکلا۔"

(صفحہ ۲۶۹)

"یہ آگ جو اندر ہی اندر سلگ رہی تھی مارچ ۱۸۹۸ء میں یکایک بھڑک اٹھی۔"

(صفحہ ۲۷۱)

"وہ جو ذرا سا تسمہ لگا رہ گیا تھا ظالم نے وہ صاف کر رکھ دیا۔"

(صفحہ ۲۷۲)

"ہندو سبھا نے اس کی حمایت میں زمین آسمان ایک کر دیا۔"

(صفحہ ۲۷۴)

"وہ اس میں بھی ہیٹی نہیں رہی۔"

(صفحہ ۴۰۶)

"یہ خدا لگتی بات تھی۔ لیکن نقار خانے میں طوطی کی آواز کہاں سنائی دیتی ہے؟
گاندھی جی لکیر پیٹتے رہ گئے اور سانپ کبھی کا نکل چکا تھا۔"

(صفحہ ۳۶۸)

"بعض نے ہامی بھری مگر کچھ نہ کیا۔"

(صفحہ ۴۰۹)

"ساری قمیصیں نکالیں اور ایک ایک کے بخیے سرے سے نکال ڈالے۔"

(صفحہ ۴۱۲)

"یہ کام کرنے کے لچھن نہیں، ٹالنے کی باتیں ہیں۔"

(صفحہ ۴۳۰)

"اس میں پتا مارنا پڑتا ہے۔"

(صفحہ ۴۳۷)

"تنے کی چھال اتار لینے سے درخت ٹھنٹھ ہو کے رہ جاتا ہے۔"

(صفحہ ۴۸۰)

—"ہم اردو دانوں کو بڑا غرہ ہے۔"

(صفحہ ۴۵۴)

Marfat.com

"غلامی کا جوا اتار پھینکنے کا خیال خوب ہے۔"

(صفحہ ۲۷۹)

"...... تو کیا اُن کی شان میں جھٹکے پڑ جاتے ؟"

(صفحہ ۵۲۴)

مذکورہ بالا اقتباسات میں ہندی کے میٹھے بچن بھی ہیں اور عام بول چال کے الفاظ و محاورات بھی ہیں۔ کچھ ایسے الفاظ بھی ہیں جو صرف ادبا کی زبان پر ہیں لیکن سادگی ان سب میں ہے اور اس سادگی میں وہ زور اور قوّت ہے کہ ان کے مُرادفات اور مترادفات میں بمشکل نظر آئے گی۔ برسوں کی محنت، مطالعے اور مشاقی سے یہ چیز ضرور حاصل ہو سکتی ہے لیکن وہ جو مولانا حالیؔ کی سادگی کے ساتھ "دردِ دل" والا جذبہ کارفرما ہوا کرتا تھا، ٹھیک وہی جذبہ بابائے اُردو کی تحریر و تقریر میں موجود ہے اور "از دل خیزد بر دل ریزد" کے مصداق، اس کلام کی اثر انگیزی میں کوئی کلام نہیں۔ دیکھیے حسبِ ذیل اقوال اور خیالات میں کس قدر اخلاص اور کس درجہ اثر ہے ؟ :-

"جب کوئی وار کارگر نہیں ہوتا، تو مذہب اور سیاست کی آڑ لی جاتی ہے۔"

(صفحہ ۵۵)

"زندگی مسلسل ہے، اسی طرح ادب بھی مسلسل ہے۔"

(صفحہ ۶۸)

"ہر پُرانی چیز بُری نہیں اور ہر نئی چیز اچھی نہیں۔"

(صفحہ ۶۹)

"دنیا میں سب سے بڑا وہ ہے جس کی آواز تمام بنی نوع انسان تک پہنچ سکتی ہے۔"

(صفحہ ۱۲۳)

"جس طرح درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، انسان اپنے اعمال سے جانا جاتا ہے۔"

(صفحہ ۲۴۶)

"سکوت و سکون، بے عملی و بے اعتنائی، انسانوں اور قوموں کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔"

(صفحہ ۲۷۷)

"زبان کی پھوٹ سب سے بڑی پھوٹ ہے۔" (صفحہ ۲۴۹)

"جب ایک قوم کسی دوسری قوم کو فتح کر لیتی یا اُس پر غالب آجاتی ہے تو

Marfat.com

سب سے پہلے وہ مفتوح یا مغلوب قوم کی زبان پر حملہ کرتی اور اس کے مٹانے کی کوشش کرتی ہے۔" [لہ]

(صفحہ ۳۶۳)

"حسنِ تدبیر اور حسنِ عمل، آئی بلا کو ٹالنے کے لیے دو ہتھیار ہیں۔"

(صفحہ ۳۸۱)

"ہم سوچتے بہت ہیں، کرتے کم ہیں۔" (صفحہ ۳۸۱)

"مصیبت بعض وقت رحمت ثابت ہوتی ہے۔" (صفحہ ۳۸۴)

"کام وہ اکسیر ہے جو بڈھے کو بھی جوان بنائے رکھتی ہے۔" (صفحہ ۳۸۵)

"وہ جو لوگ اور قومیں سختی برداشت کرنے اور دل لگا کر مسلسل کام کرنے سے جی چراتی ہیں، انھیں کبھی آزادی نصیب نہیں ہوتی۔" (صفحہ ۳۹۹)

"جب کسی کے اخلاق گر جاتے ہیں تو اس کے اثر سے جسمانی اور دماغی قویٰ بھی زوال پذیر ہو جاتے ہیں۔" (صفحہ ۳۹۹)

"غلطی وہی کرتا ہے جو کچھ کرتا بھی ہے، جو کچھ کرتا ہی نہیں وہ غلطی کیا کرے گا۔"

(صفحہ ۴۳۵)

"میرا یہ عقیدہ ہے کہ سب انسان نیک ہیں سوائے کاہل کے۔"

(صفحہ ۴۳۶)

بابائے اردو کو اگر کبھی نہ دیکھا ہو اور نہ کبھی اُن سے ملاقات ہوئی ہو، تب بھی ان اقوال خیالات اور رجحانات کے مطالعے سے فوراً اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ بوڑھے ہونے کے باوجود جوان بلکہ نوجوان ہیں اور اُن کی سب سے بڑی قوت اور توانائی محض اخلاص اور مسلسل کوشش ہے، وہ ہمیشہ محنت کرتے ہیں، ہمیشہ کام کرتے ہیں۔ مصیبت کو لبیک کہتے ہیں، سختی کو برداشت کرنے کے نہ صرف عادی ہیں بلکہ اُس کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں، غلطی اور چوک ہو جانا عار نہیں سمجھتے، زبان و ادب کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے ہیں۔ حق گوئی اور بے باکی اُن کا شیوا ہے۔ اور بقول اقبال کے :-

ع   دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں

اس اعلا کردار کی شہادت ان واقعات سے بھی ملتی ہے :-

لہ = قول بظاہر ایک عیسائی سے نقل کیا گیا ہے لیکن الفاظ تو عبدالحق صاحب ہی کے ہیں۔

Marfat.com

پر تغیر کا عمل جاری ہے۔ رجعت یا ترقی، ہر زمانے کے حالات اور ماحول کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ یہ خیال ہے کہ ہر چیز جس کا تعلق گذشتہ زمانے سے ہے سراسر رجعت سے آلودہ ہے، صحیح نہیں۔ محض اس بنا پر کہ ہم لوگ آگے بڑھ گئے ہیں، گذشتہ سے تعلق قطع نہیں کرنا چاہیے۔ ایسا کرنا اپنی جڑیں کاٹنا ہے۔"[1]

یہی "دردِ دل"، عقل و عشق کی بحث میں بھی دیکھیے۔ فرماتے ہیں کہ:۔

"عقل و عشق کی لڑائی ایک عجیب داستان ہے۔ یہ مہا بھارت اور جرمن جنگ سے بھی کہیں زیادہ ہولناک ہے۔ یہ عالم گیر جنگ ہے جو ہر آن، ہر ساعت اور ہر مقام پر برپا ہے اور ابتدائے آفرینش سے اب تک قائم ہے۔ اور رہتی دنیا تک قائم رہے گی۔ انسان نہ صرف عقل ہی عقل ہے اور نہ جذبات ہی جذبات۔ اگر وہ محض عقل ہی ہوتا تو ایک اچھی خاصی مشین ہوتا اور اگر جذبات ہی جذبات ہوتا تو بلاشبہ مجنوں ہو جاتا۔ کاش وہ کچھ ہوتا، ایک ہوتا۔ لیکن مشکل یہ آپڑی ہے کہ اس میں دونوں فتنے موجود ہیں۔ عقل اسے ایک طرف کھینچتی ہے اور عشق دوسری طرف۔ اور دونوں کے رستے ایک دوسرے سے مخالف اور متضاد ہیں .... جب توفیق یاوری کرتی ہے تو ایسے نازک وقت پر ہمت سامنے آتی ہے اور التوائے جنگ کا ڈول ڈال کر لڑاکوں کو سمجھانا بجھانا شروع کرتی ہے۔ عشق پر معمولی پند و نصائح کا اثر کیا ہو سکتا ہے۔ اس لیے وہ اسے اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے ایسا لبھاتی ہے کہ وہ صلح پر راضی ہو جاتا ہے۔ اس صلح میں راہِ مستقیم ہے۔ اسی رستے کے چلنے والوں میں کبھی کبھی کامل نظر آجاتے ہیں۔"[2]

بظاہر یہ بحث سب رس کے تمثیلی قصے سے متعلق ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اسی بحث میں ایک بہت بڑی حقیقت کی پردہ کشائی کی ہے۔ یعنی صرف علم ادب کی تحصیل ایک ادیب کے لیے کافی نہیں۔ اس کے لیے علم، ذکاوت، محنت، مشق، تربیت، جرأت، بصیرت اور سب سے زیادہ اخلاص اور "دردِ دل" کی ضرورت ہے۔ اور یہ سب چیزیں بابائے اردو کی ذات میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔

---

[1] - خطبات - صفحہ ۶۹

[2] - مقدمہ سب رس -

قدیم خطوط اور عرضیاں

یہاں ایک قدیم تاریخی بیاض[1] کا ذکر کیا جاتا ہے جو والیِ آرکاٹ (مدراس) نواب والاجاہ محمد علی خان (المتوفی ۱۷۹۵ء) کے اخلاف کی تاریخ سے متعلق بہت سے گم شدہ اوراق پر مشتمل ہے۔ اس میں انیسویں صدی عیسوی کے رُبع اول کی مدراسی اردو کے بھی بعض نمونے ہیں۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کا ایک جائزہ بھی لے لیا جائے۔

شاہجہان کے زمانے میں گوپامئو (ضلع لکھنؤ) کے ایک نوجوان محمد انور نے تحصیلِ علم کی خاطر دہلی کا رُخ کیا۔ اور دربار میں رسائی حاصل کر کے مہتمم تسبیح خانہ کی حیثیت سے تقرر حاصل کیا۔ اورنگ زیب کے زمانے میں انھیں "حاجی مقدس انور الدین خان" کا خطاب حاصل ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند جانِ جہاں کو اورنگ زیب ہی نے "سراج الدولہ محمد جانِ جہان انور الدین خان شہادت جنگ" کے خطابات مرحمت فرمائے۔ نادر شاہی ہنگاموں کے فرو ہونے کے بعد جانِ جہاں نے اپنے بڑے فرزند بدرالاسلام خان کو دربارِ شاہی میں اپنا قائم مقام بنا دیا اور خود نظام الملک آصف جاہِ اوّل (نظام حیدرآباد) کے دربار کا رخ کیا اور جلد ہی وہاں بھی قدر و منزلت حاصل کر لی۔

۱۷۴۰ء میں کرناٹک کے صوبہ دار حسین دوست خان عرف "چندا صاحب" نے فرانسیسیوں سے ساز باز کر کے جب تمام صوبے میں ہنگامے کھڑے کر دیئے تو نظام الملک آصف جاہ نے جانِ جہاں انور الدین خاں کو کرناٹک کا صوبہ دار مقرر کیا لیکن وہ چندا صاحب سے جنگ کرتے ہوئے ۱۷۴۹ء میں مارے گئے۔ انھوں نے اپنی زندگی ہی میں صوبہ کرناٹک کو اپنے چار فرزندوں میں تقسیم کر دیا تھا یعنی محفوظ خاں کو ترچناپلی، محمد علی خان کو شمالی آرکاٹ، عبد الوہاب خان کو نیلور اور نجیب اللہ خان کو جنوبی آرکاٹ دے دیا تھا۔

نظام الملک آصف جاہ کے انتقال کے بعد جب ان کے فرزند ناصر جنگ اور نواسے ہدایت محی الدین میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو محمد علی خان (یعنی جانِ جہان انور الدین خان کے دوسرے فرزند) نے طاقت حاصل کر کے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور دہلی کے احمد شاہ نے ان کی حکومت کو تسلیم کرتے ہوئے انھیں "والاجاہ" کا خطاب بھی دے دیا۔ اسی وقت سے ان کے خاندان کو خاندانِ والاجاہی کہا جاتا ہے۔ والاجاہ شروع ہی سے انگریزوں کا ساتھ دیتے رہے اور انھی کے اشارے پر انہوں نے ۱۷۶۸ء میں اپنا دارالحکومت آرکاٹ سے ترچناپلی اور وہاں سے مدراس کو منتقل کر دیا۔ والاجاہ کا انتقال ۱۷۹۵ء میں ہوا اور ان کے جانشین اُن کے بڑے فرزند عمدۃ الامرا (المتخلص ممتاز) مقرر ہوئے۔ ۱۸۰۱ء میں ان کا انتقال ہوا تو ان کے فرزند تاج الامرا علی حسین خان (المتخلص ماجد) جانشین ہوئے لیکن انگریزوں نے اسی سال ان کو معزول کر کے نظر بند کر دیا اور عمدۃ الامرا کے بھائی امیر الامرا کے فرزند عظیم الدولہ کو "رئیس کرناٹک" کا خطاب دے کر ایک لاکھ روپیہ ماہانہ

---

[1] یہ بیاض محترم ڈاکٹر غلام سرور صاحب (صدر شعبۂ فارسی۔ کراچی یونیورسٹی) کے توسط سے دیکھنے کو ملی۔

Marfat.com

"ڈائنسٹک گرانٹ" عطا کیا۔ لیکن ان کو تمام ملکی انتظامات سے دستبردار کر دیا۔ ان کے بعد ۱۸۱۹ء میں ان کے فرزند اعظم الدولہ (اعظم جاہ بہادر) کو جانشین بنایا گیا۔ پھر ۱۸۲۵ء میں ان کے فرزند غلام غوث خان المتخلص اعظم جانشین مقرر ہوئے لیکن چونکہ وہ بہت کم سن تھے اس لیے بالغ ہونے تک ان کو ان کے چچا عظیم جاہ کی سرپرستی میں رکھا گیا۔ عظیم جاہ ۱۸۲۵ء سے ۱۸۴۲ء تک مسند نشین رہے، پھر غلام غوث خان اعظم کو مرتے دم تک وہ ۱۸۴۲ء سے ۱۸۵۵ء تک جانشین رہے۔ لیکن چونکہ ان کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی اس لیے ان کے چچا عظیم جاہ نے اپنے حقوق کے لیے انگلستان میں اپیل کی۔ ایک عرصے کے بعد پارلیمنٹ نے یہ فیصلہ دیا کہ کرناٹک کی مسند نشینی ختم کی جائے اور نواب عظیم جاہ کو PRINCE OF ARCOT شہزادۂ آرکاٹ کا خطاب دے کر بطور ڈائنسٹک گرانٹ پچیس ہزار روپیہ ماہوار مقرر کر دیا جائے۔ بالآخر نواب عظیم جاہ اور انگریزوں میں یہ معاہدہ ہوا کہ خود ان کی زندگی تک پچیس ہزار روپیہ انھیں ملتا رہے اور ان کے بعد تا بقائے سلطنت انگلیشیہ ماہوار ساڑھے بارہ ہزار ان کی اولاد میں تقسیم ہوتا رہے۔ یہ معاہدہ ۱۲ اپریل ۱۸۶۷ء کو ہوا تھا۔ عظیم جاہ کے بعد ظہیر الدولہ، انتظام الملک، منور خان اور محمد علی خان یکے بعد دیگرے "شہزادۂ آرکاٹ" ہوتے رہے۔ موجودہ حکومت ہند بھی اس معاہدے پر قائم ہے اور ماہانہ ساڑھے بارہ ہزار روپیہ موجودہ نواب غلام محی الدین خان بہادر (رئیس امیر محل، مدراس) اور ان کے خاندان والوں کو دے رہی ہے[1] نواب والاجاہ (محمد علی خان) جن کا ذکر اوپر آیا ہے۔ ۱۷۹۵ء میں فوت ہوئے تھے۔ ان کے بعد ان کے بڑے فرزند عمدۃ الامراء (المتخلص ممتاز) ۱۸۰۱ء تک جانشین رہے۔ دوسرے فرزند امیر الدولہ تھے جن کے فرزند عظیم الدولہ ۱۸۰۱ء سے ۱۸۱۹ء تک اپنے تایا کے جانشین رہے۔ نواب والاجاہ کے تیسرے فرزند سیف الملک انور الدولہ (محمد انور خان بہادر حسام جنگ) تھے جو ۱۱۶۶ھ / ۱۷۵۲ء میں پیدا ہوئے اور ۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء میں فوت ہوئے۔ ان کا تخلص مختار تھا[2] سیف الملک کے فرزند سیف الدولہ تھے، جن کا انتقال ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۳ء سے پہلے ہو چکا ہوگا (جیسا کہ آگے عرض کیا جائے گا)۔ انھی سیف الدولہ کے دو فرزند قیام الدولہ اور قمر الدولہ تھے جن کی بیاض سے متعلق بحث کی جائے گی۔

یہ بیاض تاریخ کے گم شدہ اوراق پر مشتمل ہے جس میں نواب والاجاہ کے تیسرے فرزند کے اخلاف کے حالات مفصل طور پر آگئے ہیں اور اس میں ایسے خطوط اور عرضیاں بھی ہیں جو انیسویں صدی عیسوی کے ربع اول میں اردو میں لکھی گئی تھیں اور وہ یقیناً مدراس کی قدیم اردو کی

---

[1] یہ حالات محبوب پاشا صاحب کے مضمون "خاندانِ والاجاہی کے اردو شاعر" (رسالہ "نیا دور" لکھنؤ۔ مارچ ۱۹۶۰ء) سے ماخوذ ہیں لیکن سنین کی تصحیح THE RULING CHIEFS, NOBLES AND ZAMINDARS OF INDIA BY VADIVELA MADRAS 1915, VOLUME I کو تر جیح دی گئی ہے۔

[2] تذکرہ گلزار اعظم (تالیف نواب غلام غوث خان اعظم) میں ہے کہ "مختار، مختص سیف الملک انور الدولہ خان بہادر حسام جنگ، پسر سوم جناب نواب والاجاہ جنت آرام گاہ است در ۱۱۶۶ھ در تھرنگر از ظلمات عدم بشرقستانِ وجود جلوہ افروز گردید کتب متداولۂ فارسیہ و فن عروض و قافیہ و مشق سخن بخدمت میر اسمٰعیل خان ابجدی و میر علی مردان یکدل گذرانید۔ علم عقاید و فقہ نزد بہاء الدین آملی خواند و بعض نکات طبیہ از حکیم احمد اللہ خان بسند رسانید۔ خط نسخ از میر مہدی خوشنویس آموخت۔ از پیش گاہ جناب تفضل مآب جم جاہ علی گوہر شاہ عالم پادشاہ ... بہ منصب شش ہزاری ذات و شش ہزار سوار و عطائے خلعت ملبوس خاص و جیغہ و سرپیچ مرصع و ماہی مراتب و پالکی و جھالہ دار و خطاب برقوم العدا کامیابی حاصل ساخت .... در ۱۲۱۸ھ جہان فانی گرائید۔

Marfat.com

یادگار ہیں۔ اس بیاض میں ۱۱۶ عرضیوں اور یادداشتوں کی نقلیں ہیں جو سیف الملک کے دو پوتوں قیام الدولہ اور قمر الدولہ نے ۱۲۴۷ھ/۱۸۳۱ء سے ۱۲۵۵ھ/۱۸۳۹ء تک نواب عظیم جاہ کو یا ان کے توسط سے حکومت کو بھیجی تھیں۔ ان میں بعض یادداشتیں ایسی بھی ہیں جو حکومت سے ان دونوں بھائیوں کے لیے موصول ہوئی تھیں۔ آخر قلم میں ایک سمن کی نقل بھی ہے جو چہار شنبہ ۳ جون (۱۸۲۹ء) کو سپریم کورٹ مدراس میں حاضر ہونے سے متعلق ہے۔ یہ سمن قیام الدولہ اور قمر الدولہ فرزندان اور ممتاز بیگم زوجہ جو وارثان ہیں نواب سیف الدولہ بہادر مرحوم کے نام ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ سیف الدولہ (ابن سیف الملک) ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔[1] ان کی زوجہ ممتاز بیگم دراصل قیام الدولہ اور قمر الدولہ کی سوتیلی ماں تھیں جیسا کہ نمبر ۲۸-۳۰-۴۰ کی عرضیوں سے واضح ہے۔ نمبر ۴۰ میں جمیعت النساء کا ذکر بھی آیا لیکن ان کو "والدہ بیگم صاحبہ" کہا گیا ہے۔ ممتاز بیگم کے علاوہ نورس بیگم (نمبر ۱۸-۴۰) اور مہر النساء (نمبر ۱۶-۱۷) بھی سوتیلی مائیں تھیں۔ نمبر ۲۴ میں مہر النساء کی زیارت "وفات چہلم" کا ذکر ہے اور یہ کہ وہ کل کے روز ہوئی تھی یعنی ۱۱ صفر ۱۲۵۳ھ کو واقع ہوئی تھی۔ یہ عرضی ۱۲ صفر کی ہے۔ اسی عرضی میں قیام الدولہ اور قمر الدولہ کی چھوٹی بہن امۃ النساء بیگم کا ذکر بھی ہے۔ عرضی نمبر ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ ممتاز بیگم کا ایک بھائی تائید الدین اکبر (عرف اکبر بادشاہ) تھا۔ نمبر ۳ سے ظاہر ہے کہ قیام الدولہ اور قمر الدولہ کا ایک چچا حسام الدولہ تھا۔ نمبر ۴۵ میں ہے کہ ان دونوں بھائیوں کا ایک متوسل حسام الملک تھا جس کے بڑے بیٹے محمد عبداللہ خان کا ذکر بھی اس میں موجود ہے۔

اب ان ۱۱۶ عرضیوں اور یادداشتوں کا مختصر تعارف عرض ہے:۔

۱- نواب سیف الدولہ مرحوم کی بیگم اور صاحبزادوں کے نام سمن ہے کہ سپریم کورٹ، مدراس میں انتونی کے دعوے کے مطابق ایک لاکھ روپیے ادا کرنے کے سلسلے میں جواب دیں۔

۲- قیام الدولہ اور قمر الدولہ کیلئے ایجنٹ MAJOR H.P. HODGSON مقرر تھا۔ اس کے خط مورخہ ۴ ستمبر ۱۸۳۳ء کے جواب میں دو سو پندرہ روپے چھ آنے کا حساب دیا گیا ہے۔

۳- جمیعت النساء کی طرف سے نواب عظیم جاہ کے نام یہ عرض داشت ہے کہ آپ نے بچیوں کی شادی کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اب ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۹ھ (یکم اکتوبر ۱۸۳۳ء) کو یہ شادی شروع ہوگی۔ یہ بھی لکھا ہے کہ شادی کے بعد ایک خالی مکان جو "مویشی خانہ" کہلاتا ہے، وہ مجھے عنایت ہو۔

۴- جمیعت النساء کا دعوت نامہ نواب عظیم جاہ کی بیگم (نواب بیگم صاحبہ) کے نام ہے کہ اس شادی میں "بی بیاں" شرکت فرمائیں۔

۵- MAJOR H.P HODGSON کے نام عرضی ہے کہ دونوں بھائیوں کو اپنے والد مرحوم کا قرض بالاقساط ادا کرنے کی اجازت دی جائے۔ عرضی پر قمر الدولہ کی مہر ہے۔

۶- محمد تہور درویش نے گیارہ کانی زمین شیخ حیدر کو اجارہ پر دے دی تھی۔ اب شریف الدین نامی ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے تو اس دو دفعہ سے زمین لی تھی۔ تم سے نہیں لی۔ اس لیے عرض ہے کہ محمد تہور کو حکم دے دیں کہ قرارنامہ کے مطابق اجارہ رکھا جائے۔

---

[1] عرضی نمبر ۳۶ میں سیف الدولہ کے قرض خواہوں کے فیصلے کا ذکر ہے کہ وہ ۱۲۳۹ھ میں ہوا تھا۔ اس لیے خیال ہے کہ سیف الدولہ اس سال سے بھی پہلے فوت ہوتے ہوں گے۔ عرضی نمبر ۹ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

Marfat.com

۷۔ "نواب امیر الہند والا جاہ" (یعنی نواب عظیم جاہ بہادر) کے نام عرضی ہے کہ سپریم کورٹ کا سمن بابت قرض موصول ہوا اس مرقومہ ۵ رفروری ۱۸۳۳ء ملا ہے اور اس کے ساتھ یہ حکم نامہ بھی ہے کہ چار دن کے اندر اگر مدعا علیہ حاضر نہ ہو تو فیصلہ یک طرفہ صادر ہو جائے گا۔ دونوں بھائیوں نے اس عرضی میں یہ بھی لکھا ہے کہ ہماری حالت آپ پر روشن ہے۔ اس عرضی میں دو مہریں ہیں۔ ایک میں "قیام الدولہ بہادر" اور دوسری میں "قمر الدولہ بہادر نواز جنگ" لکھا ہوا ہے اور دونوں پر ۱۲۳۳ھ بھی ہے۔

۸۔ جمعیت النساء نے اطلاع دی ہے کہ نجم النساء عرف نجو (دختر نصیر الملک بہادر مرحوم) کو شادی کے بعد نویں ماہ میں سات ماہ کا مردہ بچہ پیدا ہوا اور بچہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ یہ خط ۲۳ محرم ۱۲۴۶ھ کا لکھا ہوا ہے۔

۹۔ مسٹر سالپر، چیف سیکرٹری کے نام قمر الدولہ کی عرضی ہے کہ اس کا بھائی قیام الدولہ سب ملکیت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ عرضی ۱۶ رصفر ۱۲۴۹ھ کی لکھی ہوئی ہے۔

۱۰۔ نمبر ۹ والی عرضی دوسرے دن یعنی ۱۷ صفر ۱۲۴۹ھ کو گورنر SIR FREDERICK ADAM کے نام بھیجی ہے۔ اس کی یہ نقل ہے۔

۱۱۔ "حضور نواب بیگم" (عظیم جاہ کی بیگم) نے انگوروں کا تحفہ بھیجا تھا تو دونوں بھائیوں نے شکریہ کا یہ خط لکھا۔ ۲ ذی الحجہ ۱۲۴۶ھ تاریخ ہے

۱۲۔ جمعیت النساء کی یہ عرضی ۹ ربیع الثانی ۱۲۴۸ھ کی ہے اور نواب عظیم جاہ سے اپنی بچیوں کی شادی کے لیے اجازت مانگی ہے۔ (یہ عرضی اس بیاض میں نمبر ۷ سے مقدم ہونی چاہیے تھی)

۱۳۔ میجر H. P. HODGSON کا خط قمر الدولہ کے نام ہے کہ دو سو پندرہ روپے جو آپنے ماہانہ کس طرح اور کن ملازمین کیلئے خرچ کیے جاتے ہیں اسی کے ساتھ قمر الدولہ کی ایک عرضی عظیم جاہ کے نام ہے، کہ میجر کا اس طرح کا خط آیا ہے۔ اس پر عظیم جاہ نے بھی حکم دیا ہے کہ جو کچھ خرچ کرتے ہو اس کی تفصیل لکھو)

۱۴۔ اس عرضی میں مذکورہ بالا رقم کے خرچ کی تفصیل ہے۔ (نمبر ۱۳ - ۱۴ کو نمبر ۲ سے مقدم سمجھیں)۔

۱۵۔ منو سامی کرنم اور اَما سامی کرنم (جو بیگم پورہ میں رہتے تھے) عرضی دی ہے کہ وہ لوگ کب سے ملازم ہیں۔

۱۶۔ سیف الدولہ مرحوم (یعنی قیام الدولہ اور قمر الدولہ کے والد) کی ایک اور بیوی مہر النساء تھی۔ اس کی والدہ نے درخواست دی کہ وہ اپنی بیٹی کے ساتھ رہتی تھی۔ لیکن قمر الدولہ نے اپنی والدہ اور بہن کے ساتھ سازش کرکے مجھے مکان سے نکال دیا ہے بلکہ اپنی سوتیلی ماں مہر النساء کو بھی اپنا ہمخیال بنالیا ہے اور پولس کو بھی میرے نکالنے کے لیے بھیجا تھا۔ (اس عرضی پر سررشتۂ عدالت دیوانی کا حکم ہوا کہ قمر الدولہ سے کیفیت طلب کی جائے۔ قمر الدولہ نے کیفیت لکھی)

۱۷۔ اس کیفیت کو قمر الدولہ نے اس طرح بیان کیا ہے کہ میری سوتیلی ماں مہر النساء کا بھائی ہاشم علی بہت مقروض ہو گیا تھا اور مہر النساء مجھ سے اس قرض کے ادا کرنے کے لیے رقم مانگتی تھی۔ میری حقیقی والدہ نے بھی سفارش کی تھی تو میں نے سنکو کشنم سیٹھ سے قرض دلوا دیا تھا۔ لیکن ہاشم علی اس رقم کو واپس نہ کر سکا اور اس کی والدہ نے خواہ مخواہ مجھ پر بہتان لگا دیا کہ میں اسے مکان سے نکلوانا چاہتا ہوں۔

۱۸۔ خدیجہ بی نے نواب عظیم جاہ کو عرضی دی کہ سیف الملک نے مجھے پالا تھا اور میری شادی اپنے صاحبزادے سیف الدولہ سے کر دی تھی۔ پھر جب

Marfat.com

میں بیمار ہوئی تو میری حقیقی بہن نورس بیگم سے سیف الدولہ کا نکاح کر دیا گیا۔ لیکن سیف الدولہ نے وصیت کر دی تھی کہ دو سو روپیہ نورس بیگم کو ماہ کرے تھا جس میں سے ساٹھ روپے نورس بیگم کے ہوں گے۔ چالیس عبدالعلی کے۔ پچاس خدیجہ بی کے۔ پینتیس غلام رسول کے اور پندرہ بدرالدین کے ہوں گے۔ لیکن کمپنی نے اس وصیت کے مطابق عمل نہیں کیا اور نورس بیگم کو پچاسی روپے چار آنے دیئے گئے اور دوسروں کو محروم کر دیا گیا۔ یہ عرضی ۷ ارشوال ۱۲۴۹ھ کی ہے۔

(اس پر نواب عظیم جاہ کا حکم ہوا کہ قیام الدولہ اور قمرالدولہ سے دریافت کیا جائے۔)

۱۹۔ قیام الدولہ اور قمرالدولہ نے نواب عظیم جاہ کے حکم کے جواب میں یہ عرضی دی کہ عرضی نمبر ۱۸ کی پیش کرنے والی کا نام زوراں ہے اور وہ ذلیل قوم کی ہے۔ نیز یہ کہ جو کچھ اس نے لکھا ہے وہ محض دروغ و افترا ہے۔

۲۰۔ قمرالدولہ نے ۱۲ رمضان ۱۲۴۹ھ کو نواب بیگم صاحبہ (نواب عظیم جاہ کی بیگم) کو عرضی دی کہ میری دونوں بہنیں حاضر خدمت ہونا چاہتی ہیں لیکن کوئی جواب نہیں آیا۔

۲۱۔ ۷ صفر ۱۲۴۹ھ کو قمرالدولہ نے بطور یادداشت لکھا ہے کہ میرے بھائی قیام الدولہ نے عظیم جاہ کو درخواست دی ہے کہ وہ گورنمنٹ کو پہنچا دیں۔

۲۲۔ قمرالدولہ اپنی کسی چھوٹی بہن کی شادی کے سلسلے میں عظیم جاہ کو دعوت کے لیے کچھ رقم پیش کرتا ہے جس کا اس عرضی میں ذکر ہے۔

۲۳۔ اس عرضی میں قمرالدین اپنی بہن کی شادی کے لیے کچھ زیورات عاریتہً لینا چاہتا ہے

۲۴۔ منوسامی کرنم اور انا سامی کرنم کی عرضی تھی کہ وہ میرے والد مرحوم کے یہاں ملازم نہ تھے۔ محض غلط ہے۔ وہ یقیناً نوکر تھے اور اب بھی ہیں چنانچہ ان دونوں کو اب بھی تنخواہ ملا کرتی ہے۔

۲۵۔ قمرالدولہ نے عظیم جاہ کی بیگم صاحبہ کو اطلاع دی ہے کہ اس کی چھوٹی بہن کو رات سے درد زہ ہے۔

۲۶۔ میجر ہارجسن کا خط ہے کہ آپ نے جو عرضی حکومت کو براہِ راست بھیجی ہے وہ واپس کی جاتی ہے۔ قمرالدولہ کو چاہیے کہ وہ اپنے والد مرحوم کی پنشن اور ورثا کے متعلق جو کچھ کہنا چاہیں وہ گورنمنٹ ایجنٹ میجر ہارجسن اور نواب عظیم جاہ کے ذریعے کہیں۔

۲۷۔ اس خط میں بھی وہی کہا گیا ہے جو نمبر ۲۶ میں ہے۔

۲۸۔ یہ عرضی فارسی میں نواب عظیم جاہ کو دی گئی ہے اور عرضی نمبر ۲۹۔ ان کی بیگم کو اردو میں دی گئی ہے۔ تاریخ ۳۰ جمادی الاول ۱۲۵۲ھ ہے (قمرالدولہ کی سوتیلی ماں ممتاز بیگم کو ان کے بھائی تائید الدین عرف اکبر شاہ کے ذریعے سمجھایا گیا ہے لیکن وہ مطمئن نہیں)

۳۰۔ عرضی میں ہے کہ ممتاز بیگم نے جھگڑے کھڑے کر رکھے ہیں۔ انھیں سمجھایا جائے کہ جب تک والد مرحوم کا قرض ادا نہ ہو جائے وہ کسی طرح کا دخل نہ دیں۔ نواب صاحب رحمتِ مآب کے زمانے میں بھی ہمارے چچا حسام الدولہ نے جھگڑا کھڑا کر دیا تھا تو کورٹ نے ان کی پنشن موقوف کر دی تھی۔

۳۱/۳۲۔ دونوں اقرارنامے ہیں کہ قیام الدولہ اور قمرالدولہ اپنے والد مرحوم کا قرض ادا کریں گے۔

۳۳۔ عظیم جاہ کے نام عرضی ہے کہ حضور نے ممتاز بیگم کے جھگڑوں کی وجہ سے باغ کے لیے ایک داروغہ مقرر کر دیا تھا۔ وہ اب بیماری کی وجہ سے نہیں آتا۔ اس لیے پھر فسادات کھڑے ہو رہے ہیں۔ باغ کو اجارہ پر دے دیا جائے تو بہتر ہوگا۔ یہ عرضی ۲ ذی الحجہ ۱۲۵۲ھ کی ہے۔

۳۴ - عید الاضحیٰ ۱۲۵۴ھ سے پہلے یہ عرضی شرف الملک کی وساطت سے دی گئی تھی کہ قیام الدولہ اور قمر الدولہ کو بھی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا وہ حصّہ ملا کرے جو اُن کے دائد کو ملا کرتا تھا -

۳۵ - یہ ان دونوں بھائیوں کا اقرار نامہ ہے کہ حضرت امام حسین رض اور حضرت عباس رض کی جناب میں ہم اقرار کرتے ہیں کہ کمپنی سے ماہانہ زرِ سیاست پر جو اضافہ ہو گا وہ ایک سال کا اضافہ بلا عذر سیّد علی کو دے دیں گے - ۱۲ جمادی الآخر ۱۲۵۱ھ اس کی تاریخ ہے

۳۶ - نواب عظیم جاہ سے یہ عرض ہے کہ ۱۲۳۹ھ میں والد صاحب کے قرضخواہوں کے لیے جو فیصلہ ہوا تھا اس کی نقل مطلوب ہے - کیونکہ رتن بھارتی نے چودہ ہزار کا جعلی تمسک، باغ کو گروی رکھنے کے سلسلے میں تیار کر کے کورٹ میں پیش کیا ہے - نمبر ۲ بھی اسی طرح ہے اور یہ عرضی ۱۲۵۱ھ کی ہے -

۳۷ - نواب عظیم جاہ کے نام عرضی ہے کہ ہم دونوں بھائیوں کے پاس کورٹ سے نوٹس آیا ہے کہ باغ کے لیے داروغہ مقرر رہا تھا تو اس کے لیے شہادت چاہیے - ورنہ باغ سرکار میں چلا جائے گا اور تم لوگوں کا حق ختم ہو جائے گا - پھر عظیم جاہ کے پاس کورٹ سے اطلاع آئی کہ اس باغ کا نیلام ہو گیا ہے اور اب باغ کی آمدنی داروغہ رتن بھارتی کو دی جاتی ہے، ۱۲۵۴ھ کی یہ تحریر ہے -

۳۸ - نواب عظیم جاہ کے نام عرضی ہے کہ ۱۲۳۹ھ ہجری میں والد مرحوم کے قرض خواہوں کے متعلق جو فیصلہ ہوا تھا اُس کے مطابق قرض کی قسطیں ادا کی جا رہی ہیں - مگر رام بھارتی اور رتن بھارتی نے چودہ ہزار کا ایک جعلی تمسک باغ مسکونہ کو رہن رکھنے کے متعلق عدالت میں پیش کیا ہے -

۳۹ - شمس الدین احمد ولد مولوی قادر بخش جو عدالتِ عالیہ کا منشی تھا اس نے قیام الدولہ کی ضمانت لی ہے - یہ ۱۲۵۲ھ میں لی گئی تھی -

۴۰ - عظیم جاہ کے نام عرضی ہے کہ ممتاز بیگم اور نورس بیگم نے مقدمہ دائر کر دیا ہے - اس لیے عرض ہے کہ باغ کی آمدنی جو حضور کے پاس محفوظ ہے - کورٹ کے اخراجات کے لیے مرحمت فرمائیں -

۴۱ - یکم ربیع الآخر ۱۲۵۳ھ کی عرضی ہے کہ باغ کے داروغہ کو حکم دے دیا جاتے کہ ہم لوگوں کا حصہ پابندی سے دیا جایا کرے -

۴۲ - اس عرضی میں ہے کہ مہر النساء ہمارے جدِ امجد سیف الملک کے دو منزلہ مکان میں رہتی تھیں لیکن چار سال سے انھوں نے وہ مکان ہم لوگوں کو دے دیا تھا اور وہ ہماری حقیقی (چھوٹی) بہن امۃ النساء کے یہاں رہنے لگی تھیں - کل یعنی ۱۱ صفر ۱۲۵۳ھ کو ان کی ، زیارت ، (غالباً چہلم) کا دن تھا -

۴۳ - بعض لوگوں نے جو غلط دعوے کیے تھے اور سیف الدولہ مرحوم کی جائداد میں اپنا حق ثابت کرنے کی کوشش کی تھی، ان کی تردید میں یہ عرضی ۹ صفر ۱۲۵۳ھ کی ہے -

۴۴ - ۷ ربیع الاول ۱۲۵۲ھ کی یہ عرضی ہے کہ کچھ لوگوں نے ہمارے والد مرحوم کی جائداد میں حصّہ لینے کے لیے مقدمہ دائر کیا ہے - اس لیے عرض ہے کہ باغ کے محاصل میں سے رقم عنایت کی جائے تاکہ مقدمہ کی پیروی کی جا سکے اور قرضخواہوں کو بھی دیا جا سکے -

۴۵ - باغ کے مقدمے کی تفصیل ہے - ۲۴ صفر ۱۲۵۳ھ -

۴۶ - عرضی ہے کہ باغ کے داروغہ کو حکم ہو کہ وہ ہمارے مقدمے کے سلسلے میں شہادت کے لیے کورٹ میں آ جائے -

۴۷ - اربابِ عدالتِ محکمۂ عالیہ چاہتے ہیں کہ باغ کے محاصل کے لیے حضور حکم صادر فرما دیں - ۱۶ جمادی الآخر ۱۲۵۲ھ -

Marfat.com

۴۸ - اس خط میں عرض ہے کہ در ودخہ نے ہم لوگوں کے وکیل کے سامنے کل بیان دے دیا ہے کہ ممتاز بیگم کا کوئی تصرف مل باغ پر نہیں تھا۔

۴۹ - مہرالنساء کی والدہ فیض النساء کی عرضی ہے کہ مہرالنساء کے چہلم کے بعد اس کا متروکہ اسباب مجھے (فیض النساء) کو دے دیا جائے۔ نواب عظیم جاہ نے اس پر حکم دیا کہ قیام الدولہ سے دریافت کیا جائے۔

۵۰ - اوپر کی عرضی کے جواب میں قیام الدولہ نے کہا ہے کہ مرحومہ کا متروکہ اسباب حضور کے حکم کے مطابق محکمہ عالیہ میں پیش کر دیا گیا تھا لیکن حضور کا پھر کوئی حکم اس کے متعلق عدالت میں نہیں پہنچا۔ اس لیے وہ اسباب محکمہ عالیہ کے وکیل کے پاس رکھ دیا گیا ہے۔ اطلاع عرض ہے۔ یہ جواب ۱۱ شعبان ۱۲۵۳ھ کا ہے۔

۵۱ - مرحومہ مہرالنساء کی والدہ فیض النساء کی یہ عرضی ۱۱ ذی قعدہ ۱۲۵۳ھ کی ہے کہ مرحومہ کا اسباب قیام الدولہ وغیرہ مکان سے نکال کر لے گئے ہیں وہ واپس دلایا جائے۔ (اس پر حکم ہوا کہ مدعی علیہم سے دریافت کیا جائے۔)

۵۲ - باغ کو اجارہ پر دینے کے لیے قیام الدولہ اور قمرالدولہ نے درخواست کی ہے۔ (حکم ہوا کہ اگر معتبر آدمی مل جائے تو باغ کو اجارہ پر دیا جا سکتا ہے۔)

۵۳ - باغ کو اجارہ پر دینے کے لیے معتبر آدمی کی تصدیق ان دونوں بھائیوں نے کی ہے۔

۵۴ - کرنل والکوپ، گورنمنٹ ایجنٹ (جو غالباً جسٹس کے بعد مقرر ہوا ہوگا) نے ان بھائیوں سے سیف الملک مرحوم کے وارثوں کی عرضیوں اور پنشن کا احوال پوچھا ہے۔ یہ خط ۲۹ مارچ ۱۸۳۶ء کا لکھا ہوا ہے۔

اسی خط کے جواب میں ان بھائیوں نے لکھا ہے کہ ہم لوگوں کے مؤکل حسام الملک وغیرہ کو دربار بہت دیر میں پہنچتا ہے کیونکہ انگریزی مہینے کی بیس تاریخ تک ہم کو ملا کرتا ہے۔ اس لیے ہم سب کی درخواست ہے کہ انگریزی مہینے کی پہلی دوسری تاریخ تک مل جایا کرے۔

۵۵ - شیخ عبداللہ اور شیخ میرن جو سیف الدولہ مرحوم کے پرانے ملازم ہیں انہوں نے درخواست دی ہے کہ انھیں مرحوم کے یہاں سے پانچ سال کی تنخواہ نہیں ملی تھی۔ وہ دی جائے۔

۵۶ - ان بھائیوں نے عرضی نمبر ۵۵ کے جواب میں کہا ہے کہ وہ دونوں شخص ہمارے والد مرحوم کے ملازم نہیں تھے۔ انہوں نے غلط دعویٰ کیا ہے۔

۵۷ - عرضی نمبر ۵۵ پر گورنمنٹ ایجنٹ کا جو حکم انگریزی میں تھا اس کا مطلب نواب عظیم جاہ کو یہاں فارسی میں پیش کیا گیا ہے۔

۵۸ - اوپر کی عرضی کے ساتھ ہی گورنمنٹ ایجنٹ کا یہ خط بھی ہے کہ جو لوگ سیف الدولہ مرحوم کے تعلق کے بتائے گئے ہیں۔ ان میں سے کتنے ایسے ہیں جو فوت ہو چکے ہیں یا کہیں جا چکے ہیں۔ ان سب کی فہرست دی جائے اور ۱۲۳۱ھ سے جو روپیہ دیا جا رہا ہے۔ اس کی تقسیم بتائی جائے۔

۵۹ - ان دونوں بھائیوں کی درخواست ہے کہ ان کے والد مرحوم کے تمام قرض کے حساب کی تفصیل شروع رجب ۱۲۳۹ھ سے ۲۲ محرم ۱۲۴۷ھ تک کی عنایت فرمادی جائے کیونکہ ان کے باغ کا نیلام ہو چکا ہے اور اب وہ کورٹ میں قرض کے متعلق رجوع کرنے والے ہیں۔

۶۰ - نواب عظیم جاہ کو ۲۴ ذی الحجہ ۱۲۵۳ھ کو اطلاع دی ہے کہ رتن بھارتی کے جعلی تمسک (باغ کے گرو رکھنے کے متعلق) کی حقیقت کھل گئی ہے اس لیے شریعت (عدالت) نے نورس بیگم کے مکان پر مہر لگا دی ہے اور وہ باغ کے بڑے دروازے سے آکر ممتاز بیگم کے مکان پر بھی مہر لگانا چاہتا تھا تو ہم لوگوں نے روک دیا ہے کہ یہ ہمارا مکان ہے۔

٦١ - یہ عرضی ۲۰ محرم ۱۲۵۵ھ کی ہے کہ بعض کنیزوں اور ملازموں کے فوت ہو جانے سے (نمبر ۵۸ کے تحت) ہماری رقم کم کر دی گئی ہے ایسا نہ ہونا چاہیے۔

یہ ہے مختصر تعارف ان تمام عرضیوں اور یادداشتوں کا۔ تفصیل خود ان کی نقول میں مل سکے گی۔ بیاض کے آخر میں چند اندراجات ہیں جو اسی خاندان کے کسی فرد نے بعد میں شامل کیے ہوں گے وہ یہ ہیں۔

انتقال قبلہ گاہی مرحوم - روز چہارشنبہ بتاریخ ۲۷ ربیع الثانی بوقت دوازدہ و نیم ساعت شب پنج شنبہ رحلت نمود و دفن روز پنج شنبہ بوقت یک ساعت نمود - تاریخ دفن ۲۸ ربیع الثانی ۱۲۹۲ھ۔

انتقال امۃ الزینب بیگم - دوم شعبان روز پنج شنبہ بوقت یک ساعت شب جمعہ - دفن روز جمعہ سوم ماہ شعبان بوقت یازدہ ساعت روز - ۱۲۹۵ھ

انتقال وزیر النساء بیگم - شانزدہم جمادی الاول ۱۳۰۳ھ روز یک شنبہ - مطابق ۲۱ فروری ۱۸۸۶ء - بوقت دو و نیم ساعت روز انتقال نمود۔

انتقال ماما باورچی ۲۲ ماہ ذی قعد ۱۳۰۶ھ روز شنبہ - بوقت ہشت ساعت شب - روز یک شنبہ بوقت دوازدہ ساعت روز دفن شد۔

یعنی ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء تک یہ بیاض اس خاندان میں رہی اور اسکے بعد اس خاندان کا حال بھی وہی ہوا ہوگا جو سب کا ہونا ہے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ،

اب اس بیاض کے تمام خطوط، عرضیوں اور یادداشتوں کی نقل پیش کی جاتی ہے:-

(۱)

اپل کورٹ سے شریف کو حکم یہ ہے کہ وہ قیام الدولہ اور قمر الدولہ فرزندان اور ممتاز بیگم زوجہ جو وارثان ہیں نواب سیف الدولہ بہادر مرحوم کے اور جملہ مسلمان باشندے ہیں مدراس کے سوا انکو حکم کرے حاضر ہونے چہارشنبہ کو روز تیسری تاریخ کو جون کے سنہ۔ عدالت گاہ سوپریم کورٹ میں بشرطیکہ وہ پلٹتے جاویں مدراس میں جواب دینے ایک مقدمہ کا جو فرانسس پریرا اور انتونی پریرا وارثان پریرا انتونی کے رجوع کیے ہیں ہماری کورٹ میں وصول کرنے انکے ایک لاکھ روپے۔

(۲)

هوالكريم

صاحب مشفق شفیق قدردان توجہ و نوازش فرمائے نیاز منداں و عنایت فرمائے بیکراں سلمہ الرحمان خط آں توجہ فرما مرقوم چہارم ستمبر ۱۸۳۲ سنہ عیسویہ متضمن حساب اخراجات دو صد و پانزدہ روپیہ و شش آنہ موصول گردیدہ بود - لہٰذا فہرست اخراجات مرسول است از ملاحظہ آں کماہو کیفیتاً اخراجات

---

[1] یعنی ۱۸۸۹ء

Marfat.com

نیکو روشن خواهد شد. شفیقِ من! اندر زمانِ والد مرحوم همین کارخانه را حسابش مرسلِ خدمت است مبلغ خطیر مصروف می شد و بعد انتقال قبله گاهی از خزانهٔ کمپنی جهت ایفائے کارخانهٔ قبله گاهی بهر یک ما از هر دو برادر دو صد پانزده روپیه و شش آنه مقرر شده ما هر دو برادر از گنجائش بسیار و از تخفیف بیشمار نصف کارخانهٔ قبله گاهی را به نیازمند و نصف کارخانه را به برادرم جاری داشته اند باوجود این قدر تخفیفات از طرف نیازمند سه صد روپیه و از طرف برادرم سه صد روپیه مصروف کارخانهٔ قبله گاهی میشود و برائے خرچه روزمرهٔ ضروری این نیازمند و قبیلِ نیازمند یک صد و هفتاد روپیه که مقرر است بکمال تصدیع و عسرت گذران می شود حتیٰ که سواری نیلام و عند الضرورت بکرایه کار روائی میکنم. شفیقا! بر بایان لازم است که اهلِ استحقاق قبله گاهی را بهر صورت معاش برسانیم چنانچه میرسانیم و کسانیکه از لازمین قبله گاهی قابل نوکر هستند نوکری هم گرفته میشود لاکن وقتیکه در معاش این نیازمند و برادرم قیام الدوله بهادر بتفصیل واقع شد لهذا چند معاسید که بالکل استحقاق نمیدارند بر این نیازمند و برادرم عرائض استغاثه بار بار در گورنمنٹ میگذارند و تصدیع میدهند چنانچه همی مردمان در زمانِ ایجنٹ صاحبانِ سابق عرائض کثیره گذرانیده بودند و صاحبانِ موصوف نواب صاحب مدظله العالی را از استغاثه ها بنابر دریافت اطلاع کردند.

چنانچه نواب صاحب مدظله العالی نیز از ما حساب طلبیده ملاحظه فرموده اند چون استغاثه آنها نامسموع و باطل بود هیچ جا مسموع نشد. حالا نیز بخدمت آن شفیق گذرانیده باشند. بفضله این نیازمندان به توجه گستر توقع دارند که بپاس عزتِ قبله گاهی پیوسته عزت این نیازمندان منظور خواهند داشت. مشفقا! ما هر دو برادر را لازم و منظور است که بسبیل ادائے اقراض قبله گاهی نیز نمائیم و این را دو وجه است. یکے اینکه حقوق مرحوم از ذمهٔ قبله گاهی ساقط شود. وجه ثانی اینکه باغ مسکونه و مملوکه ما یان که از قدیم الایام سکونت گاه جدّم نواب سیف الملک بهادر مرحوم است از فروخته شدن امن باید نزا. گورنمنٹ نیز در زمانِ ماضیه فروخته شدنش را گوارا نداشته اند. چنانچه نظر بپاس عزت جدم سیف الملک بهادر مرحوم و حسب درخواست قبله گاهی مبلغ شصت هزار روپیه از خزانهٔ کمپنی داد این باغ ما که از حکم سوپریم کورٹ هراج شده بود از فروخته شدن امن رهانیده اند. اگر حالا بنابر قرض قلیلے فروخته شود باعث کمال بدنامی و تباهی خانه بدوشی نیازمندان است اگرچه باغ هم محاصل قریب سه صد روپیه دارد. اگر از این محاصل فهمائش قرضخواها نشود. ما هر دو برادران را لازم است که از این معاش اعانت در اعانتِ اقراض قبله گاهی نمائیم تا از بدنامی و تباهی و خانه بدوشی بفضله مامون و مصئون باشیم. چونکه عنایات نواب صاحب مدظله العالی پیوسته بر حالِ نیازمندان مبذول است لهذا تا حال قرض خواهان را از سرکار فهمائش مے شود و نیازمندان از نکارش قرض خواهان محفوظ هستیم. زیاده چه التماس نماید.

مرقوم بست و هفتم ربیع الثانی ۱۲۴۹ سنه هجری

مهر قمر الدوله

القاب بر لفافه: بخدمت فیض درجت صاحب مشفق شفیق قدردان توجه و نوازش بیکران و عنایت فرمائے نیازمندان میجر هاجسن صاحب بهادر گورنمنٹ ایجنٹ سلمه الرحمان مشرف باد (بطور خط نصف سطور راست و نصف سطور چلیپا باید نوشت)

(۴۳)

بسم الله الرحمٰن الرحیم

نقل عرضی والده بیگم صاحبه که بتاریخ ششم جمادی الاول ۱۲۴۹ سنه هجری قدسی بحضور نواب ناظم جاه بهادر گذرانیده بود. است کنیز از بابت شادیِ دختران سابق در حضور پُر نور گذرانیده بود. امر عالی صادر شد که شادی بکنند و از سرکار نیز عنایات خداوندی مبذول خواهد شد.

ل MAJOR H.P. HODGSON

Marfat.com

از فضل وکرم خداوندی امیدوار است که اگر حکم حضور بشود بفضله بتاریخ پانزدہم ماه حال شروع می نماید و امیدوار است بی بیان را نیز حکم صادر شود که ادائے رسومات نمایند و امیدوار است که رسم چتر و سہرا بستن در حضور عالی بشود که باعث افتخار و عزت است عرض بگرر کنیز از ترحم خداوندی است که بعد از انصرام شادی برائے گذران کنیز زادی مکانے نیست و متصل خانہ کنیز یک مکان سنالی بسیار شکستہ در یختہ حصے که دیوار سایہ ہم ندارد و شود موشی خانہ خالی افتادہ است از حکم مطاع برائے فرود آوردن کنیز زادی بعد از شادی عزّ ورود یابد کنیز مرمت کردہ فرود خواہد آورد زیادہ حد ادب ۔ عرضی ۔

کنیز جمعیت النساء بملاحظہ عالی جناب مدظلہ

(۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقل عرضی والدہ بیگم صاحبہ مرقوم ششم جمادی الاول ۱۲۴۶ھ ہجری قدسی بجہت گذرانیدن نواب بیگم صاحبہ قبلہ دگذرانیدہ شد

باندی فضل وکرم سے امیدوار ہو کر عرض کرتی ہے کہ اگر حکم حضور ہو تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے چھوٹی باندی کی شادی پندرھویں تاریخ کو اسی مہینہ کی شروع کرتے ہیں اور امیدوار فضل وکرم کے یہہ ہے کہ بی بیان کو واسطے ادائے رسومات شادی کے حکم ہو تو سرفرازی ہے ۔ زیادہ حد ادب ۔

عرضی کنیز جمعیت النساء ۔

در جواب عرضی نواب عظیم جاہ بہادر چنین ارشاد فرمودند که از فحوائیش معلوم گردید که ہمگی مرضیات در معرض قبول آمد و در باب بی بیان فرمودند که بکسے که آشنائی نباشد و حرمات شان پذیرفتنی این جانب مناسب نیست ۔۔۔۔ نواب بیگم صاحبہ در جواب عرضی فرمودند که سابق در شادی شما کدام بی بیان آمدہ بودند از آن اطلاع نمایند با آنہا تاکید خواہد شد تا که در آنجا بیایند ۔

(۵)

ھو الکریم

صاحب مشفق شفیق قدردان توجہ و نوازش فرمائے نیازمندان و عنایت فرمائے بیکران سلمہ الرحمان

از آنجا که اہم مطالب نیازمند و خوشنودی گورنران کونسل و آن شفیق در ہمیں است که ادائے قرض قبلہ گاہی بآسانی شود تباہی و پریشانی از خانہ بدوشی بسبب قرضداری قبلہ گاہی بحال نیازمند وغیرہ عاید نشود زیرا که گورنران کونسل را نیز لحاظ پاس عزت جدم سیف الملک بہادر مرحوم از خزانہ کمپنی نذر لعقد مبلغ شصت ہزار روپیہ بعتہ منخواہان دادہ قبلہ گاہی را از تباہی محفوظ داشتند و دریں اوقات سبیل ادائے قرض قبلہ گاہی بجز تخفیف اخراجات صورتے نمی بند و لہذا بخدمت آن شفیق التماس این دارم که برخود تصدیع گوارا نمودہ از کل اخراجات تخفیف دادہ بقدر منخواہان قبلہ گاہی اقساط مقرر نمایم تا که قرض گاہے از ذمہ قبلہ گاہی ساقط شود و تباہی و پریشانی بحال نیازمند وغیرہ نرسد بفضلہ پیوستہ از گورنران کونسل و آن شفیق ہمی توقع و التماس دارم که بپاس عزت جدم سیف الملک بہادر مرحوم و قبلہ گاہی سیف الدولہ مرحوم عزت این نیازمند در ہر امر منظور خواہند داشت زیادہ حد التماس نمایند مرقوم پنجم رجب المرجب ۱۲۴۹ھ ہجری ۔

مہر قمر الدولہ

القاب بر لفافہ : بفضلہ بخدمت فیض درجت صاحب مشفق شفیق قدردان توجہ و نوازش فرمائے بیکران و عنایت فرمائے نیازمندان میجر ہاد جسن صاحب بہادر گورنمنٹ ایجنٹ سلمہ الرحمان ۔ مشرف باد

هوالکریم

(۶)

آداب تسلیمات بجا آورده معروض میداریم محمد تتهر داروغه سرکار که بر باغ گلاب متعین بودند در آن زمان بیکے شیخ حیدر نامی یازده کانی زمین را اجاره داده بودند حالا نامبرده شریف الدین سازش کرده بحیله اجاره دادن محمد تتهر از غلامان تمردی می نماید میگوید که از شما اجاره نگرفته ام لهذا امیدوار افضال خداوندی که پیوسته مبذول حال غلامانست هستیم بفضله تعالی حکم حضور پُر نور بمحمد تتهر شرف صدور باید که بموجب قرار نامه اجاره دار اجاره را که بنام ایشان است بردارند و غلامه محلکه اجاره دار مطوف است بر وقتیکه بخواهند اجاره را بر دارند زیاده ــ بست و نهم رجب ۱۲۵۵ھ هجری

(۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلامان آداب و تسلیمات بجا آورده معروض حضور پُر نور میداریم سمن سوپریم کورٹ بابت مقدمه قرض مورلی داس مرقوم پنجم فروری ۱۸۳۲ء عیسوی موسومه با غلامان وغیره بتاریخ هفتم مارچ ۱۸۳۲ء مطابق چهاردهم شوال ۱۲۴۷ھ هجری معه یک قطعه حکم نامه که در آن مرقوم است اگر در عرصه چهار معه از تاریخ رسیدن این کاغذ مدعی علیه حاضر شده جواب ندهند درین مقدمه فیصله داده خواهد شد، از حضور پُر نور بغلامان موصول شده عالم پدر را کیفیت متروکات و قرضداری و جمیع الواب کلی و جزوی ما غلامان بملازمان حضور پُر نور بخوبی روشن است. لهذا غلامان امیدوار هستیم که درین مقدمه جوابدهی آنچیکه مناسب برائے ملازمان حضور پُر نور اقتضا نماید بیان در حق غلامان بهبود و موجب سرفرازی است زیاده حد ادب معروضه ۱۷ شوال ۱۲۴۷ھ هجری

غلامان

قمرالدوله بهادر انور جنگ ۱۲۳۳	حسام الدوله ۱۲۳۳

سر لفافه: انشاء اللہ تعالیٰ - این عرضی در حضور پُر نور بندگان عالی متعالی نواب امیرالهند والا جاه نواب عظیم جاه بهادر مدظله العالی بگذرد -

(۸)

کنیز آداب تسلیمات بجا آورده معروض حضور پُر نور میدارد نجم النساء عرف بخو بی بی دختر نصیرالملک بهادر مرحوم بعد از شادی در ماه نهم حمل بنفتم با هم شده پسر مرده دو روز در شکم داشته روز سوم زائیده انتقال نموده زیاده حد ادب - معروضه ۲۳ محرم ۱۲۴۹ھ

عرضی - کنیز جمعیت النساء بیگم -

(۹)

صاحب مشفق شفیق قدردان توجه و نوازش فرمائے نیازمندان و عنایت فرمائے بیکران سلمه اللہ تعالیٰ -

از آنجا همگی همت ارباب حکومت پیوسته بر عافیت و آسودگی عالم و عالمیان مصروف سیما بر خاندان نواب والاجاه جنت آرامگاه با نواع عنایات بے غایت بقدر مراتب نظر عزت بر احوال هریک مبذول میدارند بعد انتقال والد مرحوم یعنی سیف الدوله بهادر پنشن را بنام هریک علیحده علیحده بر فیلی والد مرحوم بنابر دفع فتنه و فساد مقرر فرمودند و بنام این نیازمند برائے پرورش متعلقان در فواتح و رسوم سالیانه وغیره سه صد و هشتاد و پنج روپیه و شش آنه مقرر و جاری فرمودند و درین معاش قلیل این نیازمند بر خود تصدیع کشیده قریب صد کس از مرد و زن پرورش می نماید و فواتح و رسوم وغیره را ادا میکند

درینولا بسمع این نیازمند رسید که برادرم قیام الدوله بهادر بگورنر صاحب عرض گزرانیده اند که جمله رسیدات فیملی والد مرحوم را یکجا نموده بنام خود نمایند و خود را مشارالیه سازند چنانچه بعد انتقال والد مرحوم برائے مشارالیه شدن خود عرضی گزرانیده بود - این معنے را ارباب کونسل بنابر مصلحت در رفع فساد و فتنه قبول نفرموده بنام هر یک علیحده پنشن مقرر فرمودند حالا این نیازمند بخدمت فیض درجت چیف سکتر صاحب التماس دارم در حق این نیازمند و سائر اهل فیمل علیحده علیحده بودن رسید اولیٰ وانسب است این نیازمند و هیچ یک از ورثائے والد مرحوم بر یک شدن رسید و مشارالیه شدن برادرم قیام الدوله بهادر راضی نیستند و التماس ثانی این دارم آنچه که از پنشن والد مرحوم در سرکار تخفیف یافته است از منجمله آن چیزے بر پنشن این نیازمند اضافه شود تا که این نیازمند مع متعلقان بفارغ البال گزرادقات نماید زیاده حد التماس نماید -

عرضی عمدة الدوله - شانزدهم صفر ۱۲۴۹ھ

برلفافه : بخدمت فیض درجت مشفق شفیق قدردان توجه و نوازش فرمائے بیکران و عنایت فرمائے نیازمندان مسٹر شامپر صاحب چیف سیکرٹری مدظله

(۱۰)

القاب گورنر صاحب اندرون خط

نواب صاحب فیاض زمان فیض بخش فیض رسان نوازش فرمائے نیازمندان و عنایت فرمائے بیکران دام دولتهم -

از انجا همگی همت ارباب حکومت پیوسته برخاست و آسودگی عالم و عالمیان مصروف سیما بر خاندان نواب والاجاه جنت آرامگاه بانواع عنایات بے نهایت بمقدار مراتب نظر عزت بر احوال هر یک مبذول میدارند بعد انتقال والد مرحوم یعنی سیف الدوله بهادر مرحوم پنشن را بنام هر یک علیحده علیحده بر فیملی والد مرحوم بنابر رفع فتنه و فساد مقرر فرمودند و بنام این نیازمند برائے پرورش متعلقان و فواتح و رسوم سالیانه وغیره سه صد و هشتاد و پنج روپیه و شش آنه مقرر و جاری فرمودند ازین معاش قلیل این نیازمند بر خود تکلیف کشیده قریب صد کس از مرد و زن پرورش می نماید و فواتح و رسوم وغیره ادا می کند تا حال از افضال ایزد متعال همه کارخانه جات والد مرحوم بازیادتی اخراجات مقرره جاری اند و نصف اخراجات مذکوره بطرف این نیازمند و نصف بطرف قیام الدوله بهادر است - درینولا بسمع این نیازمند رسید که برادرم قیام الدوله بهادر به گورنر کونسل عرضی گزرانیده اند که جمله رسیدات فیملی والد مرحوم را یکجا نموده بنام خود نمایند و خود را مشارالیه سازند چنانچه بعد انتقال والد مرحوم برائے مشارالیه شدن خود عرضی گذرانیده بودند این معنی را ارباب کونسل بنابر مصلحت در رفع فتنه و فساد قبول نفرموده بنام هر یک علیحده پنشن مقرر فرمودند - حالا این نیازمند بخدمت فیض درجت آں شفیق التماس دارد که در حق این نیازمند و سایر اهل فیملی علیحده علیحده بودن رسید اولیٰ وانسب است این نیازمند و کسے از ورثائے والد مرحوم هر یک شدن رسید و مشارالیه شدن برادرم قیام الدوله بهادر راضی نیستند و التماس ثانی این دارم آنچه که از پنشن والد مرحوم در سرکار کمپنی تخفیف یافته است از منجمله آں چیزے به پنشن این نیازمند اضافه شود تا که این نیازمند مع متعلقان بفارغ البالی گزرادقات نماید - زیاده حد التماس نماید - مرقوم هفتدهم صفر ۱۲۴۹ھ هجری (بتاریخ نوزدهم شهر مذکور به گورنر صاحب مرسول گردید -)

برلفافه : بخدمت فیض درجت، نواب صاحب فیاض زمان فیض بخش فیض رسان قدردان نوازش فرمائے نیازمندان عنایت فرمائے بے کران رائٹ آنرایبل سر فریڈرک آدم بهادر گورنر ان کونسل دام دولتهم مشرف باد - در خریطه نالش در ایجنٹ هم خطے بهمین عبارت و مضمون و ترقیم در وصول عبارت صدر لیکن القاب اندرون خط و بر بالائے لفافه بالقاب شامپر مطابق و موافق است و خریطه مع خط ایشاں ... است و نام ایشاں بحرجرو حسن صاحب

ؔ LIEUT. GENERAL SIX FREDERICK ADAM, K.C.B. ۱۸۳۲ء سے ۱۸۳۶ء تک مدراس کا گورنر تھا۔

بهادر گورنمنٹ ایجنٹ است ۔)

(برادرم از گورنمنٹ بوساطت سرکار نواب عظیم جاه بهادر درخواست کرده بودند که مثل قبله گاہی مرحوم تمام وکمال پنشن بنام خود شود ۱۲ خلاصه مضمون خط جواب درخواست برادرم از وساطت نواب صاحب اینست ۔

مطالب فقرهٔ منت تجویز مرقومہ نہم جولائی ۱۸۳۳ء بخمانید که بر خطوط ذیل مرقوم ۔ جولائی ۱۸۳۳ء ریت ہاربل کونسل قرار میدہند که تبدیل آں ہیچ ضرورت نیست ۔)

(۱۱)

مسودہ عرضی مرسلہ حضور نواب بیگم صاحبه بتاریخ دویم ذالحجہ ۱۲۴۷ھ ہجری

غلامان خانہ زادان آداب وتسلیمات بجالاکر حضور عالیہ میں عرض کرتے ہیں ۔ الحمد للہ رب العالمین کہ غلامان آج یاد فرماکر اگموہ عنایت کرنے کے سبب سے بہت سرفراز ہوکر سجدہ شکر بجالاتے ۔ اللہ تعالیٰ حضور کے سایہ کو غلامان کے سر پر ایک سو پچیس برس ہمیشہ رکھے کہ حضور کے سواتے غلامان کو کوئی وسیلہ نہیں ہے ۔ زیادہ حدِ ادب ۔

عرضی : غلامان قیام الدولہ وقمر الدولہ

(۱۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کنیز آداب تسلیمات بجا آوردہ معروض حضور فیض گنجور میدارد دو دختران ایں کنیز از سن شادی تجاوز نمودہ اند وایں کنیز مقدور شادی ایشاں ندارد ۔ او سبحانہ تعالےٰ ذات بندگان عالی متعالی مدظلہٗ العالی را وسیله ایں کنیز و اولاد ایں کنیز فرمودہ لہٰذا امیدوار فضل وکرم خداوندی آں دار دیمچنانکه محض از عنایت بندگان عالی رسم مناکحت ایشاں بر آستانہ دولت فیض نشاں بوقوع آید ایں دو کنیز را در زمرهٔ کنیزاں داخل فرمودہ از عنایات سرکار فیض آثار رسم شادی ایشاں نیز بدولت بظہور انجامد ۔ ۔ از ینکہ ارباب عدالت برائے ادائے قرض مرحوم از بابت دری باغ وغیرہ در محکمہ عالیہ امانت داشتہ انداز عنایات خداوندی اگر از اں مبلغ برائے ادائے رسوم شادی ایں دو کنیز شود مستحسن است ۔ باز انچہ ارشاد عالی دریں باب شود ہماں اعلیٰ و انسب است زیادہ حدِ ادب ۔ گذرانیدہ شد برائے عظیم جاه بهادر مدظلہٗ العالی بتاریخ نہم ربیع الثانی ۱۲۴۸ھ ۔

عرضی ۔ کنیز جمعیت النساء

جواب برایں عرضی صادر شد : باید که شما کارروائی کنند ۔ انچیکه از سرکار امانت شده باشد خواهد شد

(۱۳)

صاحب مشفق مهربان کرم فرمائے بیکیاں سلمہٗ اللہ تعالےٰ

عرائض متعدد از مردم ملائکہ وملازمین سیف الدولہ مرحوم بایں جانب میرسند ۔ از التماس اینها معلوم می شد که اینها مستحق حصه مبلغ دو صد پانزدہ روپیہ و شش آنہ که از سرکار برائے رسوم فواتح سیف الدولہ و برائے پرورش ملازمین مرحوم موصوف معین است ہستند ۔ لہٰذا درخواست ایں جانب اینست که آں صاحب بمجرد مطالعہ رقیمہ ہذا اطلاع خواہند نمود که مبلغ دو صد و پانزدہ روپیہ و شش آنہ ماہوار چگونہ خرچ می شود و چہ قدر ازاں برائے رسوم فاتحہ خرچ میگردد و چہ قدر برائے پرورش ملازمین معروف می شود کدام کدام کس ملازمین ازاں پرورش می شوند و ہر یک ازاں چہ قدر

ماہواری یابندی شاید کہ ہر سہ رقم مرقوم الصدر مشرح و مفاد تفصیل وار برائے اطلاع این جانب بزنگارند۔ زیادہ چہ بطرازد۔ مرقوم ۱۴ ستمبر ۱۸۴۲ء

میجر بادجسن بہادر گورنمنٹ ایجنٹ۔

عبارت سر نامہ این خط این است: بفضلہ تعالیٰ شانہٗ، صاحب مشفق مہربان توجہ فرمائے بیکراں قمر الدولہ بہادر سلمہ اللہ تعالیٰ موصول باد۔

قمر الدولہ کے نام جب میجر بادجسن کا یہ خط آیا تو اس نے (قمر الدولہ نے) نواب عظیم جاہ کو یہ عرضی لکھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - عرضی بجناب عظیم جاہ بہادر بتاریخ بجدہم ربیع الثانی ۱۲۴۹ھ ہجری گزرانیدہ شد باین عبارت:۔

آداب تسلیمات بجا آوردہ معروض حضورِ پُر نور میدارد۔

دیروز از گورنمنٹ ایجنٹ خطے متضمن درخواست فہرست اخراجات دو صد و پانزدہ روپیہ و شش آنہ کہ داخل درماہہ غلام است بنام غلام صادر گشت جہاں پناہا! او سبحانہٗ تعالیٰ شانہٗ، حضورِ پُر نور را پناہ و وسیلۂ غلام خانہ زاد ساختہ است لہٰذا امیدوار است کہ دریں باب ہر چہ حکم جہاں مطاع شرف نفاذ یابد بعمل خواہد آورد۔ زیادہ حد ادب۔ عرضی - غلام - قمر الدولہ

از حضور در جواب عرضی ہذا زبانی ارشاد شد کہ شما ہر چہ خرچ می کنید بگذرانید)

(۱۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلامان آداب تسلیمات بجا آوردہ معروض میداریم دشمنان غلامان گوناگوں فسادہا کردہ اند و می نمایند بحضور پُر نور ظاہر است بفضلہ تعالیٰ شانہٗ، درامان خداوندی ما غلامان ہستند و الا تا حال ذلیل و بے نشان گردیدہ بودند امید از و سبحانہٗ تعالیٰ آنداریم کہ پیوستہ در ترحم خداوندی از فساد معاندین محفوظ و مصئون بودہ مثل سایر غلامانِ حضورِ پُر نور در ہم چشماں معزز و مکرم خواہند بود۔ حکم حضورِ پُر نور در باب پرسانیدن فہرست ملازمین و اخراجات در سرکار صادر شد۔ جہاں پناہا! فہرست ملازمین قبلہ گاہی در دفتر قبلہ گاہی در محکمہ موجود است اگر از انجا طلب شود دعویٰ کاذبہ مفاسدین بر ملازمینِ قبلہ گاہی غلامان ظاہر خواہد شد۔ جہاں پناہا! بعد انتقالِ قبلہ گاہی امیر نواز جنگ بہادر ہمہ ملازمین قبلہ گاہی را برطرفی شنوانیدند۔ دراں وقت بعضے مردماں را والدہ ہائے بسیار غلاماں یعنی ممتاز بیگم و نورس النسا پیش خود نوکر داشتند۔ تتمہ ہمہ ملازمین را ما غلامان نوکر داشتند۔ بعضے ازاں بلا نوکری معاش از غلاماں می یابند و بعضے آنہا در عوض نوکری معاش می یابند۔ ہرگاہ فہرست اینہا بحضور رسانند پس امید ہیم کہ بیشی از غلاماں نخواہند داشت مامورات غلاماں معطل نخواہند شد۔ دریں باب غلاماں اُمیدوار سرفرازی ہستند و فہرست حاضر است۔ زیادہ حد ادب مرقوم بست و ششم محرم الحرام ۱۲۴۸ھ

عرضی - غلامان قیام الدولہ و قمر الدولہ۔

(۱۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آداب تسلیمات بجا آوردہ بعرض باریاباں حضورِ پُر نور میرسانند کہ آبا و اجدادِ غلامان نوکرِ سرکار والا جاہ جنت آرامگاہ متینہ سیف الملک مرحوم و غلامان ہمان نوکری تا انتقالِ سیف الدولہ بخیر خواہی مامور بودہ جہت پنشن در گورنمنٹ ستغاثی شدہ و تصدیق حضور حیثیت پرورش

نوکران مبلغ چهار صد دس روپیہ و دوازدہ آنہ در رسید قیام الدولہ و قمر الدولہ می گردید و بہ غلاماں می رسید۔ از بعد واقف کارے غلاماں را۔۔ صاحب بہت تحصیل زر بیگم پورہ نوکر گذاشتہ از درماہہ معہودے از تحصیل بیگم پورہ مذکور جہت ادائے قرض آنہا بفرخت می رود و پرورش ما غلاماں دشوار۔ آنزا کہ وقت گم گرفتن اظہار غلاماں بخدمت شرف الملک بہادر۔۔ جنگ بہادر کہ سابق عرضی احوال غلاماں نوشتہ گزرانیدہ اند ازاں مہربان جناب شدہ باشد۔ امیدوار ازراہ خداوندی غلاماں زر مبلغ پنشن وزر تصدق حضور سرفراز بدعا، از دیاد عمر و دولت مشغول باشد۔ زیادہ حد ادب

عرضی : غلاماں منو سامی کرنم و اُما سامی کرنم۔ بیگم پورہ علاقہ سیف الدولہ مرحوم نہم ذالحجہ ۱۲۴۳ھ ہجری

حکم صادر شد کہ از برائے پنشن حال دریافت شود۔

(۱۶)

کنیز بعد از ادائے آداب و تسلیمات بعرض معلا میرساند کہ کنیز از قدیم الایام در خانہ دختر خود مہر النساء زوجہ سیف الدولہ بہادر سکنت داشتہ بجمیع وجوہ بر محافظت است۔ قمر الدولہ از یک سال مہر و رسیدش در علاقہ خود داشتہ قابض و متصرف درماہہ وغیرہ شدہ مقروض کنانیدہ علاوہ از چند روز در خانہ ہمشیر خود آمد بالحاح و اقسام در غلانیدہ مے خواہد کہ کنیز را از خانہ بدر کند و مزاج دخترم ہم برآں آوردہ است۔ کنیز موجب قباحت دانستہ ہر چند متعرض میشود کہ خانہ را گذاشتہ در جائے دیگر بودن خیلے انگشت نمائی و بدنامیست۔ زیرا کہ ازاں جوانب در حق شما چہار سالکے نوع رسیدہ بود۔ معلوم باشہم پذیرا شدہ کہ بایمائے قمر الدولہ پیادگان جہتہ اخراج کنیز رسیدہ بودند۔ عالم پر درا۔ کنیز دریں پیرانہ سالی کجا رود و در بدر شود۔ لہٰذا بعرض حال پرداختہ امیدوار است کہ قمر الدولہ و مادر و ہمشیرہ اش را تاکید حضور معلےٰ باشد کہ مہر النساء را در خانہ اش رہا نمایند تا کنیز بدستور سابقہ مع مہر النساء دختر و غیرہم سکونت دارد۔۔۔۔ مراحم بجز و عین سرفرازی کنیز ست۔ زیادہ حد ادب۔ عرضی۔

کنیز فیض النساء۔ والدۂ مہر النساء

خلاصہ : فیض النساء در حقیقت سکونت قدیمۂ خویش در خانۂ مہر النساء دخترش داشتہ کہ زوجۂ سیف الدولہ بہادر مرحوم است و دریں ضمن محافظت مشار الیہا بجمیع وجوہ من بعد کیفیت و متعرض شدن دختر مذکور بسبب دخل قمر الدولہ بہادر در امورش از مدت یک سال۔ علاوہ نگہداشتن بہادر مسطور مشار الیہا بخانہ خواہر خویش و تحریکش بر اخراج عریضہ گذار از خانہ بجہت ارسال پیادگان پولس لہٰذا بعرض اینہمہ مراتب امیدوار صدور حکم سکونت عریضہ گذار بخانہ دختر مزبورہ بموجب معہود۔۔۔۔ از نگاہداشتن مشار الیہا بخانہ خواہرش و ترک اغوائے او

سررشتہ معاملات سرجویرہ منفصلہ دیوانی۔

حکم صادر شد۔ دوازدہم شعبان ۱۲۴۹ھ۔ کیفیتش از قمر الدولہ دریافتہ شد۔ (یہ کیفیت عرضی نمبر ۱۷ میں درج ہے)

(۱۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والدۂ مہا نہ[^1] غلام، مہر النساء را بعد از تقرر درماہہ برادر سابقاں ہاشم علی مہر خود را گرو گذاشتہ در عرصۂ قلیل قرضدار و پریشان حال

---

[^1]: سوتیلی والدہ

گردانیده و بپائے گذرانِ خواہر برنج وغیرہ میفرستاد۔ ازیں ممر حالت ایشاں بہ تباہی و نوبت فاقہ کشی رسید صورت بہبود بجز رہائی مہر از دست برادر ندیدہ۔ از غلام در ہر ماہ برائے ادائے دین برادر خود قرض می خواستند تا مدت چہار ماہ غلام اعراض می کرد۔ ہرگاہ والدۂ حقیقی غلام دربارۂ قرض دہانیدن ایشان بہ غلام تاکید نمودند بجہتہ امتثالِ امر والدہ از نزد مشکور کشن ستے غلام قرض دہانیدہ وایشان ادائے قرض برادر نمودہ مہر خود را از گرو دارہانیدند۔ بعد از ہم برائے شادی برادر و بجہت استخلاص او از قید بدفعات قرض گرفتند۔ چونکہ دست ہاشم علی از قرض کشی کوتاہ گردید لہٰذا ادرمی الیہ غیض نلسکہ عریضہ گزار با فواح کیفیت دخیل غلام را متہم ساختہ در حضور مستغاثی شدہ است۔ این معنی از ادعائے دریافت نیکو روشن حضور پُر نور خواہد گردید۔ زیادہ حدِ ادب۔ مرقوم ہفتم رمضان المبارک ۱۲۴۹ سنہ ہجری۔

عرضی۔

غلام ــــ قمر الدولہ بہادر انور جنگ۔

عرضداشت بحضور فیض گنجور بندگانِ حضرت فیض مقدرت جناب ملازمان نواب عظیم جاہ بہادر مدظلہ العالی بگذرانید۔

ہشت و چہارم شعبان ۱۲۴۹ھ حکم صادر گردید

(۱۸)

انشاء اللہ تعالیٰ ــــ ھو الکریم

آداب و تسلیمات بجا آوردہ معروض جناب میدارد۔ کنیز را سیف الملک مرحوم از خورد سالی در محل خود پرورش نمودہ از حکم نواب والاجاہ قاضی عبداللہ صاحب مطابق مہر مثل عمۂ کنیز یازدہ صد و یازدہ تولہ طلائے خالص کنیز را بنکاح سیف الدولہ لبستند آں زمان کنیز را سیف الملک سی روپیہ ماہوار میداد بعد ازاں سیف الدولہ بہادر ہفتاد و پنج روپیہ میرسانید۔ کنیز را عارضۂ بیماری سخت روداد۔ بران بہادر مرحوم بنورس بیگم خواہر خرد حقیقی کنیز را بنکاح خود درآوردہ و در ماہیہ مذکور میرسانید بعدہٗ بمعذوری چشم و دست و پا ہشت چوکیداران و دوازدہ کرسی برداران متعین بودہ محافظت شان می نمودند و از کاوش قرض خواہاں چہل و پنج روپیہ از جیب میرسانید و در بیماری اکثری زمرد کہ از حضور بندگان عالی ماہوار دو صد روپیہ بنام نورس بیگم خواہد رسید۔ دراں شصت روپیہ بنورس بیگم و چہل روپیہ بعبد العلی و پنجاہ روپیہ بکنیز و سی و پنج روپیہ بغلام رسول و پانزدہ روپیہ بہ بدر الدین برادر حقیقی کنیز۔ چناں وصیت بود کہ دو صد روپیہ موافق وصیت مرحوم از کمپنی جاری نگردید و ہشتاد و سہ روپیہ چہار آنہ بنام نورس بیگم از حضور جاری شدہ کنیز وغیرہ از فاقہ کشی جاں بلب امیدوار فضل و کرم آنست کہ از پنشن سرفراز گردد۔ زیادہ حد ادب۔

عرضی۔

کنیز بیوہ خدیجہ بی منکوحہ سیف الدولہ مرحوم

مرقوم ۱۷ شوال ۱۲۴۹ سنہ ہجری ــــ

عرضداشت بحضور فیض گنجور بندگانِ حضرت فیض مقدرت جناب ملازمان نواب عظیم جاہ بہادر مدظلہ العالی بگذرانید۔ (بہ بست و چہارم شوال ۱۲۴۹ سنہ ہجری حکم صادر گردید کہ از قمر الدولہ و قیام الدولہ دریافت شود۔) (عرضی نمبر ۱۹ میں اسی کی کیفیت درج ہے)

(۱۹)

غلامان آداب و تسلیمات بجا آوردہ بعرض ملازمان حضور پُر نور میرسانیم بہ ادعائے عرض گزار کہ جد مرحوم غلامان سیف الملک بہادر خدیجہ را پرورش نمودہ از حکم نواب والاجاہ جنت آرامگاہ بقید نکاح قبلہ گاہی درآوردہ اند محض دروغ و افترا است۔ عالم پرورا! کاریکہ از حکم رئیس

Marfat.com

سرانجام گرفتہ باشد بہ روسائے دیگر مخفی نمی ماند و نیکو روشن حضور پُر نور باشد کہ گاہی این نکاح قبلہ گاہی بعرض باریافتگان حضور پُر نور رسیدہ باشد و این نکاح نامش زوران از ارذل قوم و زن برادر شوہر دایہ غلام خورد است و دایہ غلام حاضر است از احوالش خوب واقف است و اکثر مردمان نیز از کیفیت اطلاع دارند - عالم پرورا! بعد زیارت قبلہ گاہی ہر صغیر و کبیر از متعلقان قبلہ گاہی احوال خود را معروض پر نور نمودند اگر من وجہ عرضی استحقاق می داشت بطریق ادنے بعرض احوال خود ہا مثل سائر مستحقین می پرداخت - او سبحانہ تعالےٰ شانہ ، سایۂ حضور پُر نور را بر مفارق عالمیان تابہ ابد الدہر سلامت دارد کہ از دریافت بسیار بہر یک از متعلقان قبلہ گاہی معاشے از سرکار فیض آثار مقرر شد حتیٰ کہ کنیزان نیز محروم نگشتند - زیادہ حدِّ ادب -

عرضی ——— غلامان ——— قمر الدولہ و قیام الدولہ ———

(۲۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آداب تسلیمات بجا لا کر عرض رکھتا ہے اللہ تعالےٰ کی درگاہ میں شکر ہے کہ حضور عالیہ کے تئیں غلام کا وسیلہ مقرر فرمایا - سالہائے دراز سلامت رکھے سب متوسلین دامن دولت حضور کے آستانہ دولت سے سرفراز ہوتے ہیں اور عزت حاصل کرتے ہیں - غلام کرم خداوندی سے اُمیدوار ہو کر عرض رکھتا ہے کہ حضور کی باندیاں یعنے غلام کی دونوں بہناں اللہ تعالےٰ کے فضل سے اس شادی مبارک صومؔ[1] میں نواب صاحب مدظلہٗ العالی کی حضور سے دولت ملازمت سے سرفراز ہونے کی اُمیدوار ہیں - اللہ تعالےٰ حضور کے سایہ کو غلام اور باندیاں کے سر پر سلامت رکھے - زیادہ حدِّ ادب -

عرضی ——— غلام - قمر الدولہ

۱۲ شہر رمضان ۱۲۴۹ھ ہجری روز دوشنبہ -

از دست حافظ قاسم فرستادہ نواب بیگم صاحبہ مدظلہا العالی را گذرانیدہ - جواب ندادند -

(۲۱)

ہفتم صفر ۱۲۴۹ھ روز چہار شنبہ بسمع این جانب رسید کہ برادرم قیام الدولہ بہادر عرضی برائے نواب عظیم جاہ بہادر جہت فرستادن بہ گورنمنٹ بجانفظ یار جنگ بہادر عرف اولیا صاحب در خانہ ایشان رفتہ دادند و گفتند شما بہ نواب صاحب از طرف این جانب بگذرانید - صاحب موصوف عرضی را خواندہ گفتند اگر شما ہر دو برادر باہم باتفاق نمودہ میگذرانید اولی بود و دریں کار موجب مخالفت حاصل میگردد - برادرم جواب دادند مضائقہ ندارند بہر طور بگذرانند - و باز شنیدم کہ بہ گورنمنٹ نیز بے وساطۂ نواب علیحدہ نیز عرضی گذرانیدند برائے اضافۂ درماہہ - این خبر شنیدہ این جانب از زبانی ابو المحسن خان از برادرم استفسار نمودہ - انکار محض نمودند خاموش گردیدند باز از ایشان دریافت نکردم - حسبی اللہ نعم الوکیل

——— قمر الدولہ ———

(۲۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آداب تسلیمات بجا لا کر حضور عالیہ میں عرض کرتا ہے اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے حضور کے حکم کے موافق آج شادی شروع کرتا ہے - غلام اپنی عزت کے واسطے چھے توری کے تیس روپیہ لے کر حاضر تھا - اُمیدوار فضل و کرم سے یہہ ہے سرکار کے باورچی خانہ کے داروغہ کو حکم ہوتے کہ

---

[1] - شادی مبارک صوم - سے مراد پندرھویں روزے کا افطار ہے -

خاصہ تیار کر کر حضور کی باندیوں کی نظر سے گزرانے - اس میں عزت غلام کی اور سرفرازی غلام کی ہے - زیادہ

حضورِ بندگانِ عالی و نواب صاحب بہو بیگم صاحبہ و صاحبزادیِ کلاں دلہن بیگم صاحبہ

عرضی —— غلام - قمر الدولہ بہادر ——

(٢٣)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آداب تسلیمات بجا لا کر عرض کرتا ہے غلام اُمیدوار ہے کارپردازان سرکار کے تئیں حکم حضور صادر ہوتے کہ زیور رسومات کے عنایت ہوں۔ غلام سرفراز ہووے گا - اور بعد ادائے رسومات کے کارپردازان کے تئیں پہونچا دے گا - کرر یہ عرض حضور میں ہے یادیس ویں تاریخ کے تئیں جلوہ ہوتا ہے - زیادہ حدِ ادب -

عرضی - قمر الدولہ

بحضور - نواب بیگم صاحبہ

—— جمادی الاوّل ١٢٢٩ء ہجری

(اسی کے ساتھ یہ نوٹ بھی درج ہے):-

زیور مختار بیگم کہ نواب جنت مکان گرفتہ در تصرف خود آوردہ بودند بحسب گفتۂ نورس بیگم - مرقومہ نہم ربیع الاول روز پنج شنبہ ١٢٢٧ء ہجری

چنپاکلی یاقوت	سیلابچی آفتابہ نقرہ	پیکدان	پازیب طلائی جوڑی	نقد	چنگیزی نقرہ	گلاب پاش
عصہ عدد	عصہ عدد	عصہ عدد	عصہ عدد	صد روپے	عصہ عدد	عصہ عدد

(٢٤)

غلام تسلیمات بجا آوردہ بعرض ملازمانِ حضورِ پُرنور می رساند کہ متوسامی کرنم وا ماکرنم - بیگم پورہ ، بتاریخ پانزدہم رجب المرجب ١٢٢٩ء ہجری دعویٰ و اظہارات خود ہا نزد ملازمان حضور معہ عرائض نویسانیدہ بودند چنانچہ راجہ ٹیکم جنگ بہادر از غلامان جوابش سر بمہر گرفتند و دستخطِ حضور نیز بر دعویٰ و اظہارات مشارٌ الیہا و جوابات غلامان بعد از دریافت گردیدہ است - اندروئے دریافتِ حضورِ پُرنور از دفتر سررشتہ دارانِ خاندان نیک ہوا یدہ خواہد شد و دعویٰ حقیقت آبا و اجداد مشارٌ الیہا بود در سرکار نواب والا جاہ کہ نوشتہ اند تعلق بہ غلامان ندارد و متعلقۂ جدِ غلامان ہرگز نبودند بلکہ غلط محض است کہ از دفتر والاجاہی روشن خواہد شد و پیش از انتقال والد ہفت سال متوسامی کرنم در بعد انتقال یک و نیم سال اُماسامی کرنم نوکر گردیدہ حال نیز بر ہماں نوکری مقرر ماندہ در راہ بہ معمول بلاکم و کاست از نزد تحصیل بیگم پورہ کہ پیش ازیں نیز در ہماں عوض می رسید حال ہم می یابند - زیادہ حدِ ادب برقوم بست و چہارم ... ١٢٢٩ء ہجری -

عرضی ——

نواب قمر الدولہ بہادر و قیام الدولہ بہادر

(٢٥)

آداب تسلیمات بجا لا کر حضور میں عرض کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے حضور کے تئیں غلام کا وسیلہ فرمایا ہے - ایک سو بیس برس سلامت رکھے - سوائے حضورِ پُرنور کے کوئی وسیلہ غلام کا نہیں ہے - حضور کی باندیاں کی باندی غلام کی چھوٹی بہن کو رات سے دردِ زہ ہوتا ہے - اطلاعاً

Marfat.com

عرض کیا ہے - زیادہ حدِ ادب   عرضی ——— بنواب بیگم صاحبہ از طرف قمرالدولہ بہادر

(۲۶)

صاحبان مشفقان توجہ و کرم فرمائے بیکراں سلمہ اللہ تعالیٰ

بعنایت بتاریخ بست و یکم مئی ۱۸۳۳ء عیسویہ بہ آں صاحبان اطلاع دادہ شدہ بود کہ در مقدمہ حالات پنشن و متعلقان والد بزرگوار خویش چیزے اظہار نمودن باشد از ذریعہ گورنمنٹ ایجنٹ و نواب صاحب کرناٹک باید نمود - لہٰذا مکرر اطلاع دادہ میشود کہ اگر آں صاحبان آنچناں عمل نمایند مناسب است و عرضی کہ بخدمت گورنمنٹ دادہ بودند از سبب مرقوم الصدر کہ نزد مخلص رسید واپس مرسل است زیادہ . . . .

میجر بادجسن بہادر گورنمنٹ ایجنٹ - (دستخط انگریزی)

۸ رجون ۱۸۳۵ء عیسویہ -

(ایاں پیش از رسیدن ایں خط بست روز یک خط بہ گورنمنٹ نوشتہ بودند ہمراہ بخط ایجنٹ واپس آمد -)

اسی خط کے ساتھ میجر بادجسن نے قیام الدولہ اور قمرالدولہ کو اُن کی وہ عرضی واپس کر دی ہوگی جو انھوں نے براہِ راست میجر کو بھیجی تھی - اُس عرضی کے ساتھ میجر کا حسبِ ذیل نوٹ بھی مُلاحظہ فرمائیں -

(۲۷)

ھو العلی الاعلیٰ

بمطالعہ صاحب مشفق مہربان توجہ و کرم فرمائے قیام الدولہ بہادر و قمرالدولہ بہادر سلمہ اللہ تعالیٰ موصول باد

صاحب مشفق مہربان توجہ و کرم فرمائے سلمہ اللہ تعالیٰ

خط مسرت نمطِ آں صاحب معہ عرضی موسومہ جناب نواب گورنر صاحب بہادر موصول و مطلع مضامین نمود سابق کہ دریں مقدمہ برائے ارسال عرائض از معرفت جناب نواب صاحب دام اشفاقہم مرقوم نمودم حالا . . . ہمیں میدہم کہ بموجب حکم گورنمنٹ از ذریعہ جناب نواب صاحب و مخلص فرستادن مناسب است کہ نواب صاحب محتشم . . . البتہ بلا اندیشہ روانہ خواہند فرمود - زیادہ حدِ نگارش رود -

عرضی مذکور واپس مرسل است ——— مرقوم ۸ رجولائی ۱۸۳۵ء عیسوی -

(مہر)

میجر بادجسن بہادر
گورنمنٹ ایجنٹ،

(۲۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بمیامن ایزد متعال چونکہ پرورشات خداوندی مبذول حال غلاماں است حسب الحکم حضورِ پُرنور ارباب عدالت محکمہ مالیہ قرارنامہ متضمن فیصلہ قرض خواہان قبلہ گاہی و جواب دہی آنہا در محکمہ مالیہ وغیرہ از غلاماں گرفتہ باغ مسکونہ را قبل از یک سال تحویل غلاماں نمودند حسب الحکم حضورِ پُرنور غلاماں نیز بعضے قرضخواہاں راشل در چہار لاک داس فیصلہ نمودہ اقساط ہم از محاصل باغ میرسانیدند و بر فسادات ممتازہ بیگم بوساطت محمد تائید الدین اکبر و میر عباس علی خانساماں

Marfat.com

ہر چند مصالحہ و اتفاق با ممتاز بیگم خواستیم تا ادائے قرض قبلہ گاہی شود ہیچ مفید نشد و سکنائے باغ را علانیہ حکم مے کنند کہ مالکہ باغ خود ہستیم و منع با شما معاف کردیم تحملاً ہرگز نہ دہید۔ آنہا تمردی کردہ نمی دہند۔ لہٰذا از چندے اقساط مذکور نیز سد اونیز یک تمسک چہار دہ ہزار روپے برگردن غلامان رتن بہارتی بعنایت ممتاز بیگم دو نوس بیگم جعلی ساختہ از طرف رتن بہارتی در کورٹ رجوع کردہ بودند۔ این معنے بعد از شیوع یافتہ کہ ہمہ صغیر و کبیر واقف شدند۔ غلامان ناگزیر افتاد کہ در کورٹ جواب دہی نمائیم۔ لہٰذا غلامان لاچارانہ با صرف مبلغ کثیر بذات خود جواب دہی نمودیم و مقروض گشتیم۔ بفضل ذوالجلال لایزال دیروز کہ بست و نہم جمادی الاول بود دعاوی مدعی نامسموع و باطل شد و قبضہ انفصال یافت و از چہار ماہ مختار بیگم برائے تجویز از مفاسد ترک اقامت باغ نمودہ در ترل کہتری ساکن شدہ اند چنانچہ برادرشان محمد تائید الدین اکبر خوب واقف اند۔ نیکو روشن حضور پُر نور است۔ سابق با وجود داشتن مہر خود ممتاز بیگم در سرکار حضرت نواب بیگم صاحبہ قبلہ مدظلہا العالی با مہر جعلی کاغذات در گورنمنٹ فرستادہ بودند۔ غلامان کہ من جمیع الوجوہ پرورش یافتہ سرکار و متوسل دامن دولت ہستیم و از حکم حضور پُر نور ہیچ گونہ ممتاز بیگم و غلامان را مجال سرتابی نیست۔ امیدوار از فضل و کرم خداوندی ہستیم کہ ممتاز بیگم را حکم صادر شود کہ از دو صورت یک را اختیار کنند۔ اولاً آنکہ تا ادائے قرض ساکت باشند و ہیچ گونہ دخل و تصرف در متروکات نکنند کہ از حکم شرع شریف پیش از ادائے قرض تصرف در متروکات روا نیست یا ہمیں وقت از باغ موافق ترکہ خویش زمین باغ بگیرند و قرض نیز بمقدار ترکہ بذمہ خود گیرند۔ زیادہ حد ادب۔ مرقوم غرہ جمادی الثانی ۱۲۵۲ھ۔ عرضی۔

غلامان۔ قیام الدولہ۔ قمر الدولہ۔

جواب صادر شد مرا کہ جلدی نہ کنند و چندے صبر کنند تا ز انفصال قبضہ شما بسیار خوش شدم۔

(۲۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ارباب عدالت محکمہ عالیہ ایک سال آگے بندگان عالی متعالی کے حکم سے باغ تحویل غلاموں کے کئے۔ غلامان تائید الدین اکبر عرف اکبر بادشاہ کی وساطت سے ہر چند مصالحت اور خوشنودی ممتاز بیگم سے چاہے تا کہ فساد نہ ہووے کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ دریافت سے یہ بات حضور پُر نور پر روشن ہووے گی آخیر رتن بہارتی کے نام سے تمسک جعلی چودہ ہزار روپے کا غلامان کی تباہی کرنے کے واسطے کورٹ میں رجوع کئے اور تمام چھوٹے بڑے اس بات سے واقف ہیں۔ اس قبضہ کی کیفیت غلامان حضور پُر نور میں سابق اطلاع کئے تھے حضور پُر نور سے ارشاد ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو حق ہے سو ہوگا ویسا ہی اللہ تعالےٰ کے فضل سے کل کے روز اٹھائیسویں جمادی الاول ۱۲۵۲ھ کے فیصلہ کورٹ میں ہوا اور دعویٰ مدعی کا باطل اور جھوٹا ہوا۔ چند روز سے باغ کے رہنے والے لوگوں کو ممتاز بیگم تاکید کیے ہیں کہ باغ میرا ہے اور وری[1] تم کو معاف کئے ہوں اس واسطے رہنے والے لوگ سرکشی سے وری زمین کی نہیں دیتے ہیں۔ ممتاز بیگم اور غلامان حضور کے حکم کے تابع ہیں اور خلاف حکم کرنے کا مقدور نہیں۔ اس واسطے غلامان امیدوار فضل و کرم خداوندی کے ہیں ممتاز بیگم کو تاکید ہووے کہ باغ کے معاملات میں فساد نکریں تا اس کے محاصل قرضخواہاں کو نہ پہنچے اور جھوٹے تمسکات وغیرہ جعلی نہ بناویں کہ اس میں غلاموں کی تباہی اور رسوائی اور بدنامی ان کی ہے۔ زیادہ حد ادب۔ مرقوم غرہ جمادی الثانی ۱۲۵۲ھ

یہ عرضی بیچ حضور حضرت نواب بیگم صاحبہ قبلہ مدظلہا العالی المتعالی کے گزری۔

---

[1] وری۔ معنی لگان۔ اصل عرضی میں بھی یہ لفظ آتا ہے۔

Marfat.com

(۳۰)

غلامان آداب تسلیمات بجا آورده معروض میدارند - جهان پناها! فسادات ممتاز بیگم کہ برحال غلامان است بفردهٔ جمادی الثانی ۱۲۵۲ھ هجری
مفصلاً معروض داشتیم ارشاد شد کہ درین امر جلدی نکنند - عالم پرورا! از رسیدن اقساط بہ قرضخواہان قبلہ گاہی تقاضائے آنہا بیشتر است لہذا مضطربانہ
جرأت پرواز عرض احوال خود میگردیم - ممتاز بیگم ساکنان باغ را علانیہ حکم میکنند کہ مالک باغ ہستم دری ہا بشما معاف کردم - آنہا غنیمت شمردہ دری دادن
موقوف کردہ اند - لہذا اقساط کہ بہ قرضخواہان قبلہ گاہی میرسیدنی رسید اگر قرضخواہان در کورٹ رجوع شوند بر غلامان جواب دہی سخت دشوار است و موجب تباہی
غلامان خواہد شد کہ قرضخواہان باغ را ہراج خواہند کرد - او سبحانہٗ تعالیٰ حضور پرنور را الماجد و ماوائے غلامان فرمودہ است امیدوار ہستیم کہ بممتاز بیگم حکم حضور
شرف صدور یابد کہ تا ادائے قرض قبلہ گاہی ہیچ گونہ دخل و تصرف نہ نمایند و با ممتاز بیگم از باغ بعد از وضع عوض دین انچہ افزود اگر باند حصہ شرعی خود بگیرند عالم
پرورا! در عہد نواب صاحب رحمت مآب چچا عموی مرحوم غلامان حسام الدولہ در سوپریم کورٹ رجوع آوردہ فسادات می نمودند از تفضلات خداوندی دگو رزان
کونسل پنشن عموی غلامان حسام الدولہ مرحوم مسدود گردید تا وقتیکہ از تنبیہ کورٹ و فسادات دست بردار شدند حالا ہم از افضال ایزد متعال بجز تفضلات
خداوندی غلامان را نجات از فسادات ممتاز بیگم نیست - زیادہ حد ادب - بروز جمعہ بتاریخ یازدہم شعبان المعظم ۱۲۵۲ھ ھ - عرضی -

غلامان - | قیام الدولہ | قمرالدولہ بہادر |

گذرانیدہ شد ، ارشاد کہ از ممتاز بیگم دریافت خواہم کرد -

(۳۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مایان کہ قیام الدولہ و قمرالدولہ وغیرہ ورثائے سیف الدولہ مرحوم ایم چوں کہ قبلہ گاہی مقروض بودند لہذا مایان اسباب متروکہ بفروخت آوردہ ادائے
دین بعضے مردم نمودہ ایم الکنون بجز یک قطعہ باغ سکونہ مایان کہ واقع کوس کوری است ہیچ باقی نماند درینولا قرضخواہان قبلہ گاہی بنا بر دین خود با تقاضائے شدید
می نمایند و ارباب عدالت باغ مذکور بر قبض نمودند لہذا اقرار واثق می کنیم و نوشتہ میدہیم بریں معنے کہ مایان قسطے از درماہہ مقرر نمودہ قرض قبلہ گاہی انچہ باثبات
رسد ادائے می نمائیم و حقوق ورثائے قبلہ گاہی کہ دراں باغ متعلق است موافق شرع شریف میرسانیم اگر کسے قرضخواہ در کورٹ مستغاثی شود بجوابش برداریم
خدانخواستہ از اقرار نوشتہ دادہ خود ہا منحرف شویم ارباب عدالت رسیدات مایان ضبط کردہ ہمگی درماہہ گرفتہ آنہا را برسانند بنا برآں ایں چند کلمہ بطریق اقرار نامہ نوشتہ
دادہ شد کہ ثانی الحال سند باشد - تحریر فی التاریخ ہشتم محرم الحرام ۱۲۵۲ھ ہجری -

(۳۲)

مایان کہ قیام الدولہ و قمرالدولہ بہادر فرزندان سیف الدولہ بہادر مرحوم نبیرگان سیف الملک بہادر مرحوم ایم اقرار نمائیم و نوشتہ میدہیم بر ایں
معنی کہ مبلغ دوازدہ ہزار روپیہ بحکم گورنر ان کونسل قرضاً از خزانہ گورنمنٹ بہ حسام الملک بہادر حال کہ میدہند ضامن ہستیم کہ ہر قدر زر منجملہ دوازدہ ہزار
روپیہ مذکور بر ذمہ بہادر معز اللہ باقیماند آں زر بقیہ را بخزانہ گورنمنٹ مایان خواہیم رسانید بنا برآں ایں چند کلمہ بطریق ضمانت نامہ نوشتہ دادہ شد کہ ثانی الحال سند باشد
تحریر فی التاریخ ۱۸ اپریل ۱۸۳۶ء عیسوی مطابق غرہ محرم الحرام ۱۲۵۲ھ ہجری قدسی -

اقرار نامہ ہذا بہ گورنمنٹ مرسل شد -

Marfat.com

(۳۳)

بحضور نواب عظیم جاہ بہادر

آداب تسلیمات بجا آوردہ معروض میداریم کہ اگرچہ ممتاز بیگم در تعمال باغ قبلہ گاہی حتی المقدور سعی نمودند و کما ینبغی سکنائے باغ را منافات باد دہانیدند از افضالِ ایزد متعال باقبال حکم خداوندی دار وغہ سرکار از کمال خیر اندیشی و خردمندی باتنظام تمام سرانجام میدادند۔ درینولا بسبب استیلائے ضعف بیماری نمی توانند بباغ آمدہ متوجہ امدادت شوند۔ لہٰذا بعضے مفاسید خیرگی اختیار کردہ اند۔ نظر بر پرورشات خداوندی کہ پیوستہ مبذول حالِ غلامان است امیدوار فضل و کرم ہستیم کہ از جانب سرکار باغ قبلہ گاہی را اجارہ دادہ منجملہ محاصل باغ پانزدہ روپیہ بنا باخراجات سواری بہ دار وغہ سرکار مقرر گشتہ تاکید حضوری دربارۂ خبرگیری واعانت متاجر در ہمگی امور شرف صدریابد موجب سرفرازی است۔ زیادہ حد ادب۔ مرقوم دوئم ذی الحجہ ۱۲۵۳ھ۔

عرضی ۔ غلامان قیام الدولہ و قمر الدولہ

(۳۴)

آداب تسلیمات بجا آوردہ نظر تراحم خداوندی کہ پیوستہ مبذول حال غلامانست جسارت پرداز عرض می شویم بمیامن ایزد متعال غلامان کہ من جمیع الوجوہ از آستانہ دولت پرورش وعزت یافتہ دمی یابیم امیدوار فضل و کرم ہستیم کہ حصہ ہائے کہ از سرکار فیض آثار مثل حصہ عید الاضحیٰ و عید الفطر وغیرہ کہ در حین حیات بہ قبلہ گاہی مرحمت می شد بنام غلامان یافتہ سرفراز و کامیاب می شدہ باشیم چنانکہ حسام الملک حال و عباسی میاں وغیرہ سرفراز می شوند غلاماں را نیز از مرحمت حصہ ہائے سرکاری در اقران و محافل معزز و مفتخر خواہیم شد۔ زیادہ حد ادب۔ قبل از عید الاضحیٰ ۱۲۵۳ھ۔ عرضی۔

بوساطہ شرف الملک گزرانیدہ شد

(۳۵)

بجناب حضرت سید الشہداء علیہ السلام و جناب حضرت عباس علیہ السلام اقرار می نمائیم و نوشتہ می دہیم بہ سید علی بر ایں معنی کہ ہر چہ کہ اضافہ بر نذر سیادت ماہواری ما یان کہ از کمپنی گردد زر اضافہ یک سال بطریق نذر بلا عذر و حیلہ بہ سید علی صدر خواہیم رسانید بنا براں ایں چند کلمہ بطریق اقرار نامہ نوشتہ دادہ شد کہ ثانی الحال سند باشد۔ تحریر فی التاریخ سیزدہم جمادی الثانی ۱۲۵۱ھ ہجری۔

مُہر قمر الدولہ بہادر	مُہر قیام الدولہ

(۳۶)

فضل و کرم خداوندی سے پیچ ۱۲۲۹ھ ہجری کے وساطت سے کارپردازوں سرکار فیض آثار کے فیصلہ تمامی قرضداروں قبلہ گاہی کا ہوا اور اقساط میں پہونچی تھی اور بابت قرض عنایت سے حضورِ عالیہ کے ادا ہوتے موافق تمسکات رام بہارتی و رتن بہارتی کے تمامی قرض اونھوں کا بھی وساطت سے کارپردازوں سرکار کے ادا ہوا۔ رتن بہارتی خوف اور اندیشہ سرکار کا پاکر جعلی تمسک چودہ ہزار روپے کا اوپر رباغ کے بنا کر کورٹ میں رجوع کیا ہے۔ اس ہفتہ کا روز دوسری ذی قعدہ کے کورٹ میں دیا ہے۔ غلامان امیدوار فضل و کرم کے ہیں فیصلوں کے کو اسنادات در سیادت قرضخواں کی جو سرکار کے کارپردازوں کی تحویل میں ہیں سرفراز فرمانا اللہ تعالیٰ نے حضور عالیہ کے تئیں غلاماں کا وسیلہ فرمایا ہے۔

زیادہ حد ادب

Marfat.com

(٣٧)

آداب تسلیمات بجا آوردہ معروض می میدارم غلامان دربارۂ رپورٹ نوٹسے حضور پرنور بہ شریف کورٹ آرنلڈ ... - نمودیم جواب داد
" باید کہ عنایت نامہ متضمن بصدق شہادت داروغہ سرکار کہ سابقاً در کورٹ ادا نداشت مرسل گردد دگر خلافش بعمل آید دو ضرر عاید میشود - اولاً از محاصل
باغ بہ سرکار ثابت و ثانیاً حقوق شما باطل و تلف خواہد شد " غلامان توضیحش خواستیم - او بہ کیفیت نامہ نوشت کہ محاصل باغ از سرکار تعلق ندارد - زیرا
کہ قیام الدولہ و قمر الدولہ از سرکار متعین دار وغہ فقط استعانت خواستند و داروغہ از سرکار باشان متعین گشت کہ در تحت حکم قیام الدولہ و قمر الدولہ باشد و قیام الدولہ و قمر الدولہ متصرف
محاصل باغ ہستند - اگر شما را تعلقے باشد قیام الدولہ و قمر الدولہ ہر دو موجود اند و متصرف باغ ہستند شما از آمدی تعارض کنید عالم پرورا ! از افضال ایزد متعال
دریں دنیا بجز حضور پرنور وسیلہ نیست و نداریم ہر قسمے کہ بندہ پرور امنظور باشد مستحق برآں ہستیم - زیادہ حدِ ادب - پانزدہم شہر ذی الحجہ ۱۲۵۰ سنہ ہجری -
نواب عظیم جاہ را از شریف کورٹ حکم نامہ رسید کہ باغ سیف الدولہ مرحوم ہرلج شدہ است - محاصل باغ را بہ رتن بہاتی باید رسانید
از خارج مسموع شد کہ نواب در جواب حکمنامہ نوشتند کہ از التماسے قیام الدولہ و قمر الدولہ داروغہ و کہ متعین باغ بود برداشتہ شدہ -

(٣٨)

آداب تسلیمات و قواعد کورنشات بجا آوردہ معروض جناب فیض مآب میدارد - جہاں پناہا ! از افضال و پرورشات خداوندی فیصلۂ کل قرضخواہان قبلہ
گاہی در ۱۲۳۹ سنہ ہجری بوساطت کارپردازان سرکار فیض آثار گردیدہ اقساط میرسید واکثر اقراض ہم ادا گردید و بہ سبب تمسکات رام بہادر تی و رتن بہاتی کل
قرض آنہا نیز بوساطت کارپردازان سرکار ادا گشتہ ، خوف و خطر سرکار دولت نکردہ نام بردہ بے باکانہ تمسک جعلی چہاردہ ہزار ہون بر گروی باغ مسکونہ ساختہ
در کورٹ رجوع کردہ است و بروز شنبہ دوم ذیقعدہ ۱۲۵۱ سنہ ھ در کورٹ می آید - عالم پرورا ! غلامان اُمیدوار فضل و کرم ہستند و از کاغذات فیصلہ و رسیدہ
قرضخواہان کہ در پیش کارپردازان سرکار عالم مدار است سرفراز شوند و سبحانہٗ تعالےٰ شانہٗ حضور را پناہ و ملجائے غلامان فرمودہ است - زیادہ حدِ ادب بروز پنجشنبہ
سلخ شوال ۱۲۵۱ سنہ ھ

(ایں عرضی بر نواب عظیم جاہ گزرانیدم حکم صادر شد کہ کاغذات را بدہند - بروز جمعہ ذی القعدہ ۱۲۵۱ سنہ ھ کاغذات را آوردم -)

(٣٩)

منکہ شمس الدین احمد ولد مولوی قادر بخش منشی عدالت عالیہ ام اقراری نمایم و نوشتہ میدہم برایں معنی کہ قیام الدولہ بہادر بنا بر ارجاع مقدمہ باغ مسکونہ
در کورٹ از خرچہ کورٹ تنگ آمدہ مبلغ محاصل باغ کہ در علاقہ کارپردازان سرکار فیض آثار درخواست کردند و کارپردازان مذکور ضمانت برایں مضمون کہ تا وقتیکہ
فیصلہ باغ مذکور بطرف بہادر موصوف گردد دراں وقت از ضامن ہیچ تقاضائے مبلغ نیست و در صورت خلاف یعنی بطرف دیگر فیصلہ یابد و دیگر ورثا از آں مبلغ
حصہ خود ہا خواہند در آں وقت ضامن جوابدہ مبلغ باید شد خواستند بایں موجب منفرد ضامن میشوم کہ احیاناً انفصال مقدمہ مرقومہ کورٹ بطرف دیگر گردد و
وارثان از مبلغ ممدوحہ بہادر مذکور حصۂ خود ہا دعوی نمایند بندہ جوابدہ آں مبلغ خواہد شد و ہیچ خلاف بعمل نخواہد آورد و مبادا خلاف بعمل آرم گنہگار شرع
شریف باشم و کارپردازانِ سرکار ہر سزا کہ فرمایند مستوجب آں باشم مرقوم بجدہم ۱۲۵۲ سنہ ہجری قدسی -
(قیام الدولہ اور قمر الدولہ نے اس ضمانت نامے کے ساتھ یہ بھی لکھا تھا) :-

آداب تسلیمات بجا آوردہ معروض میداریم کارپردازاں بنا بر دادن مبلغ محاصل باغ بغلامان ضمانت یکے از ملازمان سرکار خواستند۔ لہٰذا ضمانت شمس الدین منشی عدالت عالیہ حاضر کردہ امیدوار صدور حکم حضور پر نور درباب عنایت شدن از مذکور ہستیم ۔ زیادہ حد ادب ۔

(۴۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقل عرضی کہ برائے محاصل باغ بنواب عظیم جاہ بہادر نوشتہ شدہ بود ۔

چونکہ عنایات خداوندی مبذول حال غلامان است جرأت پرداز از احوال خود میگردیم قبل ازیک سال زر محاصل باغ مصروف اخراجات کورٹ می شد ہرگاہ از فسادات ممتاز بیگم و نورس بیگم خللے در رسیدن زر مذکور واقع شدہ و بہ غلامان رسانیدن زر .. ۔ خیلے دشوار افتاد۔ لہٰذا بر ممتاز بیگم در حضور پرنور مستغاثی شدیم اکنوں بسبب قرض ماضی و مصارف حال کورٹ غلامان مضطربانہ نظر بترحم خداوندی امیدوار صدور حکم حضور ہستیم کہ محاصل باغ ہر قدر کہ بافعل بسرکار فیض آثار موجود است بجنسہٖ معارف کورٹ عنایت گردد۔ زیادہ حد ادب ۔ تحریر فی التاریخ بست و پنجم ماہ صفر المظفر ۱۲۵۲ھ ہجری قدسی ۔

(یہاں علیحدہ کاغذ چسپاں ہے جس پر حسب ذیل عبارت درج ہے جو بعض جگہ سے کرم خوردہ ہے ۔ا۔)

دوم ربیع الثانی ۱۲۵۲ھ حکم صادر شد کہ ایں عرضی بہ محکمہ عالیہ بنا بر تجویز مقدمہ معروضہ فرستادہ شود کہ ایں ہا برائے باغ از پنجۂ ظالم از محاصلش مے خواہند۔

از عرضی گزاران محکمہ متضمن واپس نمودن مبلغ ہذا .. .. ۔ از درابہ خود بعد انفصال معاملہ باغ حاصل کردہ حکم دادن مبلغ محاصل صادر شد۔ مرقوم ۱۵ ربیع الثانی ۱۲۵۲ھ ہجری ۔ تجویز اول از محکمہ ۔

(۴۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بمیامن ایزد متعال از انجا کہ عنایات خداوندی مبذول حال غلامان است جرأت پرداز عرض میشویم کہ بفضل فضال لایزال از حضور دوبارہ در محافت فقط حصہ غلامان ارشاد شدہ بود امیدوار فضل و کرم خداوندی ہستیم کہ بداروغہ باغ تاکید حضور شرف صدور باید کہ ہمراہ بہ غلامان فقط حصہ غلامان عنایت شدہ باشد موجب سرفرازیست ۔ زیادہ حد ادب ۔ مرقوم غرہ ربیع الثانی ۱۲۵۲ھ ہجری قدسی ۔

(۴۲)

آداب تسلیمات بجا آوردہ معروض میداریم کہ بعد انتقال قبلہ گاہی مرحوم کارپردازان برائے سکونت مہر النساء مرحومہ مکان دو منزلہ جدِّ غلامان سیف الملک مرحوم تفویض مرحومہ نمودند۔ بسبب تنگی مکان بر غلام قیام الدولہ بسیار تصدیع میگذشت مرحومہ مکان مفوضہ کہ متصل مکان غلام است از رضاء و رغبت خویش بغلام دادند چنانچہ از مدت چہار سال بتصرف غلام داخل زنانہ است و مرحومہ در خانہ ہمشیرہ خورد غلامان امۃ النساء بیگم سکونت میداشتند در یں ولا از بیماری ارضا مبتلا شدہ بودند۔ ہمشیرہ احوال ایشان متغیر یافتہ یک روز قبل از انتقال ، مادر و برادر و خواہر مرحومہ را طلبیدہ گذاشتند از آں روز تا حال گوناگوں کلمات ناسزا در حق ہمشیرہ غلامان روبروئے مردمان از ایشاں بظہور میرسد۔ لہٰذا بعد دفن آنہا را گفتند کہ شاہا بخانۂ خود بروند۔ عذر آوردند کہ بروز زیارت میرویم و روز زیارت کہ دیروز بود در حضور پرنور بالعکس مستغاثی شدند۔ عالم پدرا! ہاشم علی وغیرہ اقربائے مرحومہ ہیچ بے ہمت کسانند کہ ہمشیرۂ حقیقی مہر النساء چندے اینہا را

درخانۂ خویش داشتہ بودند نظر بر اطوار ناشایستہ دشمنانِ ناسزا و رفتن اینہا را از خانۂ خویش پیادگان پولس را طلبیدہ اخراج کردند۔ چنانچہ ہاشم علی وغیرہ عریضہ متضمن کیفیت اخراج بتاریخ دوازدہم شعبان ۱۲۴۵ سنہ ہجری قدسی درحضور پرنور گزرانیدہ بودند۔ ہمشیرۂ حقیقی غلامان امیدوار شرف صدور حکم حضور بر اینہا است کہ بہ خانۂ خویش روند۔ مکرر عرض این کہ مرحومہ مہرالنساء چیزے قلیل از اسباب گذاشتہ لہٰذا اگر حکم عالی شرف صدور باید تفویض ارباب عدالت نمائیم تا کہ ادائے قرض مرحومہ گردد۔ زیادہ حدِ ادب۔

مرقوم دوازدہم ماہ صفر المظفر ۱۲۵۳ سنہ ہجری قدسی۔

(۴۳)

صاحبِ مشفق مہربان توجہ گستر بے پایان سلمۂ الرحمان رقیمۂ شفیق متضمن فیصلہ شیخ میران و محمد عبداللہ مورخہ چہارم مئی ۱۸۳۷ سنہ عیسوی وصول گردیدہ، از مضمونش آگہی بخشید۔ مشفقا! حقوقِ نامبردہ بر دفتر بنظر نیامد و از زبانی قدمائے ملازمانِ قبلہ گاہی مرحوم مثل میر عباس علی خان ساماں وغیرہم ثبوت نیز نشد۔ ازین قبیل مفتریان بعد از انتقالِ قبلہ گاہی مرحوم خیلے کثیر دعویٰ ہائے باطل بخدمت گورنمنٹ ایجنٹ سابقہ در سرکار نواب صاحب رجوع کردند بسبب بطلان دعویٰ ہیچ یک پیش گورنمنٹ و نواب صاحب مقبول نیفتاد نامبردہ ہا نیز ازان منفعل شدند زیادہ چہ نویسد۔ ۹ صفر المظفر ۱۲۵۳ سنہ ہجری قدسی۔

حکم حضور صادر شد کہ بایشان اطلاع شود کہ اسباب مذکور حوالہ اربابِ عدالت نمایند۔ آنہا کہ برائے تعزیت آمدہ لہٰذا اگر خواہند تا فاتحہ درون خانہ باشند مگر باتفاق و محبت و باید کہ زنان در خانہ و مردان بیرون خانہ بوند۔

(۴۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بمیامن ایزد متعال از انجا کہ عنایات خداوندی مبذول حال غلاماں است جرأت پرداز عرض میشویم کہ از حضور پرنور در مقدمہ محاصل باغ ارشاد شدہ بود کہ سوائے حصہ ہائے ورثائے دیگر دربارۂ عنایت فرمودن حصۂ غلامان دریافت نمودہ عنایت کردہ خواہد شد امیدوار ہستیم کہ مورد عنایت خداوندی شویم۔ عالم پروراً! رتن بہارتی گسائیں قضیہ بر قبلہ گاہی و بر املاکِ قبلہ گاہی آورد۔ لازم بود کہ ہمہ ورثائے قبلہ گاہی جواب دہند و احوالِ ورثا کہ بر حضور پرنور نیکو روشن است کہ ہمہ فسادات از آنہا است و غلامان از مدت دو سال بسبب زبیم تباہی و خانہ بدستی مقروض گشتہ حتی المجہود جواب دہی در کورٹ نمودیم چنانچہ بسبب نرسیدن نند بوعدہ و انقضاء مدت ۵ سال قریب است کہ قرضخواہان بغلاماں در کورٹ مستغاثی شوند۔ خدانخواستہ زیان عظیم بہ غلامان خواہد رسید۔ او سبحانہ تعالیٰ جل شانہ حضورِ پرنور را وسیلۂ غلامان فرمودہ تا قائم دائم دارد۔ از ترحم خداوندی چناں امیدوار ہستیم کہ متروکات قبلہ گاہی یعنی محاصل باغ مصارفِ جوابدہی شود زیرا کہ قبضہ بر متروکات قبلہ گاہی است تا کہ غلامان و دیگر ورثاء و قرضخواہان وغیرہ از عنایاتِ حضورِ پرنور تباہ نشوند و بعد انفصال قضیۂ مذکور بہر قسمے کہ مبذول عنایت خداوندی شویم سرفرازی است۔ زیادہ حدِ ادب۔ مرقوم بست و ہفتم ماہ ربیع الاول ۱۲۵۳ سنہ ہجری قدسی۔

(۴۵)

بخدمت نواب صاحب فیاض زمان فیض بخش فیض رساں قدردان نوازش فرمائے نیاز مندان عنایت فرمائے بیکراں رائٹ ہانبل لارڈ الفنسٹن[ل]

ل LORD ELPHINSTONE. G.C.H, P.C. (1837 - 1842)

گورنر کونسل فورٹ جارج دام اقبالہم التماس می نمائیم ہمیں کہ این باغ کہ سکونت گاہ جدّ ماست بعد از انتقال پدر مایان عموی مایان در سوپرم کورٹ استغاثہ بردہ ڈگری تقسیم باغ حاصل نمودہ - در آں وقت گورنر ان کونسل امانت پدر مایان کردہ باغ مذکور را از پنجۂ ارباب سوپرم کورٹ رہائی بخشیدند و نیز در وقت دیگر یک قرضخواہ جدّ مایان میخواست کہ این باغ را بعوض ادای بابِ گورنر ان کونسل از خزانۂ کمپنی مبلغ شصت ہزار روپیہ قرض تنخواہ ادا کردہ بتدریج در عرصۂ دہ سال از پنشن پدرم مبلغ مذکور را بہ سبیل اقساط وصول کردند و باغ را از فروخت شدن رہائی بخشیدند - چنانچہ تا حال قبالجات باغ مذکور در سرکار کمپنی است - حالا شخصے بنوازے .. .. مایان یک تمسک جعلی پدر مایان ساختہ در سوپرم کورٹ استغاثہ بردہ پس فردا باغ را اخراج میکند چنانچہ ازیں کیفیت نواب عظیم جاہ بہادر ہم آگاہ ہستند بسبب جعل کردنِ تمسک ممتاز بیگم و نورس (مادرے مادر ما)، مایان معرض عنایت نواب صاحب ہستند و اڈوکیٹ جنرل ہم اطلاع دارند کہ بکرّات مرّات تمسک جعلی مذکور در سوپرم کورٹ باطل شدہ مثل کاذب گردیدہ و در ہمیں معاملۂ جعلی از دو سال در سوپرم کورٹ باصرافِ مبلغ کثیر گذشتہ تمسک جعلی مذکور را باطل ساختیم و باد ممتاز بیگم و نورس بیگم باخفا جعلاً برخود سمن طلبیدہ روبروئے لایر (LAWYER) اقرار بر صدق آں تمسک جعلی نمودہ ڈگری حاصل کردند - لہٰذا از ان کرم فرما توقع چنانست کہ تدبیرے درین امر خواہد شد - فرمود کہ باغ ما از فروخت شدن آمن یابد و مایان از فسادات ممتاز بیگم و نورس بیگم وا رہیم - زیادہ چہ التماس می نمائیم

و نقل خطے کہ بگورنمنٹ فرستادہ شد بتاریخ بست و چہارم ماہ صفر المظفر ۱۲۵۳ھ ہجری قدسی)

(۳۶)

آداب تسلیمات بجا آوردہ معروض میداریم بسبب خلل اندازیِ ممتاز بیگم در محصولات باغ ما غلامان احوال خود را در حضور پرنور معروض داشتیم - از افضال ایزد متعال معروضات بدرجۂ قبول اُفتادہ بکرّات و مرّات تاکید شدید بر ممتاز بیگم دربارۂ امتناع خلل اندازی در محصولات باغ مسکونہ شرف صدور یافت ہرگاہ کہ تاکید حضور بگوش ہوش نشنیدند تخمیناً در ماہ ایشان دو سہ ماہ از سرکار مسدود گردید و بجہت التجائے غلامان در حضور پرنور برائے انتظام کارہائے صورت وری باغ وغیرہ بستم شعبان ۱۲۵۲ھ ہجری قدسی مطابق سی ام نومبر ۱۸۳۶ء عیسوی از سرکار دار وغہ وغیرہ بر باغ مسکونہ متعین گردید و بتاریخ بست و دوم رمضان المبارک ۱۲۵۲ھ ہجری قدسی مطابق سی و یکم دسمبر ۱۸۳۶ء عیسوی از قبول کردنِ ممتاز بیگم تمسک جعلی رتن بہارتی بر باغ مسکونہ شریف سل (SEAL) کرد - غلامان بر شریف قضیہ در کورٹ بردیم کہ خلاصۂ مضمونش اینکہ شریف عبث از ظلم و تعدی بر باغ مسکونہ مملوکۂ مایان کہ قیام الدولہ بہادر و قمر الدولہ بہادر ہستیم سل کردہ است و بسیار ظلم کرد - خلاصۂ مضمون اجوبۂ شریف آنکہ دو زنانِ خاصۂ سیف الدولہ مرحوم ممتاز بیگم و نورس بیگم بودند از قبول کردنِ ایشان زرِ تمسک رتن بہارتی بلکہ متصرفہ و مملوکۂ ایشان را سل کردم و قیام الدولہ و قمر الدولہ را ہیچ دعویٰ نمی رسد زیرا کہ مال ایشان نیست و تصرف ایشان را نیست و نمودہ اظہار لایر (LAWYER) غلامان چنین است کہ انفصال قبضہ منحصر بر ثبوت تصرف شما یعنے غلامان است والا نہ - خدا نخواستہ قضیۂ رتن بہارتی بر شریف خواہد برد - الہ سبحانہٗ تعالیٰ شانہٗ حضور پرنور الملجاو ماوائے غلامان زمرہ است و پیوستہ عنایات خداوندی مبذول و مصروف حال غلامان است و پرورشات غلامان منظورِ حضورِ پرنور است بجہت پرداز عرض احوال خود میشویم - عالم پرورا! ہرگاہ کہ شریف سل (SEAL) کرد از التجائے غلامان باغ مسکونہ در تصرف کارپردازانِ سرکار بود و تا حال است و بتاریخ دوم محرم ۱۲۵۰ھ ہجری قدسی مطابق یازدہم مئی ۱۸۳۴ء عیسویہ ارباب عدالت محکمۂ عالیہ علی باغ مسکونہ را تحویل غلامان نمودند و در تصرف غلامان بود و دری وغیرہ ہم وصول میکردیم - امیدوار فضل و کرم خداوندی ہستیم - اگر از عنایات خداوندی دار وغہ سرکار فیض آثار اولاً کیفیت تحویل کردن ارباب عدالت باغ مسکونہ را بغلامان و ثانیاً غلامان چنانکہ معروض داشتہ بتاریخ بستم شعبان ۱۲۵۲ھ ہجری قدسی مطابق سی ام نومبر ۱۸۳۶ء عیسویہ کہ بہ تحویل کارپردازانِ سرکار نمودیم در کورٹ اظہار نماید موجب سرفرازی است . زیادہ حدِّ ادب - مرقوم سوم جمادی الثانی ۱۲۵۳ھ

Marfat.com

ہجری قدسی -

سیوم جمادی الثانی سنہ ۱۲۵۳ ہجری حکم صادر شد اگر من شہادت بنام داروغہ رسد برائے رفتنش اجازت دہند - فقط -

(۴۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آداب و تسلیمات بجا آوردہ معروض میداریم از افضال ایزد متعال ارباب عدالتِ محکمہ عالیہ بنا بر دادنِ زرِ محاصلِ باغ ہمارہ لغلامان حکم دائم صادر حکم حضور پرنوری خواہند لہٰذا غلامان امیدوار فضل و کرم ہستیم کہ سرفراز خواہند شد و تقضیہ غلامان در عرصہ ہفت و ہشت روز رجوع میشود زیادہ حدِّ ادب مرقوم شانزدہم جمادی الثانی سنہ ۱۲۵۳ ہجری

(۴۸)

آداب و تسلیمات بجا آوردہ معروض میداریم دیروز داروغہ سرکار فیض آثار ہمراہِ غلامان پیش لایر (LAWYER) آمدہ بودند اکثرے از کیفیات ملی باغ استفسار نمود و پرسید کہ بعد از انتقالِ سیف الدولہ بہادر مرحوم تخمیناً بمدت چہار سال کہ در انضباطِ کار پردازان سرکار بود در آں زمان ممتاز بیگم بہ ہیچ نوع تصرفی داشتند و یا نہ - داروغہ سرکار جواب دادند کہ بہیچ نوع تصرفے ممتاز بیگم را نبود بلکہ متضمن درخواست خریدن قطعہ از ملی باغ اکثر عرضداشت نمودہ لاکن مقبول نیامد - از شنیدن کیفیت عرضداشت لایر غلامان امیدوار عرضداشت مذکورہ است و میگوید کہ ہم دلیلے قوی و متین تر - سوائے عرضداشتِ مذکورہ بر بطلان ملکیتِ ممتاز بیگم و نورس بیگم نیست لہٰذا غلامان از افضال ایزد متعال امیدوار فضل و کرم خداوندی ہستیم کہ بجز حضور پرنور غلامان را ملجا و ماوی نیست از سبحانہٗ تعالیٰ شانہٗ حضور پرنور را بر سرِ غلامان سلامت دارد - زیادہ حدِّ ادب - مرقوم ہفتدہم جمادی الثانی سنہ ۱۲۵۳ ہجری قدسی - فقط - نقل مطابق نقل

(۴۹)

نقل عرضی فیض النساء مادرِ مہر النساء مرحومہ مطابق اصل گذرانیدہ حضور پرنور آمکہ

کنیز آداب تسلیمات و لوازم کورنشات بحدِّ ادب بجا آوردہ معروضِ ملازمانِ حضور لامع النور میرساند کہ قبل از یکروز فاتحہ چہلم حسب الحکم جناب سرکار آمدہ زنانہ علاقہ قیام الدولہ بہادر وغیرہ در مکان سکونتِ کنیز یافت و بعد از فاتحہ چہلم بہادر مذکور برائے خروجِ ایں کنیز از مکان معلومہ مُصر گشتند - کنیز درخواست مکان و اسباب مرحومہ نمود و عذر اطلاع حضورِ پرنور درمیاں آوردہ بہادر مذکور پروائے عذر حکم حضور ہم نکردہ بسزائے ولی تمام از بے عزتی تجویز اخراج کردند و گفتند کہ برائے گرفتن اسباب و مکانِ استغاثہ بکورٹ با محکمہ نمایند لہٰذا کنیز ہم مثل قبل از آں مقدمہ کشیدن خروج از انجا مناسب دانستہ بر مکانِ خود آمد - امیدوار است کہ از راہ عدالت و غربا پروری اسباب و مکانِ دختر مرحومہ بکنیز دہانند باعث سرفرازی و پرورشِ کنیز است زیادہ حدِّ ادب مرقوم ہفتم جمادی الاول سنہ ۱۲۵۳ ہجری مقدسہ - عرضی -

کنیز فیض النساء مادر مہر النساء مرحومہ منکوحہ سیف الدولہ بہادر مرحوم

نقل خلاصہ عرضی مسماۃ مذکورہ بر پشتِ عرضی او بود مطابق اصل است فیض النساء مادرِ مہر النساء منکوحہ سیف الدولہ بہادر مرحوم در حقیقت بے مروتی قیام الدولہ بہادر وغیرہ ہما بارادہ اخراج عریضہ گذار از مکان بعد ادائے فاتحہ چہلم دختر مرحوم مذکورہ مفصلاً معروضداشت امیدوار است کہ از راہِ عدالت و غربا پروری اسباب و مسکن دختر بہ کنیز دہانیدہ شود -

نقل دستخط خاص حضور پرنور کہ بعرضی مسماۃ صدر مزین شدہ۔ مطابق اصل ہمیں است۔ چہارم جمادی الاول ۱۲۵۳ہجری حکم صادر شد کہ از قیام الدولہ بہادر دریافتہ شود۔

(۵۰)

جواب عرضی مسماۃ فیض النساء مادر مہرالنساء۔ نقل مطابق اصل۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آداب تسلیمات بعرض ملازمان عالی میرساند کہ پیش ازیں در ماہ صفر فیض النساء مادر مہرالنساء مرحومہ عرضی دعوئی۔۔۔ معروضاتِ انواع کید وحیلہ و بستن اہتمام لاطائل بحضور پرنور گذرانیدہ شدہ بود و بعد از دریافت از غلام بہ دوازدہم ماہ صدور حکم حضور پرنور بکاربند شدن مضمون دستخط خاص بعرض موسی الیہا مزین شدہ بود شرف صدور یافتہ۔ باوجود اجرائے حکم جہان مطاع از روئے دستخط خاص باز بحضور پرنور در بیان مقدمہ عرضی گذرانیدہ است و غلام حسب الحکم جہان مطاع اسباب متروکہ مرحومہ را ترسیل محکمہ عالیہ داشتہ و ارباب عدالت بعدم رسیدن حکم حضور پرنور بہ محکمہ درباہ گرفتن و داشتن اسباب مرحومہ تامل دارند مگر اسباب معروضہ پیش وکیل محکمہ عالیہ موجود باشد۔ اطلاعاً معروض داشتم۔ زیادہ حد ادب۔ مرقوم یازدہم ماہ شعبان المعظم ۱۲۵۳ہجری قدسی۔

عرضی۔ غلام قیام الدولہ۔

(۵۱)

آداب تسلیمات بجا آوردہ معروض ملازمان جناب فیض مآب حضور پرنور میدارد کہ سیف الدولہ بہادر مرحوم یک خانہ لداؤ بہ منکوحۂ خود مسماۃ مہرالنساء کہ دختر عاجزہ بود بخشش نمودہ و بعد شان ارباب محکمہ عالیہ بملکیت دختر کنیز وادند۔ روشن ملازمان حضور است و سوائے ایں دختر عاجزہ مبلغ خورش اونیست چنانچہ در بیماری ہمگی زندگی در خانہ عاجیۂ مقفل کردہ، فرد تفصیل نویسانیدہ نزد ایں کنیز داشتہ و بمکان نو۔۔ نقل نمود۔ چونکہ دختر کنیز بحق شد قیام الدولہ وغیرہ بتعصب بُرد و در خانۂ اسباب جملہ زندگی مقفلہ و مفصلہ قائم شد۔ اند چنانچہ قفلہا شکستہ بہتہ اسباب را نیغما نمودہ، اسباب ناقص چونکہ بمحکمہ عالی فرستادہ مفتی صاحب قبلہ نگرفتند۔ آخر او شان نزد نوکر خود داشتہ اند۔ اندریں باب عرائضیکہ بحضور رسانیدہ ام، ہشت ماہ شد کہ از حضور نزد شان فرستادہ شد نا بردہ ہنوز ہیچ جوابش نداوند۔ احتمال دارد کہ بدفتر رفتہ ترق نکنند۔ بنا علیہ کنیز امیدوار است کہ حکم فیض محکم برائے دہانیدن خانہا و زندگی مفصلہ از قیام الدولہ وغیرہ بہ کارپردازان شرف صدور شود کہ کنیز محض از حق خود سرفراز میگردد و ارشاد معلی شود کہ تا کنیز در کورٹ بجوع نمودہ بحق خود برسد موجب سرفرازی و بیوہ نوازیست۔ زیادہ حد ادب۔ عرضی۔

کنیز فیض النساء مادر مہرالنساء مرحومہ

خلاصہ: فیض النساء مادر مہرالنساء مرحومہ منکوحہ سیف الدولہ بہادر مرحوم امیدوار کہ کارپردازان سرکار معلی عریضۂ ثانیہ بذریعہ حکم محکم قضا شیم خانہا و اثاثہ متروکہ مہرالنساء مذکورہ از قیام الدولہ وغیرہ بہ ربیعہ گذار باز دہانند یا حکم رجوع بکورٹ بہ صدور یابد۔ یازدہم ذی قعدہ ۱۲۵۳ہجری قدسی حکم صادر شد کہ ایں عرضی برائے دریافت نزد مدعی علیہم مدد۔

(۵۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Marfat.com

از انفصال ایزد متعال حکم خداوند بداون محصولات باغ قبلہ گاہی مبتدل حال غلامان گردید چوں مسکنہ باغ دردادن وری وغیرہ شرارت ہای کنند وبسیار برآنہا باقی ماندہ است ازیں ممرو عرصہ دوسال مبلغ شش صد ہفت صد روپیہ وصول شدہ است لہذا غلامان اُمیدوار ہستیم کہ شخصے از معتمد باغ قبلہ گاہی را اجارہ یک ہزار دو صد روپیہ سالانہ درخواست دارد از ترحم خداوندی حکم پُرنور بداون اجارہ شرف صدور یابد موجب سرفرازی است و نوبت غلامان در معاملات قبلہ گاہی بجائے رسیدہ است کہ بیرون خانہ نمی توانیم بیائیم - زیادہ حد ادب - عرضی

غلامان قیام الدولہ بہادر و قمر الدولہ بہادر

مرقوم بست و پنجم شعبان ۱۲۵۴ھ ہمراہ ایں عریضہ حساب وصولات راہم گذرانیدہ بودم بہذا ۱۵ شعبان حکم صادر شد کہ ایں عرضی مع حساب برائے تجویز ارباب عدالت فرستادہ شود -

جواب مفتی صاحب : بسبب فسادات باغ مثل سابق وصول نمیگردد اگر آں شخص کہ درخواست میکند مال ضامن معتبر دہد اجارہ دادن مضائقہ ندارد

مرقوم دوم ماہ رمضان المبارک ۱۲۵۴ھ ہجری

دوم رمضان ۱۲۵۴ھ ہجری حکم صادر شد کہ جواب مفتی صاحب بعرض گذاران اطلاع دادہ شود -

(۵۳)

آداب تسلیمات بجا آوردہ معروض میداریم بنابر اجارہ دادن باغ قبلہ گاہی کہ غلامان سابق عرضی بحضور پرنور گذرانیدہ بودیم بتاریخ دوم ماہ رمضان المبارک ۱۲۵۴ھ از محکمہ عالیہ حکم صادر شد کہ اگر آں شخص کہ درخواست اجارہ دارد مال ضامن معتبر دہد اجارہ دادن مضائقہ ندارد - حالم پدر را غلامان و از مستاجر اطمینان تمام است و حسب الحکم ارباب عدالت عالیہ غلامان مال ضامن ہستیم بسبب حالات شرارت ساکنان باغ وری وصول نمی شود مستاجر ماہوار صد روپیہ بحکم عالیہ خواہد رسانید دریں باب ہرچہ حکم حضور شرف صدور یابد سرفرازیست - مرقوم بست و یکم شوال ۱۲۵۴ھ عرضی ...

غلامان قیام الدولہ بہادر و قمر الدولہ بہادر

(۵۴)

صاحبان مشفقان والاشان سلمہا اللہ تعالیٰ

عرائض تجویزات سیف الملک بہادر مرحوم و عافیہ بانو برائے مطالعہ آں صاحبان ملفوف باید کہ احوال یک یک بالتفصیل کماحقہ برنگارند و عرائض ملفوفہ واپس دادند - زیادہ چہ بطراز د -

کرنل والبول گورنمنٹ ایجنٹ

مرقوم بست و نہم مارچ ۱۸۳۹ء موصولہ چہارم اپریل ۱۸۳۹ء

بگرامی مطالعہ قیام الدولہ و قمر الدولہ سلمہ اللہ تعالیٰ موصول باد - (دستخط)

ایں مسودہ خط از طرف قیام الدولہ و قمر الدولہ بہ گورنمنٹ ایجنٹ در رسید) :- در ترچناپلی مرکل مایان حسام الملک حال مع اکثر اطفال و علایق خود ہستند و در ماہ پنشن ایشان در رسیدن از خزانہ وصول شدن با عرصہ زیادہ می کشد کہ تا بستم ماہ انگریزی وصول بہ مایان می شود و مایان را بنا بر فرستادن زر بحسام الملک و علایق شان عرصہ ہفتہ عشرہ می کشد ازیں ممر تصدیعہ بہ حسام الملک و علایق حسام الملک می شود بنابرایں توقع داریم بہ کلکٹر صاحب ترچناپلی چنیں حکم صادر گردد کہ بعرصہ یازدیم ماہ انگریزی مبلغ پانصد روپیہ منجملہ پنشن حسام الملک حال بالا ایشان یا بہ پسر کلان شان محمد عبد اللہ خان بہادر در ماہ بہ رسیدہ بخزانہ کمپنی بفرستند تا مایان در پنشن

Marfat.com

شان در خزانہ کمپنی مجرا بدہیم و مابقی زر بعد وصول درماہہ از خزانہ کمپنی مایان خواہیم فرستاد - توقع کہ از قبولیت این امر حسام الملک را ومایان را ممنون فرمایند
مرقوم بست و پنجم رجب ۱۲۵۵ھ قیام الدولہ - قمر الدولہ -

(۵۵)

ھو الکریم

نقل مطلب عرضی شیخ عبداللہ و شیخ میرن سابقاً ملازمان سیف الدولہ بہادر مرحوم موسوم بہ گورنر صاحب - موصولہ رقعہ گورنمنٹ ایجنٹ مورخہ دہم فروری ۱۸۴۲ء عیسویہ -

عرضی گذاران بکمال ادب بتوقع دادرسی وانصاف بہ آنجناب کہ شہرہ آفاق است معروض میدارند کہ عرضی گذاران حین حیات سیف الدولہ بہادر مرحوم بہ پیشہ سپاہی گری نزد ایشان نوکر بودند و مستحقاق بقایائے درماہہ مدت پنج سال میدارند - بعد انتقال بہادر مذکور عرضی گذاران درباب بقایائے خود ہا بگورنمنٹ معروض داشتند - گورنمنٹ این مقدمہ بہ ایجنٹ رجوع فرمودند - درآن زمان بوارثان مرحوم مذکور حکم شد کہ بہ ادائے زر دعاوی عرضی گذاران پردازند قیام الدولہ فرزند مرحوم مزبور بہ تحقیق دعاوی عرضی گذاران پرداختند از آنجا کہ املاکِ مرحوم در قضیہ و فساد بود بنابران ایشان وعدہ کردند کہ بمجرد انفصال تفضیہ مذکور فیصلہ دعاوی عرضی گذاران خواہند ساخت اکنون تفضیہ املاک مذکور مطلقاً باقی نماندہ لیکن فرزندان مرحوم مذکور یعنی قیام الدولہ و قمر الدولہ بہادر بادائے زر دعاوی عرضی گذاران غفلت می نمایند و ہیچ درایں باب تجویز نمی کنند لہٰذا عرضی گذاران بعرض احوال پریشان اشتمال خود ہا می پردازند کہ از آنجا کہ گورنمنٹ حامیِ غربا و درماندگان ہستند -

ہس لارڈ شپ از راہ عنایت تجویز مہربانہ درحق عرضی گذاران فرمودہ این مقدمہ اہم گورنمنٹ ایجنٹ رجوع خواہند فرمود تا بجلد صورت انفصال دعاوی عرضی گذاران گردیدہ آید -

(۵۶)

آداب تسلیمات بجا آوردہ معروض میداریم کہ عرضی گذاران شیخ عبداللہ و شیخ میرن بر غلام قیام الدولہ کہ دعوی کردہ اند کہ غلام وعدہ دادہ بود بمجرد انفصال تفضیہ باغ بادائے زر دعوی عرضی گذاران خواہم پرداخت - عالم پرورا! چونکہ عرضی گذاران دعاوی زر ملازمت خود بہ قبلہ گاہی از غلام نمودند با آنہا جواب دادہ بود کہ اگر نوکری شما ہا از روئے دفتر ثبوت رسد و املاکِ قبلہ گاہی بتصرف ما شایاید بر آئینہ فیصلہ شما ہا نمودہ خواہد شد - حالا غلامان از دفتر قبلہ گاہی دریافت نمودیم ملازمت اینہا ثبوت نمی رسد - دعوی شیخ عبداللہ و شیخ میرن باطل است - ازین قبل مردمان کثیر بعد انتقال قبلہ گاہی دعوی ہائے باطل نمودہ اند بعد دریافت ثبوت نرسیدہ است - زیادہ - عرضی -

غلامان قیام الدولہ و قمر الدولہ مورخہ ۱۸ صفر ۱۲۵۸ھ

(۵۷)

(عرضی نمبر ۵۵ پر گورنمنٹ ایجنٹ کا جو حکم (انگریزی میں) صادر ہوا تھا - اس کا مطلب نواب عظیم جاہ کو یہاں فارسی میں پیش کیا گیا):-

مطلب رقعہ گورنمنٹ ایجنٹ بجناب ہس ہائنس عظیم جاہ بہادر نواب میرساند

درجواب رقعہ حضور مورخہ ہشتم فروری گذشتہ نقل فقرہ ایجنٹ تجویز قرار نامہ دوم شہر حال کہ از سکریٹری گورنمنٹ درعلاقہ پولیٹکل رسید برائے

Marfat.com

اطلاع حضور ارسال میدارند والتجا می نمایند که حضور از راه عنایت فہرست اسمار کسانیکہ اولاً درمیان آنہا تقسیم شدہ حصہ کہ بہر یک میرسد و فوتی و فراری کہ بعدازان بوقوع آمدہ باشد در دراہہ و پنشن ہائے کسانیکہ اولاد در فہرست مذکورہ مردہ گشتہ باشند بگورنمنٹ ایجنٹ خواہند فرستاد - فقط -

(۵۸)

ترجمۂ فقرہ ایجنٹ بجویز مرقوم دوم اپریل سنہ ۱۸۴۱ عیسویہ

بخوانند خطِ ذیل گورنمنٹ ایجنٹ جنرل محررہ سیز دہم مارچ سنہ ۱۸۴۱ء رائٹ ہانرابل گورنر و کونسل، استطلاع می نمایند کہ آیا مردمانِ مندرجۂ فہرست کہ بصحابتِ خطِ صدر رسیدہ ہمان علاقہ دارانِ قدیم سیف الدولہ اند کہ برائے پرورشِ آنہا لبیز دہم دسمبر سنہ ۱۸۱۲ء درماہہ جاری گردیدہ، معلوم می شود کہ بقیام الدولہ و قمرالدولہ سوائے درماہہ ذاتیہ ایشانان حکم شدہ بود کہ مبلغ چہار صد وسی روپیہ دوازدہ آنہ ماہوار بنابر فواتحہ سالانہ پدر و پرورشِ علاقہ دارانِ قدیم پدرایشان - حاصل کنند - لیکن چونکہ این مبلغ (ربے) تخفیف و تقلیل علیٰ حالہ است بدلیل فہمیدہ می شود کہ این صاحبان تصوّر می کنند کہ خود ہا را اختیار است کہ بے اطلاع فوتی و فراری علاقہ دارانِ مذکورین کُل مبلغ مذکور صرف نمایند - بنابرآن قرار دادہ شود کہ بگورنمنٹ ایجنٹ التجا کردہ اند یک فہرست مشتمل بر اسمائے مردانیکہ اولاً زرِ مذکور درمیان آنہا تقسیم کردہ شدہ و حصہ کہ بہر یک می رسد و فوتے و فرارے کہ بعدازاں بوقوع آمدہ باشد و اسمائے پنشن ہائے کسانیکہ در فہرستِ مذکور آوردہ شدہ باشند، بگورنمنٹ فرستند - فقط -

(۵۹)

بسم الرحمٰن الرحیم

آداب و تسلیمات و قواعد کورنشات بجا آوردہ معروض میداریم غلامان بہ پنج شوال سنہ ۱۲۵۱ ہجری مقدسہ عرضداشت متضمن درخواست حساب اقراض قبلہ گاہی مرحوم کہ متعلق بکارپردازان سرکار بود بحضور پُرنور گذرانیدہ بودیم الحمدللہ والمنۃ از افضالِ خداوندی التجائے غلامان بدرجہ اجابت رسیدہ حکم حضور پُرنور بدادنِ حساب اقراض قبلہ گاہی شرف صدور یافتہ بود. در آں زمان بحسبِ ضرورۃ از بعض حساب اقراض قبلہ گاہی سرفراز شدیم - درینولا بسبب ہراج باغ بہ غلامان لازم افتاد کہ باز مجدداً قضیہ را در کورٹ رجوع سازیم و دریں قضیہ کہ ایکوئٹے می نامند حساب جمیع اقراض قبلہ گاہی ضروری افتاد از افضال ایزد متعال چونکہ پرورشات خداوندی پیوستہ مبذول حال غلامان است جرآت پرداز عرض احوال خود گردیدہ امیدوار فضل و کرم خداوندی ہستیم کہ بکارپردازان سرکار فیض آثار حکم حضور بدادن ہمگی حساب اقراض قبلہ گاہی من ابتدائے رجب المرجب سنہ ۱۲۳۹ لغایتہ ۲۳ محرم الحرام سنہ ۱۲۴۴ شرف صدور یابد کہ موجب سرفرازی غلامانست زیادہ حدِ ادب. معروضہ پانزدہم محرم سنہ ۱۲۵۵ - عرضی - غلامان قیام الدولہ بہادر

مہر | قمرالدولہ ۱۲۴۴ھ جنگ انور بہادر |

حاصل دستخط: بدادن حساب چہ تعارض است ؟

(۶۰)

بنابر اقبال ممتاز بیگم و نورس بیگم در کورٹ دربابت، تمسک جعلی رتن بہارتی و روبکارِ غلامان بر تمسکِ جعلی مذکور بمیامن ایزد متعال از - ہمگی

لہ حاشیے میں ہے :- سیزدہم دسمبر سنہ ۱۸۳۱ء نمبر سہ صد و پنجاہ و یک و بست و دوم جون سنہ ۱۸۳۱ء نمبر ۱۲ و ۱۳ -

Marfat.com

ورثۂ قبلہ گاہی ساقط شدہ بر ممتاز بیگم و نورس بیگم در کورٹ سابقا ثابت شدہ بود لہذا امروز کہ چہارم ذی الحجہ الحرام ۱۲۵۴ھ شریف با... - آمدہ بر خانۂ نورس بیگم کہ متصل شارع عام واقع است سیل نمودہ خواست از دروازۂ کلان باغ قبلہ گاہی آمدہ بر دروازۂ ممتاز بیگم ہم سیل نماید - غلامان شریف را متنبہ نمودیم کہ در باغ ما یان آمدن شما ہا مناسب نیست - این سخن شنیدہ برگشت و بر خانۂ ممتاز بیگم شد - واجب بود بعرض رسانیدیم - زیادہ حد ادب - مرقوم چہارم ذی الحجہ ۱۲۵۴ھ بحضور نواب عظیم جاہ بہادر -

عرضی - غلامان قیام الدولہ و قمر الدولہ

(۱/۶)

بحضور نواب عظیم جاہ مدظلہ

آداب تسلیمات بجا آوردہ معروض میداریم کہ از افضال ایزد متعال چونکہ مراحم خداوندی مصروف پرورشات غلامان بود لبعد انتقال قبلہ گاہی غلامان را مشار الیہ ساختہ... - ملے الاطلاق نے تعیین و تفصیل اسامی بنام غلامان اجرا یافتہ منظور بود لا بتاریخ بست و چہارم دسمبر ۱۸۳۹ء عیسویہ شش روپیہ بنا بر فوق منجملہ رسید بجاہ... - برائے پرورشے ملازمان و کنیزان وغیرہ جد مرحوم سیف الملک کہ بنام غلامانست منہا گشتہ - نظر بر ترحم خداوندی جرأت پرداز عرض احوال خود ہستیم کہ مطابق قانون سرکاری کہ تا حین حیات مشار الیہ رسیدہ فی تعیین و تفصیل از سرکار فیض آثار -

حضرت سیف الدولہ مرحوم نیز فوق کنیزان وغیرہ محسوب نمودہ... - امیدوار ہستیم کہ عرض غلامان گورنر ان کونسل مرسول وارثان قبلہ گاہی شدہ ز سند موسومۂ غلامان کہ برائے پرورشے ملازمان و کنیزان وغیرہ مرحمت گردد تا کہ از عنایات خداوندی بصرف دیگر مستحقان خواہد آمد - زیادہ حد ادب - معروضہ بستم محرم ۱۲۵۵ھ

عرضی ——————

غلامان قیام الدولہ و قمر الدولہ -

Marfat.com

رسالہ گنج الاسرار

سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد میں ایک مخطوطہ ہے جس کا نام سر ورق اسطرح آتا ہے۔

"رسالہ شیخ الاسلام فریدالحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز"

مخطوطے کے آغاز و اختتام کی عبارتوں میں یہ صراحت ہے کہ اس رسالہ کا نام گنج الاسرار ہے اور اس کے مصنف حضرت فریدالدین مسعود ابن سلیمان ابن ابی بکر ابن عمر صلاح (رحمھم اللہ) ہیں اس نام سے معاً یہ خیال آتا ہے کہ یہ مصنف غالباً حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ (م سنہ ۶۶۴ھ) ہوں گے۔ کیونکہ ان کا اسم گرامی بھی مسعود ابن سلیمان ہے لیکن عام تذکروں میں ان کا نسب نامہ اس طرح آتا ہے۔

شیخ فریدالدین مسعود ابن جمال الدین سلیمان ابن شیعب[1] ابن احمد شاہزادہ ابن خواجہ یوسف شہزادہ ابن شیخ محمد ابن شہاب الدین ابن شاہ احمد فرخ شاہ (بادشاہِ کابل)......[2]

یعنی معلوم ہوا کہ بابا صاحب علیہ الرحمہ کے اسلاف ہمارے مخطوطے کے مصنف کے اجداد

---

[1] شیخ شعیبؒ (فاروقی) کے صاحبزادے شیخ عبداللہ کی اولاد میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ہیں

[2] یہ نسب نامہ خزینۃ الاصفیاء جواہر فریدیہ اور اورینٹل کالج میگزین لاہور (فروری سنہ ۱۹۶۱ء صفحہ ۱۱۸) میں درج ہے۔

سے مختلف ہیں۔ مزید یہ کہ اسی رسالہ کا ایک نسخہ جو انڈیا آفس، لندن میں (بحوالہ فہرست مخطوطات جلد اوّل۔ صفحہ ۱۵۱۲ مخطوطہ نمبر ۲۸۰۲/۳) موجود ہے اس میں مخطوطے کا نام اس طرح آتا ہے۔

"رسالہ بابری دربیان وشرح معرفتِ دل وماہیتِ آن"!

اور مصنف کے نام کے آخر میں بخاری لفظ کا اضافہ ہے۔ اس لئے یہ بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمہ اس رسالے کے مصنف نہیں ہیں۔

اسی رسالے کا ایک اور نسخہ برٹش میوزیم، لندن میں بھی موجود ہے اور وہاں کی فہرست جلد دوم (صفحہ ۸۶۲ ب۔ نمبر ۷) میں اس طرح ذکر آتا ہے کہ یہ رسالہ دراصل اس حدیث کی شرح میں ہے۔

لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن

مصنف کے حالات سوائے ان چند ناموں کے اور کچھ معلوم نہیں۔ البتہ گنج الاسرار۔ گنج العرش جیسی ترکیبیں (کہ ایک لفظ فارسی کا اور ایک عربی کا ہے) گیارھویں صدی ہجری سے پہلے ہمارے ملک میں نظر نہیں آتیں۔ پھر مصنف نے ماہیتہ قلب اور ذکر خفی کا جس انداز سے ذکر کیا ہے وہ زیادہ تر نقشبندیہ ہے اس لئے خیال ہوتا ہے کہ مصنف کا زمانہ غالباً غیر منقسم ہندوستان میں گیارھویں صدی ہجری کے بعد ہی رہا ہوگا۔ بہرحال یہ مفید اور نایاب رسالہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے ساتھ ہی اردو ترجمہ بھی پیش کیا جاتا ہے۔

رسالہ شیخ الاسلام فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز

الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ علیٰ رسولہ محمد وآلہ اجمعین۔ وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا۔

درویش فرید مسعود سلیمان ابو بکر عمر صلاح عفر اللہ لہ ولوالدیہ کہ این رسالہ گنج الاسرار فارسی دربیان شرح معرفت دل وماہیت آن در قلم آورد و بر چہار فصل بنا نہاد۔

فصل اوّل در معرفت دل۔ فصل دوم در پاس انفاس۔ فصل سوم در شرح دل

فصل چہارم در اظہار وحدانیت و آفرینش مہتر آدم صفی صلوٰۃ علیہ ۔ فصل اول در معرفت دل ۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکایتہ عن اللہ تعالیٰ لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المؤمن ۔

ازین مراد وسعت دل بندۂ مومن است ۔ معنی چناں باشد کہ حق تعالیٰ می فرماید نیست در خزانیِ قدرت من نہ اندر زمین و نہ اندر آسمان من مگر آنکہ در فراخی قدرتِ من دل بندۂ مومن است ۔ اکنوں عزیز من اگر گوید دل پارۂ گوشت است بدین فراخی آسمان و زمین یعنی وسعت دل مومن چوں راست آید گفت ہر گاہ کہ دل مومن بصلح آید ۔ قال علیہ السلام ان فی جسدِ بنی آدم لمضغتہ اذا صلحت صلح بھا سائر الجسد الا وھی القلب واذا فسدت فسد بھا سائر الجسد ۔ یعنی بہ درستی کہ در وجود بنی آدم پارہ گوشت است چوں او صلاح یافتہ بداں جسد صلاح یابد و چوں او فساد یافتہ بداں جملہ جسد فساد یابد و آں دل است و صلاح دل حاصل نہ شد آنکہ تزکیہ و تصفیہ و تجلیہ نہ کند تزکیہ پاکی نفس است از اوصاف ذمیمہ ۔ پس یقین باید دانست کہ نفس پاک نہ شود مگر از غایت ریاضت و مجاہدت و طاعت تا گوشتہا و خونہا کم نہ شود و از کار بمغز استخواں رسد و مغز استخواں نیز بگدازد آں گاہ نفس پاک شود ۔ بعد ازاں بحکم حدیث رسول علیہ السلام کار کردہ شود ۔ اتحبون الجنتہ مرا بغض الغنم فنوا للہ لن قد خلو ھا ابداً حتیٰ تکونوا کالمبروۃ الغنی تنزل من السمأ وذالک اما بالتوبۃ او بالعفوا و بمضی حدۃ العذاب بقدر الجنایۃ واصل این کم خواری و شب بیداری است و کم خواری و شب بیداری دست نہ دہد تا خشک نہ خورد کہ ہر چند کہ خشک می خورد نفس می کاہد چوں کم خواری بقدر نیم سیر رسد گوشت اندام ہمہ بریزد و خونہا کم شود ۔ عزیز من گرانی جوارح و سستی اندامہا در طاعت تا مادام است کہ گوشتِ اندام کم نہ شدہ است ۔ ہر گاہ کہ گوشت و خون کم شد بعد ازاں جوارح در طاعت سبک آید ۔ آں گاہ این چنین کم خواری و شب بیداری حاصل گردد ۔ و ہمگی طاقت بشری در نوافل بسیار صرف کند خاصہ در شب چنانچہ حق تعالیٰ در قرآن مجید

Marfat.com

می فرماید۔ ومن اللیل فتہجد بہ نافلۃ لک عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً۔ چوں کار بہ استقامت پذیرد نفس پاک شود تزکیۂ ایں است۔ ایں با جذب صفات حاصل آید وحصول مقصود در تصفیۂ دل است تا از آں گوہر دل پیدا آید و دل صاف نہ شود تا پاس انفاس نہ کنند۔

فصل دوم۔ در پاس انفاس ہر نفس کہ برآید و فرو نشیند مرید را باید کہ ذاکر باشد قالَ علیہ السلام لکلّ شیءٍ مصقلۃٌ ومصقلۃ القلب ذکراللہ تعالیٰ۔ اکنوں عزیز من پاس انفاس ہر دو نوع است۔ نوع اوّل ذکر جلی۔ نوع دوم ذکر خفی۔ پس مرید را باید کہ در ابتدائے حال در پاس انفاس بذکر جلی مشغول باشد۔ ذکر جلی ذکر زبان است و در گفتن زبان مواظبت نماید تا حضور حاصل شود واصل حضور آنست کہ زمان ومکان نفس حاصل آید زمان برآمدن نفس است ومکان فروآمدن نفس است باید کہ برآمدن و فروآمدن نفس از ذکراللہ تعالیٰ خالی نباشد۔ آنگاہ از کثرت ذکر جلی ذکر خفی حاصل آید پس سالک را ذکر خدائے عزّ وجل آنست کہ دریں بیست و چہار ساعت کہ در ہر ساعت ہزار نفس است ہمہ در طاعت گذارند۔ آنگاہ سالک راہ خدائے تعالیٰ باشد۔ اکنوں عزیز من طاعت بر دو نوع است طاعتِ ظاہر وطاعت باطن اوّل حالِ مریداں طاعتِ ظاہری در پاس انفاس وبصوم وصلوٰۃ وکم خوردن وکم گفتن وکم خفتن وذکر زبان کردن است۔ فاما طاعت باطن در پاس انفاس، ذکر خفی است۔ ساعتے از آں ساعتہا بیست وچہار ساعت نفس را آنگاہ وارد تا حدِ تنگی نفس رسد و در او ہم ذاکر باشد۔ چوں کار از حدِ تنگی نفس بگذرد وطاقت بشریِ محو شود۔ ازیں چنیں اشتغال از تنگیِ انفاس باطن یک ساعت است کہ دراں ساعت تنگی نفس مدخل خطرات نیست۔ ایں بیست وچہار ساعت و بیست و چہار ہزار نفس کہ شاں روز است۔ دریں ساعت در می آید چنانچہ در خبر آمدہ قال النبی علیہ السلام الدنیا ساعۃٌ فاجعلھا طاعۃ وایں طاعتِ باطن در پاس انفاس بذکر خفی (است) کہ ایں ساعت بہتریں ساعتہا است و در خبر آمدہ است۔ قال علیہ السلام تفکر ساعۃ خیرٌ من عبادۃ ستین سنۃ۔ اے عزیز من مراد ایں تفکر

ساعت پاس انفاس راست)، ہرگاہ کہ ساعتے از آں ساعتہا تفکر کند در پاس انفاس
در دہم ذاکر باشد تا حدِّ تنگی نفس رسد کہ ایں تصفیۂ دل است و دل صاف نشود تا در اد
دہم ذکر نباشد باید کہ نفس را بندد کہ حدِّ تنگی نفس سخت تر است از آتش زیراچہ
از آتش تنگی نفس پیچھلے کہ گرد دل است بگداز د و پردہ ہائے کہ فرد دینہ است
خشک شود و الخناس مثل کاہ خشک گردد و فرد د پردہا نشستگاہِ الخناس است
کہ وے بر سرِ سویدائے دل نشستہ است کما قال اللہ تعالیٰ - الخناس الذی
یوسوس فی صدور الناس من الجنۃ والناس برائے دفع ملعون ساعۃً فساعۃً
بدوام پاس انفاس بذکر مشغول باشد - ایں محاربہ کردن است بر الخناس و بر لشکر او و ہوا
اے عزیز من جہاد اکبر آنست کہ در خبر آمدہ است - قال علیہ السلام رجعنا من الجہاد
الاصغرِ الی الجہاد الاکبر مراد پاس انفاس است بذکر خفی - ساعتے از ساعتہا
کہ گفتہ شدہ است نفس را بندد تا حدِّ تنگی نفس رسد (م) در اد ہم ذاکر باشد - قال اللہ
تعالیٰ - ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ - چوں انکار حدِّ تنگی نفس بگذرد اند طاقت
بشری محو شد - پس عمودے از نور جلی حضرت قدس در باطن بندہ فرود آید - ایں جا جذب
ذات حاصل آید - نفس صفت دل گیرد و دل صفت روح گیرد - ازیں روح مراد گنج دل است
کہ در آں گنج ہفت ودہ ہر گنج گوہر است - ایں نور تجلی ایں گوہر ہا را جذب کند و روشن
گرداند - الخناس و خطرات و جمیع اوصاف ذمیمہ دفع گردد -

حکایت عن اللہ تعالیٰ - یا عبدی انا عند ظنک وانا معک اذا دعوتنی
ادعوک - یعنی اے بندہ من - من نزدیکِ گمان توام - حال اینست کہ من با توام
چوں مرا بخوانی من ترا بخوانم - یعنی بندہ از خدائے ہم خدائے را خواہد اکنوں عزیز من
طاعت باطن اینست - پس مرید را باید کہ برائے تصفیۂ دل دم بدم از یاد حق تعالیٰ
(غافل ؟) نباشد - زیراچہ ایں دم ہائے حیواۃ را دایں قالب فانی شمارے نہادہ است
ہر یک نفس کہ می رود از عمر گوہر بستاندکاں را خرج ملک ، ہر دو عالم بہا بود -
ہیچ کیں خزانہ دہی رائیگاں بباد وانگہ روی بخاک تہی دست و بے نوا

Marfat.com

تتمہ انفاس خلاصہ دریاد حق صرف تا آں دم پیس کہ ایمان بر بستہ آں دم است و تا ایمان
از درمرگ بسلامت برد۔ زیرا چہ وجود شخص در عمر گذشتہ سالہا بایں وہا حیواۃ
بمحبتہائے فانی الفت گرفتہ بود از برائے قطع محبتہائے فانی دم بہ دم از یاد حق
تعالی خالی نباشد و یادداشت حق درا وہم ذاکر بودن ست در پاس انفاس
قال اللہ تعالی :- فاذکرونی اذکرکم - چوں بندہ ایں چنیں در یادداشتِ حق
شود خود را فانی بشمرد۔ حضرت عزت را باقی ۔ زہے باقی کہ در قالب فانی چوں سالک
در حدِّ تنگی نفس دریابد زمان اول ارادہ است ذاکر در برآمدنِ انفاس بذکر جلی ہم مواظبت
نماید تا در دل بکشاید و دل را دو درّہ است یکے بالا و دوم فرود برآمدن انفاس از در بالا
دو) آں کشادہ نگردد مگر از کثرتِ ذکر جلی۔

فصل سوم در شرح دل ۔ عزیز من، صورتِ دل بمثل گل نیلوفر است دو رخ
دارد۔ و ہر دو رخ الخناس فرود گرا است بمثل عنکبوت تنہ کردہ و بافتہ و پردہ ہا فرو
ہشتہ۔ قرارگاہِ او فرد پردہاست و دل نیز پردہا دارد بمثل پردہائے گل نیلوفر
دکہ) در پردہائے الخناس است۔ پس سالکِ راہ خدائے تعالی در زمان برآمدن نفس
باید کہ بذکر جلی مشغول باشد۔ از کثرتِ ذکر جلی در بالا آئینۂ دل کشادہ شود و درون دل
ہفت پہلو است و در پہلوئے جائے گوہر است ۔ اوّل گوہر ذکر است ۔ دوم گوہر
عشق ۔ سوم گوہر محبت ۔ چہارم گوہر سر است ۔ پنجم گوہر روح است ۔ ششم گوہر معرفت
است۔ ہفتم گوہر فقر است ۔ دل را سبب ایں معنی گنج خوانند و الخناس موکل است۔
بریں گنج عزیز من درون دل غلیظ است ۔ پاک نشود مگر بپاس انفاس و پاس
انفاس ہر دو نوع است ۔ یکے ذکر جلی، دوم ذکر خفی ۔ درون و بیرون دل بعلت بسیار
غلیظ شدہ است ۔ از غذاہائے نا وجہ و محبتہائے فانی و صورت الخناس مثل صورت
اژدہا بینی کہ خرطوم دارد ۔ سر خرطوم خارے پر زہر گاہ کہ مرید طعام نا وجہ می خورد الخناس
ذوقی می گیرد و خرطوم خار دار گرد دل می گرداند و زہر خار می کند ۔ خطرات و محبتہائے فانی
و جملہ اوصاف ذمیمانہ آنجا متولد می شود۔ پس عزیز من حصول تصفیۂ دل در قلت

Marfat.com

اکل است واصل قلتِ اکل، خشک خوردن است وپاس انفاس۔ تاصورت الخناس ضعیف شود۔ وپیچیہائے غلیظ بگدازد وپردہ ہا گرد فرودینہ است خشک شود۔ ودر پاس انفاس بذکر جلی مشغول شود۔ بعدازاں در بالا آئینہ دل کشادہ گردد نوع دوم در پاس انفاس ذکر خفی است کہ نفس را بندد ودر وہم ذاکر باشد تا کارِ حدِ تنگی نفس رسد۔ پردہا کہ درون دل کشادہ گردد ودرون دل غلیظی کہ ہست بردد۔ وہر ہفت پہلو کہ اندرون دل است جائے گوہر، سالہا بسیار از غذاہائے نا وجہ کہ ہوائے نفس تصرف کردہ است از شومتِ آں اثر گوہر ہا سیاہ مکدر شدہ است واز وصف خود بے وصف گشتہ۔ ہرگاہ کہ سالک ساعتے از ساعتہا کہ گفتہ امر پاس انفاس کند بذکر خفی ونفس را بندد تا از حرارت تنگی نفس کہ در تہا کہ دردن ہفت پہلو است مصفا شود مآں ہر ہفت گوہر بر صفت خود باز آید ودر فرودینہ سخت تنگی است وپردہا درفرودینہ را سوراخ مثل باریک سوزن است۔ چندانی نفس بندد تا نفس ازیں سوراخ بیرون آید قال اللہ تعالیٰ حتیٰ یلج الجملُ فی سم الخیاط۔ ایں سوراخ درفرودینہ کہ سالہامی گذشتہ مسدود شدہ است کشادہ نگردد، کشادہ نگردد، تا تزکیہ وتصفیہ وتجلیہ نکند۔ عزیز من ایں عمر از برائے حصول سہ مراتب است، شریعت وطریقت وحقیقت حصول شرایت در تزکیہ نفس است بہ کم خوردن ونوافل بسیار کردن، خاصہ در شب، وحصول طریقت در تصفیۂ دل است در صوم وپاس انفاس بذکر جلی وحصول حقیقت در تجلیۂ روح است بداشتن روزہا طے پاس انفاس بذکر خفی بعدازاں درفرودینہ دل کشادہ گردد تجلیہ آں جا حاصل شود قال اللہ تعالیٰ انا جلیس من ذکرنی۔ اینجا درست آید۔ حق تعالیٰ می فرماید من ہم نشیں آں کم کہ مرا یاد کند۔ حق تعالیٰ بندہ را بوصف نزدیک باشد وبوصف بودن آنست کہ ہفت گوہر کہ درون گنج است روشن شود، اول وصف گوہر ذکر ظاہر شود وصف وجود گوہر ذکر آنست کہ در موجود منفرد گرداند باعبدی انا عندظنک د انا معک اذا وعوتنی ذکراً کثیراً ایں جا حاصل شود من احب شیئاً

Marfat.com

تتمہ انفاس خلاصہ دریاد حق صرف تاآں دم پس کہ ایمان بر بستہ آں دم است و تا ایمان از درمرگ بسلامت برو۔ زیراچہ وجود شخص در عمر گذشتہ سالہا باین وہا حیوٰۃ بمحبتہائے فانی الفت گرفتہ بود از برائے قطع محبتہائے فانی دم بہ دم از یاد حق تعالیٰ خالی نباشد و یاد داشت حق در او ہم ذاکر بودن ست در پاس انفاس۔ قال اللہ تعالیٰ:۔ فاذکرونی اذکرکم۔ چوں بندہ این چنیں در یاد داشت حق شود خود را فانی بشمرد۔ حضرت عزت را باقی۔ زہے باقی کہ در قالب فانی چوں سالک در حد تنگی نفس دریابد زبان اول ارادہ است ذاکر در برآمدن انفاس بذکر جلی ہم مواظبت شاید تا در دل بکشاید و دل را دو درّہ است یکے بالا و دوم فرود برآمدن انفاس از در بالا (د) آں کشادہ نگردد مگر از کثرت ذکر جلی۔

فصل سوم در شرح دل۔ عزیز من، صورت دل بمثل گل نیلوفراست دو رخ دارد۔ و ہر دو رخ الخناس فرود گراست بمثل عنکبوت تنہ کردہ و بافتہ و پردہ ہا فرود ہشتہ۔ قرارگاہ او فرود پردہاست و دل نیز پردہا دارد بمثل پردہائے گل نیلوفر (کہ) در پردہائے الخناس است۔ پس سالک راہ خدائے تعالیٰ در زبان برآمدن نفس باید کہ بذکر جلی مشغول باشد۔ از کثرت ذکر جلی در بالا آئینۂ دل کشادہ شود و در درون دل ہفت پہلو است و در پہلوئے جائے گوہر است۔ اوّل گوہر ذکر است۔ دوم گوہر عشق۔ سوم گوہر محبت۔ چہارم گوہر سر است۔ پنجم گوہر روح است۔ ششم گوہر معرفت است۔ ہفتم گوہر فقر است۔ دل را بسبب این معنی گنج خوانند و الخناس موکل است برین گنج عزیز من درون دل غلیظ است۔ پاک نشود مگر بپاس انفاس و پاس انفاس ہر دو نوع است۔ یکے ذکر جلی، دوم ذکر خفی۔ درون و بیرون دل بعلت بسیار غلیظ شدہ است۔ از غذاہائے نادجہ و محبتہائے فانی و صورت الخناس مثل صورت اژدہا بینی کہ خرطوم دارد۔ سر خرطوم خاردے پر زہر گاہ کہ مرید طعام نادجہ می خورد الخناس ذوقی می گیرد و خرطوم خار دار گرد دل می گرداند و زہر خار می کند۔ خطرات و محبتہائے فانی و جملہ اوصاف ذمیمانہ آنجا متولد می شود۔ پس عزیز من حصول تصفیۂ دل در قلت

Marfat.com

اکل است واصل قلت اکل، خشک خوردن است وپاس انفاس۔ تا صورت الخناس
ضعیف شود۔ وپیمہائے غلیظ بگدازد وپردہ ہا کہ در فرودینہ است خشک شود۔ ودر
پاس انفاس بذکر جلی مشغول شود۔ بعدازاں در بالا آئینہ دل کشادہ گردد ونوع دوم در پاس
انفاس ذکر خفی است کہ نفس را بندد ودر وہم ذاکر باشد تا کار حدّ تنگی نفس رسد۔
پردہا کہ درون دل کشادہ گردد ودرون دل غلیظی کہ ہست بردد۔ وہر ہفت پہلو کہ
اندرون دل است جائے گوہر، سالہا بسیار از غذاہائے ناوجہ کہ ہوائے نفس تصرف
کردہ است از شومتِ آں اثر گوہر ہا سیاہ مکدر شدہ است واز وصف خود بے
وصف گشتہ۔ ہرگاہ کہ سالک ساعتے از ساعتہا کہ گفتہ امر پاس انفاس کند بذکر
خفی ونفس را بندد تا از حرارت تنگی نفس کہ درتہا کہ درون ہفت پہلو است مصفا شود
وآں ہر ہفت گوہر بر صفت خود باز آید ودر فرودینہ سخت تنگی است وپردہا
در فرودینہ را سوراخ مثل باریک سوزن است۔ چندانی نفس بندد تا نفس ازیں سوراخ
بیرون آید قال اللہ تعالیٰ حتی یلج الجملُ فی سم الخیاط۔ ایں سوراخ در فرودینہ
کہ سالہائی گذشتہ مسدود شدہ است کشادہ نگردد، کشادہ نگردد، کشادہ نگردد، تا تزکیہ
وتصفیہ وتجلیہ نکند۔ عزیز من ایں عمر از برائے حصول سہ مراتب است، شریعت
وطریقت وحقیقت حصول شرایت در تزکیہ نفس است بہ کم خوردن ونوافل بسیار
کردن، خاصہ در شب، وحصول طریقت در تصفیۂ دل است در صوم وپاس انفاس
بذکر جلی وحصول حقیقت در تجلیۂ روح است بداشتن روزہا طے پاس انفاس بذکر
خفی بعدازاں در فرودینہ دل کشادہ گردد وتجلیہ آں جا حاصل شود قال اللہ تعالیٰ انا
جلیس من ذکرنی۔ اینجا درست آید۔ حق تعالیٰ می فرماید من ہم نشیں آں کم کہ
مرا یاد کند۔ حق تعالیٰ بندہ را بوصف نزدیک باشد وبوصف بودن آنست کہ
ہفت گوہر کہ درون گنج است روشن شود، اول وصف گوہر ذکر ظاہر شود وصف
وجود گوہر ذکر آنست کہ در موجود منفرد گرداند یا عبدی انا عندک و
انا معک اذا دعوتنی ذکراً کثیراً ایں جا حاصل شود من احب شیئاً

Marfat.com

اکثر ذکرہ دہم ذاکر بود۔ یا ایہا الذین آمنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا۔ بیت

باش اے ذاکر ملام از تفرقہ دور　　ہاں نشوی بذکر ظاہر مغرور
نفس و دل و روح تا نگردند یکے　　واحد نشود ذاکر و ذکر و مذکور

بعدازاں وصف گوہر عشق ظاہر گردد وصف گوہر عشق آنست کہ ہم شوق و اشتیاق و درد و اندوہ و جدائی با خواست مولیٰ در دی پدید آید۔ بعدازاں وصفِ گوہر محبت ظاہر گردد۔ وصف گوہر محبت آنست کہ دل خالی باشد کہ ہمہ حال رضائے او جوید و رضائے عزوجل از بندہ نیز راضی باشد۔ بعدازاں وصف گوہر سر ظاہر گردد و وصف گوہر سر آنست کہ آگاہی از واردات مواہب الٰہی بندہ را می دہد۔ بعدازاں وصف گوہر روح ظاہر شود و وصف گوہر روح آنست کہ ہیچ ساعتے ازآں ساعتہا کہ گفتہ شدہ است از طاعتہائے حق تعالیٰ خالی نباشد بعدازاں وصف گوہر معرفت ظاہر گردد و وصف گوہر معرفت آنست کہ ہرچہ بیند حق بیند و ہرچہ شنود حق شنود و ہرچہ گوید حق گوید و ہرچہ می رود حق می رود۔ بعدازاں وصف گوہرِ فقر پیدا شود و وصف گوہر فقر آنست کہ از کل اشیا مستغنی باشد۔

فصل چہارم۔ در اظہار وحدانیت و آفرینش مہتر آدم صلوٰۃ اللہ علیہ۔ قال اللہ تعالیٰ۔ کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف۔ یعنی گنج پنہاں بودم۔ دوست داشتم کہ شناخت شوم پس بیافریدم خلق را تا شناختہ شوم۔ و ایں گنج دل است القلب بیت الرب ہے۔ ایں جا درست آید۔ اکنوں تحقیق دل کہ حرم خاص خدا نیست و حرم خاص اصل صورت دل است و اصل صورت دل پارہ گوشت نیست بلکہ صورت دل گوہر است و اصل گوہرِ دل نور است و ایں نور از نور خدا است عزوجل۔ چنانچہ در خبر آمدہ است۔ قال علیہ السلام۔ انا من نور اللہ والمومنون منی نوری۔ قال اللہ تعالیٰ اللہ نور السموات والارض۔ .... اے منور ہا یعنی روشن کنندہ آسمان و زمین یعنی راہ نمایندہ اہل آسمان و زمین و ہادی اہلہا اگر خدائے عزوجل را نور گویم وصف عرض لازم آید و آں بائز نیست و او عرض و جسم و جوہر

Marfat.com

نیست۔ خدائے تعالیٰ روشن کنندۂ آسمانہائے و زمینہا است۔ اے عزیز من ازیں مراد روشنی است۔ بشنو کہ چگونہ روشن گردانیدہ است۔ حضرت عزت جلّ جلالہ پیش از خلقت خلق واحد واحد فرد و صمد حی و قیوم بود و ہست و ارادت و مشیت خواست کہ واحدیتِ خود را آشکار کند۔

اوّل نور روح محمد را صلی اللہ علیہ وسلم بیافرید۔ پس نورِ دل را بیافرید و ایں نورِ دل نور خدائے است۔ پیغامبر فرمود صلی اللہ علیہ وسلم انا من نور اللہ والمؤمنون منی و ایں معنی چناں باشد کہ من از نور خدائم و مومناں از نور من و آفرینش ایں نور دل سہ لک ہشتاد ہزار سال فراخی بود۔ حکایت من اللہ تعالیٰ لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المؤمن۔

مراد ازیں وسعت نور دل است چنانچہ حق تعالیٰ می فرماید، نیست در فراخی قدرت من نہ زمین و نہ آسمانِ مگر آنکہ در فراخی قدرت من دل بندۂ مومن و آں نور دل است۔ حضرت عزت جل جلالہ ایں نور دل را صد ہزار سال در قبضۂ قدرت خود پرورش می داد و کلمۂ محبت می شنوانید یا عبدی انت عشقی و محبی و انا عشق لک و محب لک۔ ای بندۂ من تو عاشق منی و محب منی و من نیز عاشق توام و محب توام و ویں نہ صد ہزار سال، نظر کرامت و کشف انوار جمال تجلی می کرد۔ بعد ازاں نہ صد ہزار سال از قبضۂ قدرت جدا گردانید آں نور دل التماس کرد الٰہی سیدی بندہ را طاقت فراق نیست چندیں ہزار سال بعشق و محبت پرورش دادی۔ اکنوں جدا نتوانم شد فرمان حضرت عزت جل جلالہ شد کہ ای بندۂ من ترا برخواست حق کارے نیست۔ ما ترا برائے اظہار وحدانیت خود آفریدہ ایم۔ بعد ازاں نور دل از درد فراق نہ صد ہزار سال دیگر در عالم تحیر مستغرق ماند بعد ازاں در جدائی واز مرحمت خدائی چنداں آب از دیدہ بارید کہ دریائے گشت آں را بحر الحیوان گویند۔ حضرت عزت جلّ جلالہ تازیانۂ قہر، نور دل را بند از غلبۂ قہر باد آتش پیدا شد و از سختی تازیانۂ قہر دو نور آتشیں شد۔

یکے نورِ عزازیل، دوم نورِ گندم بعد ازاں ایں نور دل نہ صد ہزار سال چوں چرخ می گشت

Marfat.com

واجزائے نورِ دل ذرہ ذرہ می شد۔ بعدازاں اجزاءِ ازی نورِ دل را حضرت عزت سہ قسم گردانید۔

قسم اوّل سرہا آفرید۔ وازقسم دوم جانہا آفرید وازقسم سوم نورہا آفرید۔ بعدازاں نورِ دل را منکسر گردانید۔ انا عند منکسرة القلوب لاجلی۔ حضرت عزت جل وعلا می فرماید کہ من نزدیک شکستہ دلانم۔ بعدازاں حق تعالیٰ بقیہ اجزائے نورِ گوہرِ دل را نُہ صد ہزار سال دیگر بنظر حکمت پرورش داد۔ بعدازاں از بقیہ اجزائے نورِ گوہرِ دل این دہ گوہر را آفرید۔ اوّل گوہرِ آسمانہا و زمینہا۔ دوم گوہر عرش۔ سوم گوہر کرسی چہارم گوہر روح۔ پنجم گوہر قلم۔ ششم گوہر بیت المعمور۔ ہفتم گوہر بہشت ہشتم گوہر دوزخ نہم گوہر شمس۔ دہم گوہر قمر آفرید۔ کارِ عالم حق جلّ وعلا این دہ گوہر از گوہر دل آفریدہ است چنانچہ در خبر آمدہ است۔ قلب المومن اکبر من العرش واوسع من الکرسی معنی چناں باشد کہ دل مومن بزرگ تر از عرش وفراخ تر از کرسی است آں گوہر دل را از جہت دو معنی اکبر خوانند یکے آنکہ این دہ گوہر نتیجۂ گوہرِ دل اند۔ دوم آنکہ حضرتِ عزت این دہ گوہر را دل، گردانیدہ است و درین گنج ہفت گنج است و در ہر گنج گوہر نہادہ است۔

اول گوہر عشق۔ دوم گوہر محبت۔ سوم گوہر سر۔ چہارم گوہر روح۔ پنجم گوہر معرفت۔ ششم گوہر فقر۔ ہفتم گوہر ذکر است۔ حق جل وعلا این گنج دل را چند ہزار سال در عالم غیب نہادہ است تا کہ خاک آدم صلوات اللہ علیہ جمع گردانید وخمیر کرد چنانچہ در خبر آمدہ است کہ خمرتُ طینة آدم بیدی اربعین صباحاً۔

حق تعالیٰ خمیر کرد گل آدم را بید قدرتِ خود چہل صباح بعدازاں ترکیب قالب بجوف وطاق سینہ نہاد واین گنج در طاق سینہ داشت وجملہ اسمار اورا معلوم گردانید

وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا

Marfat.com

ترجمہ رسالہ گنج الاسرار

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ علیٰ رسولہٖ محمد وآلہٖ اجمعین وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا۔

فارسی کا یہ رسالہ گنج الاسرار دل کی معرفت اور اس کی ماہیت کی شرح کے بیان میں، درویش فرید مسعود سلیمان ابوبکر عمر صلاح، عفر اللہ لہٗ ولوالدیہ نے قلم بند کیا اور چار فصلوں پر اس کی بنیاد رکھی۔ پہلی فصل دل کی معرفت کے ذکر میں دوسری فصل پاس انفاس کے بیان میں تیسری فصل دل کی تشریح میں چوتھی فصل وحدانیت اور حضرت آدم صفی اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی پیدائش کے بارے میں۔

فصل اوّل معرفتِ دل کے بارے میں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن۔

میری سمائی کے لئے میری زمین اور میرے آسمان کی وسعت کافی نہیں البتہ میرے مومن بندے کا دل میرے سمانے کے لئے کافی ہے۔ اس کا مقصد مومن بندے کے دل کی وسعت جتانا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آسمان وزمین میں اتنی فراخی نہیں ہے جتنی کہ بندۂ مومن کے دل میں ہے۔ اے میرے عزیز! اب اگر یہ کہیں کہ زمین وآسمان کی اس بے پایانی کے مقابلے میں دل گوشت کا ایک ٹکڑا ہے یعنی قلب مومن کی وسعت کس طرح صحیح ثابت ہو سکتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ مومن کا دل صالح ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بنی آدم کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے جب وہ ٹھیک ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے پورا جسم ٹھیک رہتا ہے آگاہ کہ وہ یہی دل ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو اس کی وجہ سے پورا جسم بگڑ جاتا ہے۔"

مطلب یہ کہ بنی آدم کے وجود میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب تک وہ ٹھیک رہتا جسم بھی ٹھیک رہتا ہے۔ جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو جسم بھی خراب ہو جاتا ہے اور وہ ٹکڑا

دل ہے اور دل کی صلاح (درستی) تزکیہ (پاک کرنے) تصفیہ (صاف کرنے) اور تجلیہ (جلا دینے) سے حاصل ہوتی ہے۔ تزکیہ نام ہے نفس کو بری باتوں سے پاک رکھنے کا بس یقین جاننا چاہیئے کہ نفس اس وقت تک پاک نہیں ہوگا جب تک کہ اطاعت مجاہدہ اور ریاضت کی کثرت سے گوشت اور خون کم نہ ہو جائے۔ اور بات ہڈی کے گودے تک پہنچ جائے۔ اور ہڈی کا گودا (بھی) پگھل جائے۔ تب کہیں نفس پاک ہوگا۔ اس کے بعد جاکر کہیں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر عمل ہوگا۔ جس میں آپ نے فرمایا ہے کیا کیا تم لوگوں نے جنت کو بکریوں کی چراگاہیں سمجھ رکھا ہے خدا کی قسم تم اس میں کبھی نہ داخل ہوگے تا وقتیکہ بدلی کے ان اولوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو کہ آسمان سے نازل ہوتے ہیں اور یہ بات یا تو توبہ سے حاصل ہو سکتی ہے یا عفو سے یا گناہ کے برابر عذاب کی مدت گذرنے سے اور اس کی بنیاد کم کھانا اور رات کا جاگنا ہے۔ (لیکن) کم خوری اور شب بیداری حاصل ہوتی ہے روکھا سوکھا کھانے سے روکھا سوکھا کھانے سے نفس کمزور ہو جاتا ہے اور جب کم خوری بقدر نیم سیری (آدھا پیٹ) رہ جاتی ہے تو جسم کا گوشت گل جاتا ہے اور خون کم ہو جاتا ہے اے میرے عزیز! اطاعت اور عبادت میں بدن اور اعضاء جوارح کی سستی اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک کہ جسم کا گوشت کم نہیں ہو جاتا۔

گوشت اور خون گھٹ جانے کے بعد اعضاء جوارح اطاعت میں چست ہو جاتے ہیں اس وقت اس قدر کم خوری اور شب بیداری حاصل ہو جاتی ہے کہ تمام انسانی طاقت کثرت نوافل میں صرف کی جائے۔ خاص کر راتیں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ سبحانہ قرآن مجید میں فرماتے ہیں۔

ومن الیل فتھجد بہ نافلۃ لک عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محمودا (اور رات کے بعض حصے تہجد میں گذارو کہ تمہارے لئے یہ شئی زائد ہے ممکن ہے تم کو تمہارا پروردگار مقام محمود پر فائز کر دے) جب عمل استواری سے ہمکنار ہوتا ہے تو نفس پاک ہو جاتا ہے اور اسی کو تزکیہ کہتے ہیں۔ یہاں اس مقام پر صفات (الٰہی) کو جذب کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور مقصود کا حصول دل کی تطہیر میں ہے تا کہ اس عمل سے گوہر دل پیدا ہو

Marfat.com

اور دل صاف نہیں ہوتا جب تک کہ پاس انفاس نہ کیا جائے۔

فصل دوم پاس انفاس کے ذکر میں۔

ہر سانس جو کہ باہر آتا ہے اور اندر جاتا ہے اس میں مرید کو چاہیئے کہ ذاکر رہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر چیز کی صیقل کی جاتی ہے اور دل کی صیقل گری اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اے میرے عزیز! پاس انفاس کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم ذکر جلی، اور دوسری قسم ذکر خفی۔ پس مرید کو چاہیئے کہ ابتدائے حال میں پاس انفاس کے وقت ذکر جلی میں مشغول رہے۔ ذکر جلی زبان کا ذکر ہے زبان سے ذکر کرنے سے مداومت رکھے تاکہ حضور حاصل ہو۔ اور اصل حضور یہ ہے کہ سانس کا زمان ومکان (حاصل ہو) زمان سانس کا باہر آنا ہے اور مکان سانس کا اندر آنا ہے۔ چاہیئے کہ سانس کا باہر آنا اور اندر آنا کوئی بھی ذکر الٰہی سے خالی نہ ہو۔ اس وقت ذکر جلی کی کثرت سے ذکر خفی حاصل ہوگا۔ پس سالک کے لئے خدائے بزرگ وبرتر کا ذکر وہ ہے کہ ان کے ہر گھنٹہ میں ہزار سانس ہے تمام کے تمام اطاعت میں گزارے اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کی راہ کا سالک کہلائے گا۔

اب اے عزیز من! اطاعت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ظاہری اطاعت اور (۲) باطنی اطاعت مرید کے لئے پہلے اطاعت ظاہری ہے کہ پاس انفاس میں صوم وصلوٰۃ کی پابندی کم کھانا۔ کم بولنا کم سونا۔ اور زبان سے ذکر کرنا ہے۔ رہی پاس انفاس میں اطاعت باطنی تو وہ ذکر خفی ہے۔

اس کی ایک گھڑی چوبیس گھنٹے نفس کی حفاظت کرتی ہے یہاں تک کہ تنگیٔ نفس کی منزل آجائے۔ اور اس میں بھی ذاکر رہنا چاہیئے۔ اور جب معاملہ تنگیٔ نفس کی حد سے آگے نکل جائے اور بشری طاقت محو ہو جائے تو انفاس باطنی کی تنگی کے باعث ایک ایسی گھڑی آتی ہے کہ اس میں تنگی نفس کو کسی قسم کا خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔ اور وہ وساوس سے محفوظ رہتی ہے یہ چوبیس گھڑیاں اور چوبیس ہزار سانسیں جو کہ دن کی محافظ ہیں اسی گھڑی میں آتی ہیں۔

چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الدنیا ساعۃ فاجعلہا طاعۃ۔ (دنیا گھڑی بھر کی ہے سو اس کو اطاعت بنالو) اور پاس انفاس میں یہ اطاعتِ باطن ذکر خفی ہے یہ گھڑی بہترین گھڑی ہے۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تفکر ساعۃٍ خیرٌ من عبادۃِ ستین سنۃ (ایک گھڑی کا غور وفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے)

Marfat.com

اے میرے عزیز! اس ایک گھڑی کے غور و فکر سے مراد پاس انفاس ہے پاس انفاس میں اگر ایک ساعت تفکر کرے تو اس میں بھی ذاکر رہے یہاں تک کہ تنگی نفس کی حد میں داخل ہو جائے اس لئے کہ یہی تصفیۂ دل ہے۔ اور دل صاف نہیں ہوتا تاوقتیکہ اس میں ذکر نہ ہو۔

چاہیئے کہ نفس کو باندھ رکھے اس لئے کہ تنگی نفس کی منزل آگ سے زیادہ دشوار ہے کیونکہ تنگی نفس کی آگ سے دل کے گرد کی چربی پگھلتی ہے اور چربی کے قریب جو پردے ہیں وہ خشک ہو جاتے ہیں اور شیطان تنکے کے مانند خشک ہو جاتا ہے اور پردوں کے نیچے شیطان کی بیٹھک نشست گاہ ہے۔ اس لئے کہ وہ دل کے سویدار کے اوپر بیٹھا ہوا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا الخناس الذی یوسوس فی الصدور الناس من الجنۃ والناس (شیطان جو کہ لوگوں کے دلوں میں برے خیالات ڈالتا ہے۔ اس لئے چاہیئے کہ شیطان لعین کو دور کرنے کے لئے ہمہ وقت پاس انفاس کے دائمی عمل کے ساتھ ذکر میں مشغول رہے یہ شیطان اور اسکے لشکر اور خواہش نفس کے خلاف جنگ کرنا ہے۔

اے میرے عزیز! سب سے بڑا جہاد وہ ہے جس کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ آئے۔ اس سے پاس انفاس مراد ہے جو ذکر خفی کے ساتھ ہو۔

جن ساعات کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ایک ساعت سانس کو روکنے اور باندھنے کی صرف کرے یہاں تک کہ تنگی نفس کی حد آجائے۔ اور اس میں بھی ذاکر رہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ادعوا ربکم تضرعاً و خفیۃ (اپنے پروردگار کو گڑگڑا کر اور چھپ کر پکارو) جب تنگی نفس کی منزل طے ہو جائے تو اس سے طاقت بشری محو ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد حضرت قدس کے نور کی ایک لکیر بندے کے باطن میں داخل ہوتی ہے۔ اس مقام پر جذب ذات الٰہی حاصل ہوتا ہے نفس دل کی صفت اختیار کر لیتا ہے اور دل میں روح کی صفت پیدا ہو جاتی ہے اس روح سے مراد دل کا خزانہ ہے اس خزانے میں سات خزانے ہیں اور ہر خزانے میں موتی ہیں۔ نور تجلی ان موتیوں کو جذب کرتا ہے اور ان کو تابندہ کرتا ہے۔ خناس (شیطان، برے خیالات وخطرات) اور تمام مذموم اوصاف دور ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے یا عبدی انا عند ظنک وانا معک اذا دعوتنی ادعوک۔ یعنی اے میرے بندے میں تیرے گمان کے قریب ہوں

حال یہ ہے کہ میں تیرے ساتھ ہوں جب تو مجھے پکارتا ہے میں تجھے آواز دیتا ہوں۔ یعنی بندہ خدا سے بھی خدا ہی کو چاہتا ہے۔

اب اے میرے عزیز! طاعت باطن یہی ہے پس مرید کو چاہیئے کہ اپنے دل کی صفائی (تصفیہ) کے لئے کسی لمحہ حق تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہو۔ اسی لئے زندگی کے ان سانسوں کو اس فانی جسم میں اہمیت حاصل ہے۔ ہر سانس اپنے ساتھ عمر کا موتی لے جاتا ہے۔ جس کی قیمت دونوں جہان کی خراج ہی ہو سکتا ہے ؎

اس خزانے کو رائیگاں مت دے
جب کہ جانا ہے تجھ کو خالی ہاتھ

انفاس کی تکمیل خاصکر یاد حق میں آخری سانس تک اسی وقت ممکن ہے جب تک ایمان اس کے ساتھ ہے اور جب کہ ایمان موت کے دروازے سے صحیح سلامت نکل جائے۔ چونکہ شخص کا وجود گزشتہ عمر میں سالہا سال زندگی کے دموں کے ساتھ فانی کی محبت میں گرفتار رہ چکا ہوتا ہے اس لئے فانی کی محبت کو ختم کرنے کے لئے چاہیئے کہ کوئی لمحہ یاد حق سے خالی نہ رہے اور اللہ کی یاد پاس انفاس میں ذاکر رہتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "پس ہے مجھے یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا" جب بندہ اس حد تک یاد حق میں محو ہو جائے تو خود کو فانی شمار کرتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کو باقی۔ کیا خوب ہے وہ باقی کہ فانی کے قالب میں جاگزیں ہوتا ہے۔ جب سالک تنگئ نفس کی منزل میں قدم رکھتا ہے تو زبان اول ارادہ ہے۔ ذاکر نفس کی آمد رشد کے ساتھ ملاومت اختیار کرتا ہے یہاں تک دل کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اور دل کے دو حصے ہیں ایک بالا دوسرا زیریں۔ نفس کا اخراج بالائی دروازے سے ہوتا ہے اور یہ دروازہ ذکر جلی کے بغیر کشادہ نہیں ہوتا۔

تیسری فصل دل کی شرح کے بارے میں۔

میرے عزیز! دل کی شکل گل نیلوفر کے مانند ہے جس کے دو رخ ہیں اور ہر دو رخ شیطان (خناس) کی فرودگاہیں شیطان نے اس کے گرد مکڑی کی طرح جالا بن رکھا ہے اور پردے چھوڑ رکھے ہیں۔ اور شیطان کی کمین گاہ انہی پردوں کے نیچے ہے۔ اور دل کے بھی پردے ہیں۔

Marfat.com

گل تبلو فر کے پردوں کی طرح ۔ انہی پردوں میں خناس رہتا ہے پس اللہ تعالیٰ کی راہ کے سالک کو سانس باہر آنے کے وقت چاہیئے کہ ذکر جلی میں مشغول رہے ۔ ذکرِ جلی کی کثرت سے دل کا بالائی دروازہ کشادہ ہو جاتا ہے ۔ اور دل کا اندرونی حصہ ہفت پہلو ہے اور ہر پہلو میں ایک موتی ہے ۔ پہلا موتی ذکر ہے ۔ دوسرا موتی عشق تیسرا موتی محبت، چوتھا موتی رازِ دستہ ہے پانچواں موتی روح ہے ۔ چھٹا موتی معرفت ہے اور ساتواں موتی فقر ہے دل کو اسی لحاظ سے گنج کہتے ہیں ۔ اور شیطان اسی خزانے کا پہریدار ہے ۔

میرے عزیز ! دل کا اندرونی حصہ گندہ ہے جو بغیر پاس انفاس کے پاک نہیں ہوتا اور پاس انفاس دو قسم پر ہے ایک ذکر جلی دوم ذکر خفی ۔ دل کا اندر اور باہر بہت ہی آلائشوں سے گندہ ہو چکا ہے ۔ ناپاک غذائیں اور فانی اشیاء کی محبت اسے غلیظ کر دیتی ہے خناس کی شکل اژدہے کی مانند ہے جس کے خرطوم (سونڈ) ہے اور سونڈ کا سرا زہر سے بھرا ہوا ڈنک ہے جس وقت کہ مرید ناپاک کھانا کھاتا ہے خناس مزے لیتا ہے ۔ اپنی نیش دار سونڈ دل کے گرد پھراتا ہے اور زہر جاری کرتا ہے ۔ وساوس، فانی اشیاء کی محبت اور تمام برے اوصاف وہیں سے پیدا ہوتے ہیں ۔ پس میرے عزیز ! دل کی صفائی کم کھانے سے حاصل ہوتی ہے اور کم کھانے کی اصل خشک چیز کا کھانا اور پاس انفاس ہے تاکہ خناس کا جسم کمزور ہو جائے اور موٹی چربی پگھل جائے اور جو پردے کہ نچلے حصہ میں ہیں خشک ہو جائیں ۔ اور چاہیئے کہ پاس انفاس میں ذکر جلی کے ساتھ مشغول رہے ۔ اس کے بعد دل کے بالائی حصے کا دروازہ کشادہ ہو جائے گا ۔

پاس انفاس کی دوسری قسم ذکر خفی ہے جو کہ نفس کو باندھتا ہے اور اس میں بھی ذاکر کو رہنا چاہیئے تاکہ تنگی نفس کا مقام حاصل ہو جائے دل کے پردے کشادہ ہو جائیں اور دل کے اندر کی گندگی ختم ہو جائے اور وہ سات گوشے جو کہ دل کے اندر موتی کی پرورش گاہ ہیں ناپاک غذا اور نفس کی عملداری کے سبب ان کے موتی میلے اور سیاہ ہو جاتے ہیں اور اپنی خوبی کھو بیٹھتے ہیں ۔

سالک ذکر خفی کے ساتھ پاس انفاس کرے اور سانس کو باندھے یہاں تک کہ تنگی نفس کی حالت سے سات گوشوں کے اندر جمع شدہ میل صاف ہو جائے اور وہ صاف موتی اپنی اپنی صفت بحال کر لیں ۔ فرودینہ (دل کے اندرونی حصے) میں سخت تنگی ہے اور فرودینہ کے پردوں

Marfat.com

میں سوئی کے ناکے جیسا باریک سوراخ ہے نفس کو اس حد تک تنگ کرنا چاہیئے کہ وہ اس سوراخ کے راستے باہر نکل آئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

حتیٰ یلج الجمل فی سم الخیاط (یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے) فردوبینہ کا یہ سوراخ امتداد زمانہ سے بند ہو گیا ہے۔ وہ نہیں کھلے گا۔ نہیں کھلے گا، نہیں کھلے گا۔ تاوقتیکہ تزکیہ اور تصفیہ اور تجلیہ نہ کیا جائے گا۔ میرے عزیز! یہ عمر تین درجوں کے حصول کے لئے ہے شریعت، طریقت، حقیقت، حصول شریعت کی کنجی تزکیۂ نفس میں ہے جو کم کھانے، اور کثرت نوافل میں خصوصاً بہنگام شب، سے حاصل ہوتا ہے۔ اور حصول طریقت کی کنجی تصفیہ دل میں ہے جو روزہ اور ذکر جلی کے ساتھ پاس انفاس سے حاصل ہوتا ہے اور حصول حقیقت کی کنجی تجلیہ روح میں ہے جو ذکر خفی کے ساتھ پاس انفاس میں گذارنے سے حاصل ہوتا ہے اس کے بعد فردوبینہ دل کا دروازہ کھل جاتا ہے اور تجلیہ کا مقام حاصل ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ میں اس شخص کا ہم نشین ہوں جو مجھے یاد کرتا ہے۔ اسی مقام کے لئے صادق آتا ہے اللہ تعالیٰ بندہ کے نزدیک اس کے وصف کی وجہ سے ہوتا ہے اور وصف کا مطلب یہ ہے کہ وہ سات موتی جو خزانے کے اندر ہیں روشن ہو جائیں۔ پہلے ذکر کا وصف ظاہر ہوتا ہے۔ گوہر ذکر کے وجود کا وصف یہ ہے کہ خدا کو موجود میں یکتا سمجھے۔

یا عبدی انا عند ظنک وانا معک اذا دعوتنی ذکرا کثیرا (اے میرے بندے میں تیرے ظن کے قریب ہوں اور میں تیرے ساتھ ہوتا ہوں جب تو مجھے بہت بہت پکارتا ہے) اسی مقام پر حاصل ہوتا ہے۔

جو چیز محجوب ہوتی ہے اس کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے، اس حال میں بھی ذاکر رہنا چاہیئے یا ایھا الذین آمنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا۔ (اے وہ لوگ کہ ایمان لائے اللہ کو بہت بہت یاد کرو)

باش اے ذاکر مدام از تفرقہ دور ... باز نشوی بذکر ظاہر مغرور
نفس و دل و روح تا نگر دو یکے ... ما مدنشود ذاکر و ذکر و مذکور

(اے ذاکر تفرقہ سے دور رہ۔ اور ذکر ظاہری پھر سے مغرور نہ ہو۔ جب تک نفس دل اور روح ایک نہ ہو جائیں ذاکر، ذکر اور مذکور ایک نہیں ہو سکتے۔)

اس کے بعد گوہر عشق کا وصف ظاہر ہوتا ہے۔ اور گوہر عشق کا وصف یہ ہے کہ شوق واشتیاق ودرد وغم اور جوانی آقا کی طلب میں وقف ہو۔ اس کے بعد گوہر محبت کا وصف ظاہر ہوتا ہے گوہر محبت کا وصف یہ ہے کہ دل یکسو ہو کہ ہر حال میں اس کی رضا جوئی کرے اور خدائے عزو جل بھی بندہ سے راضی ہو۔ اس کے بعد گوہر سر کا وصف ظاہر ہوتا ہے اور گوہر سر کا وصف یہ ہے کہ واردات وعطیات الٰہی سے بندہ کو آگاہ کرے اس کے بعد گوہر روح کا وصف ظاہر ہوتا ہے۔ اور گوہر روح کا وصف یہ ہے کہ جن لمحات کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے کوئی لمحہ حق تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری سے خالی نہ ہو۔ اسکے بعد گوہر معرفت کا وصف ظاہر ہوتا ہے گوہر معرفت کا وصف یہ ہے کہ جو کچھ دیکھے حق دیکھے جو کچھ سنے حق سنے جو کچھ کہے حق کہے اور جو کچھ چلے حق چلے۔ اس کے بعد گوہر فقر کا وصف پیدا ہوتا ہے اور گوہر فقر کا وصف یہ ہے کہ جملہ اشیاء سے بے نیاز ہو جائے۔

فصل چہارم۔ اظہار وحدانیت اور حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ پس میں نے چاہا کہ جانا جاؤں اس لئے میں نے خلق کو پیدا کیا۔ اور یہ خزانہ دل ہے۔ القلب بیت الرب (دل پروردگار کا گھر ہے) اسی موقع کے لئے کہا گیا ہے۔ دل خدائے تعالیٰ کا حرم خاص ہے۔ اور حرم خاص دل کی اصل صورت ہے اور دل کی اصل صورت گوشت کا ٹکڑا نہیں ہے بلکہ دل کی اصل صورت موتی ہے۔ اور دل کے موتی کی اصل نور ہے اور یہ نور اللہ تعالیٰ کے نور کا ایک حصہ ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ کے نور سے ہوں اور تمام مومن میرے نور سے ہیں۔ ارشاد باری ہے اللہ نور السموات والارض (اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے) یعنی انہیں منور کرنے والا ہے زمین وآسمان کو روشن کرنے والا۔ یعنی اہل زمین وآسمان کو راہ دکھانے والا اور ان کے باسیوں کا رہبر اگر خدائے تعالیٰ کو نور کہیں تو عرض کا وصف لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں اس لئے کہ وہ عرض جسم یا جوہر نہیں ہے اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا روشن کرنے والا ہے۔

اے میرے عزیز! اس سے مراد روشنی ہے سنو کہ کس طرح اس نے روشن کیا ہے۔ اللہ جل شانہ

Marfat.com

خلق کو پیدا کرنے سے پہلے واحد اور احد اور فرد اور صمد اور حی اور قیوم تھا اور ہے۔
مشیت مقتضی ہوئی کہ اپنی واحدیت کو آشکارا کرے۔ اول روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا کیا۔ پیچھے دل کے نور کو پیدا کیا۔ اور یہ نورِ دل نورِ خدا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (میں اللہ کے نور سے ہوں اور مومنین میرے نور سے ہیں) مطلب یہ ہوگا میں اللہ کے نور سے ہوں اور مومن میرے نور سے۔ اس نور دل کی پیدائش طول میں تین لاکھ اسی ہزار سال اور عرض میں تین لاکھ اسی ہزار سال کو محیط ہے۔ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن (میں نہ زمین میں سما سکتا ہوں نہ آسمان میں البتہ بندۂ مومن کا دل میرے سمانے کے لئے کافی ہے) اس سے مقصود نورِ دل کی وسعت بتانا ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں میری قدرت کی فراخی کو نہ میری زمین پہنچ سکتی ہے نہ میرا آسمان البتہ بندہ مومن کا دل فراخی میں میری قدرت کے برابر ہے۔ اور وہ نور دل ہے اللہ جل شانہ نے اس نور دل کو نو سو ہزار سال (۹ لاکھ) اپنے قبضۂ قدرت میں رکھ کر پرورش کیا۔ اور یہ کلمہ محبت اس کے کان میں پھونکا۔ اے میرے بندے تو میرا عشق تو میری محبت ہے اور میں تیرے لئے عشق، تیرے لئے محبت ہوں۔ مراد یہ کہ اے میرے بندے تو میرا عاشق ہے تو میرا محب ہے اور میں بھی تیرا عاشق ہوں، تیرا محب ہوں۔ اور ان نو سو ہزار سالوں میں نظر کرم اور انوار جمال کا کشف پرتو افگن رہا۔ اس کے بعد نو سو ہزار سال قبضۂ قدرت سے جدا رکھا۔ نور دل نے التجا کی میرے معبود میرے آقا غلام کو فراق کی طاقت نہیں اتنے ہزار سال تو نے عشق و محبت سے پرورش کیا۔ اب میں جدا نہیں رہ سکتا۔ فرمان خداوندی صادر ہوا اے میرے بندے تجھے خدا کی مرضی میں کوئی دخل نہیں۔ ہم نے تم کو اپنی وحدانیت کے اظہار کے لئے پیدا کیا ہے اس کے بعد نور دل نو سو ہزار سال مزید درد جدائی کا مارا عالم تحیر میں ڈوبا رہا۔ اس کے بعد درد جدائی سے اور رحمت خداوندی سے آنکھ نے اتنا پانی برسایا کہ دریا بہہ نکلا۔ اس کو بحر حیوان کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے قہر کا تازیانہ نور دل کو مارا قہر کے غلبہ سے ہوا اور آگ پیدا ہوئی۔ اور قہر کے تازیانہ کی سختی سے دو آتشیں نور نکلے۔ ایک نورِ

Marfat.com

عزازیل۔ دوم نور گندم۔ اس کے بعد یہ نور دل نو سو ہزار سال چرخ کی مانند چکر کاٹتا رہا۔ اور نور دل کے اجزا ذروں میں تبدیل ہو گئے۔

اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے نور دل کے اجزار کو تین قسم میں بانٹ دیا۔ پہلی قسم سے سر پیدا کئے دوسری قسم سے جانیں پیدا کیں اور تیسری قسم سے نور پیدا کئے۔ اس کے بعد نور دل کو منکسر بنا دیا۔ انا عند منکسرۃ القلوب لاجلی حضرت جل شانہ فرماتے ہیں میں ٹوٹے ہوئے دلوں کے قریب ہوں۔ اس کے بعد حق تعالیٰ گوہر دل کے نور کے بقیہ اجزا کو نو سو ہزار سال مزید نظر حکمت کے ساتھ پرورش کیا۔ اس کے بعد گوہر دل کے نور کے بقیہ اجزا سے یہ دس گوہر پیدا کئے۔

اول زمینوں اور آسمانوں کا گوہر دوم گوہر عرش۔ سوم گوہر کرسی، چہارم گوہر لوح پنجم گوہر قلم۔ ششم گوہر بیت المعمور۔ ہفتم گوہر بہشت۔ ہشتم گوہر دوزخ۔ نہم گوہر شمس۔ دہم گوہر قمر پیدا کیا۔

حق تعالےٰ نے یہ دس گوہر دل کے گوہر سے پیدا کئے ہیں چنانچہ حدیث میں آیا ہے قلب المومن اکبر من العرش واوسع من الکرسی۔ مومن کا دل عرش سے بڑا ہے۔ اور کرسی سے کشادہ اس گوہر دل کو دو لحاظ سے بڑا کہتے ہیں۔

ایک یہ کہ یہ دس گوہر گوہر دل کا نتیجہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالےٰ نے ان دس گوہروں کو دل بنا دیا۔ اس گنج میں سات گنج ہیں اور ہر گنج میں گوہر رکھے ہیں۔ اول گوہر عشق دوم گوہر محبت، سوم گوہر سر، چہارم گوہر روح۔ پنجم گوہر معرفت ششم گوہر فقر ہفتم گوہر ذکر ہے۔

اللہ تعالےٰ نے اس گنج دل کو کئی ہزار سال عالم غیب میں پوشیدہ رکھا تاکہ آدم علیہ السلام کی مٹی کو جمع کرے اور خمیر بنائے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔ خمرت طینۃ آدم بیدی اربعین صباحاً۔ اللہ تعالےٰ نے آدم کی مٹی کو اپنے دست قدرت سے چالیس صبح تک خمیر کیا اسکے بعد سینے اور پیٹ کے ساتھ قالب کو ترتیب دیا۔ اور اس گنج کو طاق سینہ میں رکھا اور تمام اسماء اس کو بتا دیئے۔ وعلم آدم الاسماء کلھا۔

Marfat.com

مولانا احمد رضا خاںؒ کی اردو شاعری

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں علیہ الرحمہ اپنے دور کے بے مثل علماء میں شمار ہوتے تھے۔ اُن کے فضل و کمال، ذہانت و فطانت، درّاکی اور طباعی کی مثال آج کل کے علماء و فضلاء نیز یونی ورسٹیوں کے اساتذہ میں بمشکل ملتی ہے۔ بکثرت علوم اور متعدد فنون میں اُن کو کمال حاصل تھا۔ شعر و ادب میں بھی ان کا ایک ممتاز مقام ہے جس کی طرف ابھی تک ہمارے ادباء نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ اگر اعلیٰ حضرت کے صرف محاورات، مصطلحات، ضرب الامثال اور لسانی مختارات کو اُن کی مختلف تصانیف میں سے یکجا کر لیا جائے تو ایک ضخیم لغت تیار ہو سکتی ہے۔ ہم یہاں صرف اُن کی اردو شاعری کی بعض خصوصیات کا ذکر کرتے ہیں جو ادب کا ایک بیش بہا سرمایہ ہے۔ اُن کی شاعری کی ایک نمایاں خصوصیت، قرآنی آیات کا استعمال ہے۔ مثلاً:-

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا ہے سایہ تجھ پر ـــــ بول بالا ہے ترا، ذکر ہے اونچا تیرا
انت فیھم نے عدو کو بھی لیا دامن میں ـــــ عیشِ جاوید مبارک تجھے شیدائی دوست
وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا، نہ کسی کو ملے، نہ کسی کو ملا ـــــ کہ کلامِ مجید نے کھائی شہا ترے شہر و کلام و بقا کی قسم
مجرم بلائے آئے ہیں، جاؤک ہے گواہ ـــــ پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے
مومن ہوں، مومنوں پہ رؤف الرحیم ہو ـــــ سائل ہوں، سائلوں کو خوشی لانہر کی ہے
لیلۃ القدر میں مطلع الفجر حق ـــــ مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام
فاذا فرغت فانصب، یہ ملا ہے تجھ کو منصب ـــــ جو گدا بنا چکے اب اٹھو وقتِ بخشش آیا

قرآنی آیات کی طرح احادیثِ مبارکہ بھی بکثرت مستعمل ہیں۔ مثلاً:-

ان کے قدم سے سلعۂ غالی ہو جناں ـــــ واللہ میرے گُل سے ہے جاہ و جلالِ گُل
نہ عرش ایمن، نہ اِنّی ذاہب میں میہمانی ہے ـــــ نہ لطفِ اُدنُ یا احمد نصیب لن ترانی ہے
کھلے کیا راز محبوب و محب مستانِ غفلت پر ـــــ شرابِ قد رأی الحق زیبِ جامِ من رآنی ہے

اب ایک ہی زمین کے اشعار میں احادیث مبارکہ کا استعمال دیکھیے:-

من زار تربتی وجبت لہ شفاعتی ـــــ اُن پر درود جن سے نوید اِن بشر کی ہے
بے اُن کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے ـــــ حاشا غلط غلط، یہ ہوس بے بصر کی ہے
اُن کی نبوت، اُن کی ابوت ہے سب کو عام ـــــ اُم البشر عروس اُنھی کے پسر کی ہے

Marfat.com

ظاہر میں میرے پھول، حقیقت میں میرے نخل — اُس گُل کی یاد میں یہ صدا ابو البشر کی ہے
یہ پیاری پیاری کیاری ترے خانہ باغ کی — سرد اُس کی آب و تاب سے آتش سقر کی ہے
کہنا نہ کہنے والے تھے جب سے تو اطلاع — مولا کو قول و قائل و ہر خشک و تر کی ہے
اُن پر کتاب اُتری بیاناً لِکُلِّ شیءٍ — تفصیل جس میں ما عبر و ما غبر کی ہے
ہم گردِ کعبہ پھرتے تھے کل تک اور آج وہ — ہم پر نثار ہے یہ ارادت کدھر کی ہے
چھائے ملائکہ ہیں لگاتار ہے درود — بدلے ہیں پھیرے، بدلی میں بارش دُرر کی ہے

تلمیحات بھی آپ نے بکثرت استعمال کی ہیں مثلاً ایک ہی غزل ملاحظہ ہو :-

بندہ ملنے کو قریبِ حضرتِ قادر گیا — لمعۂ باطن میں گمنے جلوۂ ظاہر گیا
تیری مرضی پا گیا سورج پھرا اُلٹے قدم — تیری انگلی اُٹھ گئی مہ کا کلیجا چِر گیا
بڑھ گئی تیری ہوا، ساوہ میں خاک اُڑنے لگی — بڑھ چلی تیری ضیا آتش پہ پانی پھر گیا
تیری رحمت سے صفی اللہ کا بیڑا پار تھا — تیرے صدقے سے نجی اللہ کا بجرا تر گیا
تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا — تیری ہیبت تھی کہ ہر بُت تھرتھرا کر گر گیا
رحمۃ للعالمین، آفت میں ہوں کیسی کروں — میرے مولا میں تو اِس دل سے بلا میں گھر گیا
مَیں ترے ہاتھوں کے صدقے کیسی کنکریاں تھیں وہ — جن سے اتنے کافروں کا دفعتاً منہ پھر گیا
کیوں جنابِ بوہریرہؓ تھا وہ کیسا جامِ شیر — جن سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ پھر گیا

غالباً اس قدر تلمیحات ایسے چند اشعار میں اور کہیں نہیں۔ پھر اعلیٰ حضرت کے تبحرِ علمی کا تقاضا یہ بھی تھا کہ وہ ایسی نعت بھی لکھتے جس میں بیک وقت کئی زبانیں ہوں۔ چنانچہ ایک شاندار نعت آپ نے صنعتِ ملمع میں لکھی جو اپنی مثال آپ ہے۔ دراصل صنعتِ ملمع اُس صنعت کو کہتے ہیں جس میں ایک مصرع یا ایک شعر عربی کا ہو اور دوسرا مصرع یا دوسرا شعر فارسی کا ہو۔ اس میں زیادہ سے زیادہ بیس اشعار ہوا کرتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ملمع مکشوف یعنی جب ایک مصرع عربی اور ایک مصرع فارسی میں ہو اور (۲) ملمع محجوب یعنی جب ایک شعر عربی میں ہو اور دوسرا فارسی میں۔ اعلیٰ حضرتؒ نے ملمع در ملمع کی صنعت اختیار کی ہے جس میں عربی، فارسی، ہندی اور اردو یعنی چار زبانوں کے الفاظ اس خوبی سے چست کیے ہیں جیسے انگشتری میں نگینہ ہوا کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو :-

لَمْ یَاتِ نَظِیْرُکَ فِیْ نَظَرٍ مثلِ تو نہ شد پیدا جانا — جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا
اَلْبَحْرُ عَلَا وَالْمَوْجُ طَغٰی من بیکس و طوفاں ہوش رُبا — منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا

Marfat.com

یَا شَمْسُ نَظَرْتِ اِلٰی لَیْلِیْ چو بطیبہ رسی عرضِ بکنی

توری جوت کی جھلجھل جگ میں رچی، مری شب نے نہ دن ہونا جانا

لَكَ بَدْرٌ فِی الْوَجْہِ الْاَجْمَلْ، خط ہالۂ مہ، زلف ابرِ اجل

تورے چندن چندر پرو کنڈل، رحمت کی بھرن برسا جانا

اَنَا فِیْ عَطَشٍ وَّ سَخَاكَ اَتَمْ، اے گیسوئے پاک اے ابرِ کرم

برسن ہارے رم جھم رم جھم، دو بوند ادھر بھی گرا جانا

سبحان اللہ کیسے پیارے اشعار ہیں کہ پڑھنے والا جھومنے لگتا ہے۔ یہ کُل دس اشعار ہیں اور مقطع یہ ہے:-

بس خامۂ خامِ نوائے رضاؔ، نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا

ارشادِ احبّا ناطق تھا، ناچار اس راہ پڑا جانا

پھر ایک غزل محاسبۂ نفس کے لیے ہے اور ایسی مرصّع ہے کہ اس کی نظیر بھی بمشکل کہیں ہوگی۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں:-

سُونا جنگل، رات اندھیری، چھائی بدلی کالی ہے — سونے والو جاگتے رہنا، چوروں کی رکھوالی ہے

آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں — تیری گٹھری تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے

سونا پاس ہے سُونا بن ہے، سونا زہر ہے اُٹھ پیارے — تو کہتا ہے کہ نیند ہے میٹھی، تیری مت ہی نرالی ہے

بادل گرجے، بجلی تڑپے، دھک سے کلیجا ہو جائے — بن میں گھٹا کی بھیانک صورت کیسی کالی کالی ہے

پاؤں اُٹھا اور ٹھوکر کھائی، کچھ سنبھلا پھر اوندھے مُنہ — مینھ نے پھسلن کر دی ہے اور دُھر تک کھائی نالی ہے

ایسے پندرہ اشعار ہیں اور بہت پُرکیف ہیں۔

ایک مرصّع قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے:-

کعبے کے بدرالدجیٰ تم پہ کروڑوں درود — طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروڑوں درود

اس قصیدے میں فنّی خوبیوں کے علاوہ ایک رعایت یہ بھی ہے کہ ردیف سے پہلے ہر قافیہ الف پر ختم ہوتا ہے۔ پھر ایسے چند اشعار کے بعد پہلے مصرع کا آخری حرف ب ہو جاتا ہے:-

ذات ہوئی انتخاب، وصف ہوئے لاجواب — نام ہوا مصطفیٰ، تم پہ کروڑوں درود

پھر دو شعروں کے بعد پہلے مصرع کے زحافات میں ت ہے:-

تم سے جہاں کی حیات، تم سے جہاں کا ثبات — اصل سے ہے ظِل بندھا، تم پہ کروڑوں درود

حروف کی اس ترتیب کو آخر تک ملحوظ رکھا ہے۔ یعنی ت، ث، ج، خ، د، ذ سے ی تک تمام

Marfat.com

حروف پہلے مصرعوں میں زحافات کی مدد کرتے ہیں اور اس رعایت نے بڑی خوبی پیدا کی ہے۔ فارسی رُباعیوں میں جو قوافی ہیں اُن میں بھی حروف تہجی کی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے۔ پھر صنائع و بدائع اس قدر ہیں کہ اُن کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ عام شعری محاسن کا ذکر بھی لطف سے کم نہیں۔ مثلاً الفاظ کی تکرار ملاحظہ فرمائیں :-

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا ‏— نہیں سُنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا ‏— سایہ کا سایہ نہیں ہوتا، نہ سایہ نور کا

جو گدا دیکھو لیے جاتا ہے توڑا نور کا ‏— نور کی سرکار ہی، کیا اس میں توڑا نور کا

مٹ گئے، مٹتے ہیں، مٹ جائیں گے اعدا تیرے ‏— نہ مٹا ہے، نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

ہوئے کمخوابِ ہجراں میں ساتوں پردے کمخوابی ‏— تصور خوب باندھا آنکھوں نے استارِ تربت کا

طور پر کوئی، کوئی چرخ پہ، یہ عرش سے پار ‏— سارے بالاؤں پہ بالا رہی بالائی دوست

محمّد برائے جنابِ الٰہی ‏— جنابِ الٰہی برائے محمّد

دمِ نزع جاری ہو میری زباں پر ‏— محمّد محمّد، خدائے محمّد

زمین و زماں تمھارے لیے، مکین و مکاں تمھارے لیے
چنین و چناں تمھارے لیے، بنے دو جہاں تمھارے لیے

سر تا بہ قدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول ‏— لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول

اس میں زم زم ہی کہ تھم تھم، اس میں جم جم ہے کہ بیش
کثرتِ کوثر میں زم زم کی طرح کم کم نہیں

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا ‏— دریا بہا دیے، دُر بے بہا دیے ہیں

پھر اشتقاق، شبہ اشتقاق، تجنیسِ مطرّف، تجنیسِ محرّف وغیرہ کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں۔ ہم رعایتِ لفظی کے ذیل میں اُن کا ذکر (محض سہولت کے لیے) یہاں کرتے ہیں۔

یہ کتابِ کُن میں آیا طرفہ آیہ نور کا ‏— غیر قائل کچھ نہ سمجھا کوئی معنیٰ نور کا

ابنِ زہرا سے ترے دل میں ہیں یہ زہر بھرے ‏— بل بے او منکرِ بے باک یہ زہرہ تیرا

بڑھایا سلسلہ رحمت کا دورِ زلف والا میں ‏— تسلسل کالے کوسوں رہ گیا عصیاں کی ظلمت کا

یہاں چھڑکا نمک واں مرہم کافور ہاتھ آیا ‏— دلِ زخمی نمک پروردہ ہے کس کی ملاحت کا

مشکبو کوچہ یہ کس پھول کا جھاڑا ان سے ‏— حوریو عنبرِ سارا ہوئے سارے گیسو

تُف نجدیت، نہ کفر، نہ اسلام، سب پہ حرف ‏— کافر اِدھر کی ہے نہ اُدھر کی، اُدھر کی ہے

Marfat.com

ایک غزل میں صرف لفظ خاک کی رعایت سے کتنے مضامین پیدا کیے ہیں :۔

ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماوا ہے ہمارا
خاکی تو وہ آدم جدِ اعلیٰ ہے ہمارا

اللہ ہمیں خاک کرے اپنی طلب میں
یہ خاک تو سرکار سے تمغا ہے ہمارا

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سیدِ عالم
اس خاک پہ قرباں دلِ شیدا ہے ہمارا

اُس نے لقبِ خاک شہنشاہ سے پایا
جو حیدرِ کرار کہ مولیٰ ہے ہمارا

اے مدعیو خاک کو تم خاک نہ سمجھو
اس خاک میں مدفوں شہِ بطحا ہے ہمارا

ہے خاک سے تعمیر مزارِ شہِ کونین
معمور اسی خاک سے قبلہ ہے ہمارا

ہم خاک اُڑائیں گے جو وہ خاک نہ پائی
آباد رضاؔ جس پہ مدینہ ہے ہمارا

حسن تعلیل اور لف ونشر کی بھی بکثرت مثالیں ملتی ہیں۔ اور محاورات (نیز استعارات) اس قدر ہیں کہ ان کے یکجا کرنے سے ایک کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ دیکھیے اس قصیدے میں کس قدر محاورات ہیں :۔

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا

اغنیا پلتے ہیں در سے وہ ہے باڑا تیرا
اصفیا چلتے ہیں سر سے وہ ہے رستہ تیرا

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا، عرش پہ اُڑتا ہے پھریرا تیرا

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں
کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا

آنکھیں ٹھنڈی ہوں، جگر تازے ہوں، جانیں سیراب
سچے سورج وہ دل آرا ہے اُجالا تیرا

دل عبث خوف سے پتا سا اُڑا جاتا ہے
پلہ ہلکا سہی، بھاری ہے بھروسا تیرا

اسی طرح وہ قصیدہ ہے جس کا مطلع یہ ہے :۔

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

اس قصیدے میں بھی بکثرت محاورات ہیں اور اس قدر معنی آفرینی ہے کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔

محاورات کی چند اور مثالیں ملاحظہ ہوں :۔

؎ گردنیں جھک گئیں، سر بچھ گئے، دل لوٹ گئے
کشفِ ساق آج کہاں، یہ تو قدم تھا تیرا (القلم-۴۲) ؎۱

؎۱ معلوم ہوا کہ بعض حضرات اس شعر کو اور ذیل کے شعر کو احتیاط کے خلاف سمجھتے ہیں :۔

ان کی نبوت، ان کی اُبوت ہے سب کو عام
اُم البشر عروس انھی کے پسر کی ہے

Marfat.com

؎ شاخ پر بیٹھ کے جڑ کاٹنے کی فکر میں ہے
کہیں نیچا نہ دکھائے تجھے شجرہ تیرا

؎ آنسو بہا کے، بہ گئے کالے گنہ کے ڈھیر
ہاتھی ڈباؤ جھیل یہاں چشمِ تر کی ہے

؎ دنداں کا نعت خواں ہوں نہ پایاب ہوگی آب
ندی گلے گلے مرے آب گہر کی ہے

؎ جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا
اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

؎ نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پر درود
اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام

اس طرح کے بکثرت محاورات، استعارات، تشبیہات، تلمیحات اور مصطلحات اُن کے کلام میں اس قدر روانی کے ساتھ موجود ہیں کہ اُردو شاعری میں اُن کا جواب نہیں اور ان تمام محاسن پر غالب صرف ایک چیز ہے اور وہ ہے عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کس محبت سے فرماتے ہیں کہ:۔

ٹھوکریں کھاتے پھروگے اُن کے دَر پر پڑ رہو
قافلہ تو اے رضاؔ اوّل گیا آخر گیا

ایک جگہ کس بے تابی سے کہتے ہیں :۔

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینہ پہنچے
تم نہیں چلتے رضاؔ، سارا تو سامان چلا

Marfat.com

بعض مظلوم کتابیں

"مظلوم" سے مراد ایسی کتابیں ہیں جن کے متعلق بعض معلومات مفقود ہیں، سہواً بھی اور عمداً بھی۔ یہاں کوشش کی گئی ہے کہ چند حقائق پیش کر دیے جائیں۔ پھر بھی بہت ممکن ہے کہ خود راقم الحروف کو غلط فہمی ہو گئی ہو، اس لیے اصلاح کی درخواست ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس مضمون کو پڑھ کر بعض حضرات ناخوش ہو جائیں تو ان سے معذرت ہی کی جا سکتی ہے۔

انیسُ الارواح

انیسُ الارواح، حضرت خواجہ عثمان ہرَوَنی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۱۷ھ) کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۲۷ھ) نے مرتب کیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کی نسبت سے قاریوں نے اس مجموعے کو خوب پڑھا اور اپنی سمجھ کے مطابق اس پر حاشیے چڑھا دیے۔ پھر کاتبوں نے ان حاشیوں کو بھی شامل متن کر کے اس کی اصل صورت کو مسخ کر دیا۔ موجودہ دور میں جب بعض فضلا نے اس کی ایسی صورت دیکھی تو اس کو غیر مستند بھی کہا اور بعض نے سرے سے انکار ہی کر دیا کہ وہ ملفوظات ان بزرگوں کے نہیں ہیں۔ یعنی ایسے فضلا نے اس کی موجودہ صورت ہی سے نتائج کو اخذ کرنا کافی سمجھا اور اس کے قدیم نسخوں کو تلاش کرنے کی کوئی کوشش ضروری نہیں سمجھی۔

یہ مجموعہ (رسالہ) جس صورت میں بھی تھا ضرور متقدمین کی نظر میں تھا۔ شیخ عبدالحق محدث

Marfat.com

دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) نے اخبار الاخیار میں حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۵۷ھ) کے تذکرے میں حمید قلندر کی خیر المجالس کا حوالہ دیا ہے کہ:

"ایک عزیز نے حضرت ممدوحؒ سے عرض کیا کہ خواجہ عثمان ہارونی کے ملفوظات۔ (انیس الارواح) میں لکھا ہے کہ حضرتؒ نے یوں فرمایا:

"جو شخص دو گائیں ذبح کرے گویا اس نے ایک خون کیا اور جو شخص چار گائیں ذبح کرے گویا اس نے دو خون کیے اور جو شخص دس بکریاں ذبح کرے گویا اس نے ایک خون کیا۔ (یہ بات سن کر) پہلے تو حضرت خواجہ (نصیر الدینؒ) نے فرمایا کہ یہ ہارونی نہیں بل کہ ہَروَنی ہے کہ وہ گاؤں ہَرْوَنْ تھا[1]۔ حضرت خواجہ (عثمانؒ) جہاں رہتے تھے۔ پھر فرمایا کہ یہ ملفوظ حضرت (عثمانؒ) کا نہیں ہے۔ (ملفوظات کے) یہ نسخے مجھے بھی پہنچے ہیں۔ ان میں بہت سے ایسے ملفوظات ہیں جو ان کے اقوال (تعلیمات) کے مطابق نہیں ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ شیخ نظام الدین قدس سرہٗ (م ۷۲۵ھ) فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کوئی کتاب نہیں لکھی کیوں کہ شیخ الاسلام فرید الدینؒ (گنج شکر۔ م ۶۶۴ھ) اور شیخ الاسلام قطب الدین (بختیار کاکی۔ م ۶۳۳ھ) اور خواجگانِ چشت میں سے کسی نے بھی تصنیف نہیں کی" (یعنی ان کی کوئی تصنیف نہیں ہے۔ ملفوظات[2] کے جمع کرنے کا ذکر نہیں ہے)۔ اس اقتباس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے زمانے ہی میں ان ملفوظات میں غلط چیزیں شامل ہو گئی تھیں، تاہم مونس الارواح کا وجود ان کے زمانے میں تھا جیسا کہ مفتاح العاشقین

---

[1] ہَرْوَنْ، نیشاپور کے علاقے میں ہے۔

[2] محترم صباح الدین عبدالرحمٰن نے بزم صوفیہ (اعظم گڑھ ۱۹۷۹ء) کے صفحہ ۶۲۷ میں افضل الفوائد کے ایک قلمی نسخے کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان چشتیہ بزرگوں نے اپنے مرشدوں کے ملفوظات جمع کیے ہیں۔ اسی کتاب کے صفحات ۶۳۱-۶۹۶ میں انھوں نے علی گڑھ کے ایک پروفیسر صاحب کے اعتراضات پر جو ملفوظات مذکورہ کے انکار سے متعلق ہیں، مدلل تنقید کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ وہ اپنی جگہ صحیح تھے اور کتابت وغیرہ کی غلطیوں کی وجہ سے جعلی نہیں کہلائے جا سکتے۔ ایک فاضل گرامی نے رسالہ بینات (کراچی، مئی ۱۹۷۸ء) میں بھی رسالہ انیس الارواح پر تنقید کی ہے اور یہاں تک لکھ دیا ہے کہ "وہ کسی برہمچاری سادھو کی گڑھنت ہے"۔ لیکن انھوں نے چند واقعات ہی کو رد کیا ہے پورے رسالے کو نہیں۔

Marfat.com

(صفحہ ۱۸) میں ان کا ایک قول اس طرح آتا ہے :-

"بعد ازاں ہم ازیں محل فرمود کہ اے درویش درانیس الارواح بنشتہ دیدہ"

انیس الارواح کا ایک ملفوظ، جسے ایک پروفیسر صاحب نے wild talks (ناروا بے سروپا باتیں) کہا تھا[1] خود حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا ایک مستند تاریخ میں مذکور ہے۔ فاضلِ جلیل پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیع مرحوم نے ایک مقالے میں اسے اس طرح تحریر فرمایا ہے :-

ہفت اقلیم رازی[2] میں خواجہ صاحب کی ایک تحریر نقل کی گئی ہے جو ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی، اس میں خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ "بغداد کی مسجدِ جنید میں، میں نے خواجہ عثمان ہرونی کی دولت ملازمت حاصل کی، فرمایا "دوگانہ پڑھو" میں نے پڑھا۔ پھر فرمایا "قبلہ رو بیٹھو" میں بیٹھا۔ فرمایا "سورۃ البقرہ پڑھو"، میں نے تعمیل کی۔ اس کے بعد فرمایا، "بیس بار کلمہ سبحان اللہ پڑھو"۔ میں نے پڑھا۔ پھر فرمایا، "آؤ میں نے تمھیں خدا تک پہنچا دیا ہے" پھر قینچی لے کر چار ترکی کلاہ تراشی اور گلیم خاص مجھے عطا کی۔ پھر فرمایا "بیٹھو اور ہزار مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھو۔ ہمارے خانوادے میں یہی ایک دن اور ایک رات کا مجاہدہ ہوتا ہے جاؤ اور ایک رات اور ایک دن کو زندہ رکھو (یعنی جاگ کر عبادت میں مشغول رہو)۔ جب دوسرا دن ہوا تو میں خواجہ کی خدمت میں گیا، فرمایا۔ "اوپر دیکھو" جب میں نے آسمان کی طرف منہ کیا، تو پوچھا "کیا نظر آتا ہے؟" میں نے عرض کیا، عرشِ عظیم تک (راہ) کھلی ہے۔" پھر فرمایا "زمین میں کیا مشاہدے کرتے ہو؟" عرض کیا "تحت الثریٰ تک میرے سامنے ہے"۔ پھر آپ نے اپنی دو انگلیاں کھولیں اور فرمایا "کیا نظر آتا ہے؟"۔ میں نے عرض کیا "اٹھارہ ہزار جہانوں کا مشاہدہ کر رہا ہوں"۔ پھر فرمایا، "جاؤ تمھارا کام مکمل ہو گیا"[3]

---

[1] بزمِ صوفیہ۔ صفحہ ۶۴۲

[2] امین رازی کی ہفت اقلیم ۱۰۰۲ھ میں مکمل ہوئی۔

[3] پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیع۔ مقالاتِ دینی و علمی، حصہ اول۔ (لاہور ۱۹۷۰ء) صفحہ ۲۵۰

Marfat.com

مطبوعہ انیسُ الارواح کے شروع میں بھی یہ تمام عبارت کچھ فرق اور اضافے کے ساتھ ملتی ہے جس سے ظاہر ہے کہ وہ رسالہ ضرور حضرت خواجہ صاحب ہی نے مرتب فرمایا ہوگا، گو کہ اس کے اضافے، ترمیمات اور متعدد واقعات (جو دوسرے لوگوں نے شامل کیے ہوں گے) صحیح نہ ہوں۔ اور آٹھ سو سال کی پرانی کتاب میں ایسا ہونا بعید از قیاس بھی نہیں۔

حیاتِ باقیہ

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ (م ۱۰۱۲ھ) کے ملفوظات (جو حیاتِ باقیہ کہلائے گئے) اور ان کے ساتھ آپ کے مکتوبات و رسائل کا مجموعہ جو کلیاتِ باقیؒ (مع کلامِ منظوم) کے نام سے لاہور سے بھی (۱۹۶۷ء میں) شائع ہوا ہے اس کے مرتب نے اپنا نام پوشیدہ رکھا ہے۔ مجموعے کے شروع میں وہ لکھتے ہیں:-

"بعد از حمد صلوٰۃ نمودہ می آید کہ چوں بسابقۂ عنایتِ ازلی و راہ نمونیِ سعادتِ لم یزلی ایں ذرّۂ احقر کہ نامِ خود را از عنایت بے اعتباری شائستۂ اندراج ایں نامہ بلند قدر نمی بیند از جملۂ باریافتگانِ درگاہِ خواجۂ جہان پناہ ..... شد ....."

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ مرتب نے اپنا نام عمداً پوشیدہ رکھا ہے۔

حیاتِ باقیہ دراصل ایک قسم کی ڈائری ہے جس میں ۱۰۰۹ھ سے ۱۰۱۲ھ تک کے بعض واقعات وقفے وقفے سے درج کیے گئے ہیں اور حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے ملفوظات اور ہدایات کو محفوظ کیا گیا ہے۔ حضرت خواجہؒ کا انتقال ۲۵ جمادی الآخر ۱۰۱۲ھ کو ہوا۔ مرتب نے سات بند کا ایک ترکیب بند (بہ طور مرثیہ) لکھا جس میں ایک جگہ اپنا تخلص اس طرح دیا ہے:-

"رشدی از اں نفس کہ رخِ خود نہفت دوست   ساز طرب شکست و نوائے ترانہ مرد"

میرا خیال ہے کہ یہ تخلص بھی عمداً بدلا ہوا ہے اور مجموعے کے مرتب مولانا محمد صدیق المتخلص بہ ہدایت ہیں، جو پہلے حضرت خواجہؒ کے مرید ہوئے اور ان کے بعد حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہ کے زیرِ تربیت رہے۔

ملفوظات میں پنج شنبہ، ششم صفر ۱۰۰۱ھ کے ذیل میں وہ حضرت خواجہؒ سے ملفوظات مرتب کرنے کی اجازت کا واقعہ لکھتے ہیں کہ "زیادہ اصرار اور عرض و معروض کے بعد اجازت ملی لیکن فرمایا کہ مجھے دکھلا دیا کرو" پھر ماہِ رمضان ۱۰۰۱ھ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ:

میاں شیخ احمد (یعنی حضرت مجددِ الفِ ثانیؒ) کی مکرّر درخواست پر حضرت خواجہؒ نے اس مجموعے کے مرتب کرنے کی اجازت دی، ملفوظات میں جمعہ دوم جمادی الاولیٰ ۱۰۱۰ھ کے ذیل میں اپنی ضرورتِ شرعی (روزی) کے لیے سفر پر جانے کی اجازت چاہنے کا واقعہ لکھتے ہیں۔ پھر شنبہ یکم صفر ۱۰۱۲ھ کو واپس آنے پر حضرت خواجہ کے ایک ارشاد کو نقل کرتے ہیں کہ:

"تا بکجا رفتی و چوں بودی وجہ آوردی؟"

پھر ۱۵ جمادی الآخرہ ۱۰۱۲ھ کے ذیل میں لشکر کی ملازمت سے متعلق عرضداشت کا ذکر ہے کہ اس موقع پر حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ "چند روز جاے نہ رود کہ آخر ہاے بازارِ ماست[1]۔۔۔۔" پھر اسی ماہ کی ۱۷، ۲۳، اور ۲۵ تاریخوں کی صحبتوں کا ذکر آتا ہے اور یہ بھی کہ آخر وقت میں صرف خواجہ حسام الدین احمدؒ (م ۱۰۴۳ھ) خدمت میں تھے۔ ملفوظات کے ان تمام وقائع سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتب (۱) شاعر تھے (۲) حضرت خواجہؒ سے ملفوظات زیرہ لکھنے کی اجازت (حضرت مجددِ الفِ ثانیؒ کی سفارش پر) حاصل کر چکے تھے اور (۳) معاش کے لیے لشکر کی ملازمت بھی کر رہے تھے۔

ان کے شاعر ہونے کا ثبوت خود وہ ترکیب بند ہے جو ملفوظات کے آخر میں ہے صاحبِ "حضرات القدس" (حصہ دوم) میں مولانا محمد صدیق کشمیؒ کے حالات میں ان کی شاعری اور ان کے اشعار کا ذکر ہے[2]۔ مرتب نے ملفوظات لکھنے کی اجازت حاصل کی تھی صاحب "حضرات القدس" (حصہ اول) نے حضرت خواجہؒ کے حالات کے ذیل میں مولانا محمد صدیقؒ ہی کا حوالہ دیا ہے کہ حضرت خواجہؒ کے متعلق میں نے فلاں فلاں بات ان سے معلوم کی۔ یعنی وہ حضرت خواجہ سے زیادہ قریب رہ چکے تھے (اور ملفوظات بھی لکھے تھے) اس لیے

---

[1] حضرت خواجہؒ کے انتقال کے وقت مولانا محمد صدیقؒ موجود نہ تھے۔ (دیکھیں حضرات القدس، حصہ دوم میں ان کے حالات۔

[2] خواجہ محمد ہاشمؒ کی زبدۃ المقامات میں بھی ان کی شاعری اور اشعار کا ذکر ہے۔

Marfat.com

انھی سے معلوم کیا جا سکتا تھا[1]۔ مولانا محمد صدیقؒ کا لشکر میں ملازم ہونا حضرت خواجہؒ کے مکتوبات (نمبر ۲۔ ۴۰۔ ۴۴) سے بھی مستبط ہے اور حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہ کے مکتوبات[2] میں بھی ذکر ہے۔ مثلاً دفترِ اول کے مکتوب ۱۱۹ میں آپ نے میر محمد نعمانؒ کو لکھا ہے:

"شنیدہ شد کہ مولانا محمد صدیق نوکری اختیار کردہ و وضع فقرا را گذاشتہ است۔ افسوس ہزار افسوس...."

دفترِ اول کے مکتوب ۱۳۲ میں فرماتے ہیں:

"اے برادر ظاہراً از صحبتِ فقرا دل تنگ گشتہ مجلسِ اغنیاء اختیار کردہ اید۔ بسیار بد کردہ اید...."

اسی دفتر کے مکتوب ۱۳۶ میں فرمایا ہے:

"رفتنِ شما دریں دفعہ بہ لشکر معقولِ فقیر نمی شود...."

پھر اسی دفتر کے مکتوب ۱۷۶ میں ارشاد ہے:

"شعر خوانی و قصہ پردازی را نصیبِ اعداء دانستہ بہ سکوت و حفظ نسبت باطن باید پرداخت...."

ان ہدایات و ارشادات کے بعد مولانا محمد صدیقؒ نے وہ مقامات طے کیے ہوں گے جن کا ذکر دفترِ اوّل کے مکتوبات نمبر ۱۳۵۔ ۲۴۱ میں ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس کے بعد ہی آپ نے ۱۰۱۹ھ میں حضرت مجددِ الف ثانیؒ کے علوم و معارف "مبدا و معاد" کے نام سے مرتب کیے ہوں گے جس کے آخر میں آپ کے دو تاریخی قطعات بھی ہیں۔

---

[1] زبدۃ المقامات میں مولانا محمد صدیق کے حالات کے ذیل میں ہے کہ ان کو حضرت خواجہؒ کے حالات معلوم تھے لیکن پھر حضرت مجدد کی صحبت میں وہ ولایتِ خاصہ سے مشرف ہوئے تھے۔ دیکھیں دفترِ اول کے مکتوبات ۱۳۵۔ ۲۴۱۔

[2] آپ کے نام حضرت مجددؒ کے متعدد مکتوبات ہیں۔ دفترِ اول: ۱۲۲۔ ۱۳۲۔ ۱۴۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶؛ ۱۶۱؛ ۱۷۶۔ ۱۸۸۔ ۲۱۲ (اسی دفتر میں مکتوبات ۷۲۔ ۱۱۹۔ ۲۴۱ میں بھی آپ کا ذکر ہے)۔ دفترِ دوم میں ۲۱۔ ۵۱ اور دفترِ سوم کے مکتوب ۸ بھی آپ کے نام ہے۔

بہ ہر حال، جو شخص (۱) شاعر ہو (۲) لشکر کا سپاہی رہ چکا ہو (۳) حضرت خواجہؒ کا فیض یافتہ ہو (۴) حضرت مجددؒ کو "استاذی" کہے اور (۵) جس سے صاحب حضرات القدس وغیرہ حضرت خواجہؒ کے حالات معلوم کریں وہ اس زمانے میں مولانا محمد صدیق کشمیؒ (المتخلص ہدایت) کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مکاشفات عینیہ (یا غیبیہ)

راقم الحروف نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکاشفات ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۵ء میں کراچی سے شائع کیے تھے۔ بعض قلمی نسخوں میں اس رسالے کا نام مکاشفات عینیہ لکھا ہوا ہے اس لیے اسی نام کو ترجیح دی تھی۔

رسالے کے شروع میں (صفحہ ۵) تحریر ہے کہ:

"نمودہ می آید کہ در سال یک ہزار و پنجاہ و یک، ورقے چند از مسودات قدسی آیات حضرت قدوۃ المحققین .... امامنا و قبلتنا الشیخ احمد بن عبدالاحد الفاروقی قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس از بعضے دوستان بدست افتاد .... بخاطر یکے از فدویان ایں درگاہ قرار یافت کہ نقل ہزار بروالد و آں لآلی منثور را در سلک جمع و ترتیب از و باید داشت کہ اکثر معارف آں اوراق از علوم سابقۂ آنحضرتؓ اند و نیز بعضے از آں اوراق ازاں قبیل اند کہ حاصل علوم آں در رسائل و مکاتیب آنحضرتؓ است۔ لیکن چوں بساط سخن در آنجا بہ طرح دیگر است و از فوائد زوائد نیز خالی نیست تبرکاً آں را نیز در رنگ سائر اوراق نقل گرفتہ بہ بیاض آوردہ و رسالہ موسوم بہ "مکاشفات عینیہ" ترتیب داد و شجرات مشائخ قادریہ و نقشبندیہ کہ آنحضرت املا فرمودہ اند و اجازت نامہ ہا کہ بہ بعضے از خلفائے خود نوشتہ اند تیمناً نقل آں نیز پیش از مکاشفات آوردہ شد و استطراداً آسامی اینک پیران چشت را نیز نوشتہ شد ہر چند املا آنحضرتؓ نیست ...."

؎ حضرت مجددؒ سے تربیت حاصل کرنے کے بعد ہی مولانا محمد صدیقؒ نے حضرت خواجہؒ کے مکتوبات نمبر ۸۔۱۰ کے تمہیدی کلمات میں آپ کو (حضرت مجددؒ کو) "استاذی" لکھا ہوگا۔

Marfat.com

اس عبارت میں صرف "امامنا و قبلتنا" جیسے الفاظ سے ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ آپ کے صاحبزادہ والا مرتبت یعنی حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ (م ۱۰۷۹ھ / ۱۶۶۸ء) نے لکھے ہوں گے اور جہاں آپ کے مختلف خلفا کے متعلق اجازت نامے درج ہیں وہاں سب سے آخر اجازت نامہ جو بہت مختصر بھی ہے خواجہ محمد ہاشم کشمی رح سے متعلق ہے، اس لیے قیاس تھا کہ مؤخر الذکر نے انکسار کی وجہ سے اس طرح آخر میں درج کیا ہوگا، اس مجموعے کے مرتب خواجہ محمد ہاشم کشمی رح ہی ہوں گے۔ چناں چہ انھی کو اس کا مرتب قرار دیا گیا تھا۔ لیکن مولانا ابوالحسن زید فاروقی صاحب مدظلہ نے اپنی کتاب "حضرت مجدد رح اور ان کے ناقدین"[1] (صفحہ ۴۶) میں لکھا ہے کہ یہ مجموعہ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ ہی نے مرتب فرمایا تھا۔ بعد میں جناب محمد اقبال مجددی نے بھی حسنات الحرمین[2] کے مقدمے (صفحہ ۱۹) میں یہی بات کہی ہے۔ بہر حال راقم الحروف کو اصرار نہیں ہے کہ خواجہ محمد ہاشم کشمی رح ہی نے یہ مجموعہ مرتب کیا ہوگا۔

حضرت مخدوم نوح ہالائی کا فارسی ترجمۂ قرآن مجید

حضرت مخدوم نوح ہالائی قدس سرہ (م ۹۹۸ھ / ۱۵۹۰ء) نے قرآن مجید کا فارسی ترجمہ کیا تھا

---

[1] مطبوعہ دہلی ۱۳۹۷ھ

[2] مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء۔ محمد اقبال مجددی صاحب نے اسی کتاب کے صفحہ ۲۰-۲۱ میں میرے ایک سہو کی نشان دہی کی ہے جو مکتوبات معصومیہ رح (کراچی ۱۳۹۶ھ) کے مقدمہ (صفحہ ۱۵) میں، مکتوب نمبر ۱۴۲ سے متعلق ہے۔ وہاں کتابت میں فرق ہو گیا تھا۔ ان کا حوالہ "ذکر اوراد وظائف کہ حضرت عروۃ الوثقی رح جمع نمودہ بودند و خلیفہ مولانا محمد حنیف رح داشتہ باشند" لیکن خود محمد اقبال صاحب سے یہاں سہو ہو گیا ہے۔ وہ مکتوب (نمبر ۱۴۲) مولانا محمد حنیف رح کے نام نہیں ہے جیسا کہ انھوں نے (صفحہ ۲۰-۲۱ میں) لکھا ہے پھر اسی کتاب حسنات الحرمین (صفحہ ۲۷، ح) میں ان سے اور سہو ہوا ہے۔ وہ لکھ رہے ہیں کہ مکتوب (معصومیہ ۱/۲۷) ۱۰۵۱ھ کا ہے اور اس کے آخری جملے خواجہ محمد معصوم رح کے حج سے متعلق ہوں گے۔ ایسا نہیں ہے بل کہ وہاں یہ ذکر ہے کہ ۱۰۵۱ھ میں امان اللہ بیگ برہان پور سے سرہند آئے تھے اور وہ اپنے مکشوفات بیان کرتے تھے جو آخر تک درج ہیں۔

Marfat.com

اور وہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ (م ۱۱۷۶ھ) کے ترجمے سے مقدم ہے۔

جناب مخدوم محمد زماں طالب المولیٰ صاحب (موجودہ سجادہ نشین ہالا) کی مالی اعانت سے راقم الحروف نے ۱۹۶۲ء میں اس ترجمے کا پہلا پارہ شائع کیا تھا۔ اس ترجمے کے کاتب حضرت مخدوم نوحؒ کے خلیفہ حضرت بہاء الدین گودریہؒ تھے جنھوں نے اپنے پیر بھائی حضرت سید ابوبکر کی فرمائش پر اس ترجمے کی کتابت کی تھی۔

مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی صاحب مدظلہ نے سندھی ادبی بورڈ کے تعاون سے ۱۹۸۳ء میں پورا ترجمہ شائع کیا ہے اور حضرت بہاء الدین گودریہؒ کی تحریر کے ایک نسخے کا عکس بھی اپنے مقدمے (صفحہ ۱۴ کے مقابل) میں دیا ہے۔ حضرت بہا الدینؒ نے ورقِ اول کے حاشیے میں اور پھر آخری ورق پر اس ترجمے کی کتابت سے متعلق جو تفصیل دی ہے وہ راقم الحروف نے پہلے پارے کے مقدمے میں پیش کردی تھی۔ لیکن مولانائے موصوف نے اس پر توجہ نہیں فرمائی اور ۲۱ سال کے بعد جب خود اس تفصیل کا مطالعہ فرمایا تو اس کے بہت سے الفاظ مٹ چکے تھے۔ راقم الحروف اس تحریر کی قدامت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو یہاں پیش کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ ضائع نہ ہونے پائے۔ پہلے ورق کے حاشیے پر حضرت بہا الدین گودریہؒ لکھتے ہیں:۔

بدانکہ! بعد حمد سبحانہ وصلوٰۃ حبیبہ علیہ السلام بعد ان آوردن سرخی از شہر تتہ مرفہ از بیست وہفتم ماہِ شعبان در نوشتنِ ترجمہ بعد ظہر شروع کردم در تاریخ ۱۱۰۱ھ بفضل و کرم الٰہی امید کہ بحرمت قرآن و بحرمت نبی آخر الزمانؐ جملۂ ترجمہ بخیریت و سلامت تمام گردد۔ آمین آمین۔ چوں سورۃ توبہ تمام شد درمیان ماہِ ذوالحج و محرم تا بیست و ہفتم وے تعطیل افتادہ۔ بعد باز از بیست و ہفتم محرم از سورۃ یونس شروع ترجمہ کردم۔ بعدہٗ تا آخرِ سورۃ شعراء در ماہِ ربیع الآخر رسیدم۔ بعدہٗ باز فاصلہ شد تا در سیوم ماہِ رمضان از سورۃ نمل شروع کردم وقتِ ضحیٰ درخانۂ خود متوجہ بجنوب تا بیستم ماہِ رمضان ...

... دہ روزہ اعتکاف۔ بعد از عیدِ رمضان شروع کردم از عنکبوت۔ ذی الحجہ بل از نزہ ہیچ نہ نوشتم تا روزِ بیستم ماہِ ذی الحجہ شروع نوشتہ شد و از بیست و ششم ماہِ ذی الحجہ

Marfat.com

تا ..... محرم الحرام نوشتم۔ بعدہٗ از دوشنبہ مجمع شروع افتاد ..... ثم بعد ذٰلک در روز پنج شنبہ ہفدہم ماہ صفر تمام شد بدستِ فقیر حقیر در حجرۂ تبرکہ بحرمت ترجمۂ قرآن کریم وقتِ ضحیٰ کبریٰ در تاریخ ۱۰۱۳ ہزار و سیزدہ سال از ہجرتِ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

بدانکہ در دہ ماہ دریں سال تمام ترجمہ شدہ است۔

اس عبارت سے واضح ہے کہ ترجمے کی کتابت ۲۷ شعبان ۱۰۱۱ھ (یک شنبہ ۳۰ جنوری ۱۶۰۳ء) سے شروع ہوئی اور پنج شنبہ ۱۷ صفر ۱۰۱۳ھ (۵ جولائی ۱۶۰۴ء) کو مکمل ہوئی۔

پھر بالکل آخری ورق میں سرخ روشنائی سے حضرت بہاء الدین گودریہ نے مزید تفصیل اس طرح لکھی ہے:۔

"تحریرِ مصحف را تاریخ، کاتبش نہ نوشتہ ولیکن تحریرِ ترجمہ در سالِ ثلث عشر والف سنہ بود بدستِ فقیر بہاء الدین گودریہ کہ یکے از فقیرانِ سند است و باعث بر نویسانیدنِ ترجمہ حضرت سید سادات طالب وصولِ ربّ العلمین میاں سید ابوبکر سلمہ اللہ تعالیٰ است و چوں ایں فقیر نظر کرد در مصحف مخدوم آں طریقے (کہ غوث ..... حضرت مخدوم نوح قدس سرّہ ....) کہ در مصحفِ مخدوم است واضح تر کتابت بود کہ مصحف بطریقے بود کہ در سند یافتہ نہ شود کہ اول ہر صفحۂ او آیت است و آخرِ ہر صفحہ نیز آیت تمام بود و ہر دہ ورق جزو تمام بود کہ در سینی کراس تمام شدہ است و درمیانِ ہر دو سطرے مفاصلۂ سہ سطر ترجمہ واضح کتابت داشت و آں ترجمہ در مصحف پیش از جلد کردن تمام نوشتہ بود۔ و ایں فقیر کاتب چوں کاتبان است و نہ خوش وقتِ ہر حال است و نہ بے جلد مصحف یافت و نہ درما دو سطر قابلیت بیش از یک سطرِ ترجمہ یافت بلکہ دریا بہا چناں درجِ قرآن از جہتِ حروفِ قرآن می دید کہ چوں تمام ترجمہ زیرِ ہر حرفے نہ شد آں را بیرون نوشتہ است و در جائے بعضے چناں باریک نوشتہ شد کہ بناقلِ تمام صاحبِ علم کہ واقفِ رسمِ کتابت فقیر شدہ باشد می یابد و الحاصل مناسبت ایں مصحف بمصحفِ مخدوم در عشرِ عشیر واقع نہ شد بجز آنکہ ہر گاہ کہ نوشتم بہر حال کہ بودم از نوشتن گاہ ہر روز، گاہ بعد از ایّام ربعے از قرآن یا رکوعے

Marfat.com

یا چند سطرے بہر قلم باریک یا سطر، راست حروف یا معوج تحریر شد۔ از حضرت سید سادات معذرتِ حالِ خود بہ امیدِ مغفرتِ گناہ درخدمت کہ با تقصیر تمام می کردم۔ الحال از امیدواری دعاے برائے خود و اہل و اولادِ خود روے در شرمِ ساری بسیار ہستم لیکن چوں نقلِ کلام اہلِ فضل است کہ العذر عند الکرام مقبول، عفوِ گناہِ خود را امید دارم کہ چوں قابلیتِ اصلی مرا مقدر بایں مرتبہ رسیدہ بود بر ہمان نہج ظاہر شدہ۔ والسلام علی الناظرین۔ الکاظمین الغیظ والعافین عن الناس ۔ والدعاء مطلوب والفاتحہ السلام الخاتمہ مرغوب۔[1]

اگر اس عبارت کا مقابلہ اس عبارت سے کیا جائے جو سندھی ادبی بورڈ کے شائع کردہ قرآن مجید کے مقدمے میں ہے تو اُس کے اکثر مقامات میں کمی نظر آئے گا اور اس میں اوپر کے قوسین کی وہ عبارت بھی نہیں ہوگی جو حضرت بہاء الدین گودریہ نے حاشیے پر لکھی تھی۔

ذریعۃ الوصول الیٰ جناب الرسول صلّی اللہ علیہ وسلّم

یہ رسالہ مخدوم محمد ہاشم تتویؒ کا مرتب کردہ ہے۔ اس میں ماثورہ دعائیں ہیں۔ مہران آرٹس کاؤنسل، حیدر آباد (سندھ) نے خوبصورت سرورق کے ساتھ شائع کیا ہے۔ سالِ اشاعت درج نہیں۔

ایک فاضل نے رسالے کے شروع میں "زندگیِ مؤلف" فارسی میں لکھی ہے۔ اس میں مخدوم محمد ہاشمؒ کی وفات ماہ رجب ۱۱۷۴ھ میں لکھی ہے۔ لیکن سرورق پر ۱۱۷۵ھ درج ہے۔ اسی "زندگیِ مؤلف" میں انھوں نے لکھا ہے کہ "این رسالہ ذریعۃ الوصول الیٰ جناب الرسولؐ از تالیفِ مخدومِ معظم است کہ بخطِ مؤلف در کتاب خانۂ ایں حقیر موجود بود"۔ یعنی ان کا خیال ہے کہ یہ رسالہ (بلکہ اس کے ساتھ دوسرے دو رسالے بھی) مخدوم محمد ہاشمؒ ہی کے دستِ مبارک کے لکھے ہوئے ہیں اور اس خیال کی وجہ یہ ہے کہ مجموعے

---

[1] ترجمے کے آخر صفحے میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ سید شہاب الدین بن سید حسین بن سید محمد بن سید بکر ابی بکر المکلائی (جن کی فرمائش پر یہ ترجمہ لکھا گیا تھا) کی ملک میں یہ ترجمہ تھا۔

Marfat.com

کے سرورق پر اس طرح لکھا ہوا ہے:۔

هذه الرسالة المسماة
بذريعة الوصول الی
جناب الرسول صلی اللہ
علیہ وسلم من تالیفات
الفقیر محمد ہاشم عفی
عنہ

اس تحریر سے بے شک یہی شبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس میں "تالیفات" لفظ بھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مخدومؒ اس سے پہلے اور کتابیں بھی مرتب فرما چکے تھے لیکن "زندگیِ مؤلف" میں یہی کہا گیا ہے کہ یہ ان کی سب سے پہلی کتاب ہے:۔

"ایں سعیِ علمی اولین سعی باشد کہ از مخدومؒ صادر شدہ"

یہ رسالہ حضرت مخدومؒ نے ۱۱۳۳ھ میں (یعنی ۲۹ سال کی عمر میں) ترتیب دیا تھا۔ حمد و نعت کے بعد آپ لکھتے ہیں:۔

"اما بعد می گوید بندۂ ضعیف، امیدوار برحمتِ حضرتِ ملکِ قوی، محمد ہاشم بن مرحوم عبد الغفور سندی، رحمہما ربہما وستر عیوبہما انہ الرحیم الغنی کہ این رسالہ الیست مختصر کہ درج کردہ می آید درو سے کیفیاتِ صلوات ماثورہ را کہ وارد شدہ اند در احادیثِ مرفوعہ .... وشروع کردہ شد دریں رسالہ روزِ چہار شنبہ دویم شہر رجب مرجّب منتظم درسلک سنۃ الف ومائۃ وثلث وثلثین از ہجرتِ نبویہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ و فراغ یافت بتاریخ ہفدھم از شہر رجب باوجود تعویق بعضے عوائق ومدافعۃ قدرے از علائق ...."

اس رسالے کے ساتھ ہی دو اور رسالے شامل ہیں اور سب ایک ہی خط میں ہیں۔ رجب ۱۱۳۳ھ کے پندرہ ۱۵ دنوں میں مرتب ہوئے پہلے رسالے کے بعد صفحہ ۴۲ سے دوسرا رسالہ محمد عمر موریہ کا مرتب کردہ ہے جیسا کہ اس کے آخر میں (صفحہ ۵۲ پر)

Marfat.com

اس کی صراحت ہے۔ اور اس کے بعد ہی صفحہ ۵۲ سے ایک رسالہ چہل صلوات سے متعلق ہے جو صفحہ ۶۲ پر ختم ہو جاتا ہے لیکن ناقص الآخر ہے۔ اس ناقص الآخر رسالے کا ایک مکمل قلمی نسخہ سندھی ادبی بورڈ (جام شورو) میں موجود ہے لیکن اس میں بھی مؤلف کا نام مذکور نہیں ہے اور وہ ماہ ربیع الثانی ۱۲۲۳ھ کا تحریر کردہ ہے۔ اس کے کاتب کوئی عبد الحلیم ہیں۔ یعنی یہ نسخہ، مہران آرٹس کاؤنسل کے مجموعے کے قریب تین ماہ قبل نقل ہوا ہے۔

اب عرض صرف اتنی ہے کہ یہ رسالے "بخطِ مؤلف" نہیں ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مہران آرٹس کاؤنسل والے نسخے میں صفحہ ۱۸ کی سطر ۲ میں یہ عبارت شروع ہوتی ہے۔

"روایت کرد ابو یوسف جماص در فوائد خود حضرت علی بن ابی طالب و از حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ گفتند ایشاں ہر دو کہ ذکر کرد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم دعاے را کہ خوانده شود در حالِ وقوف بہ عرفہ و ذکر کرد در اثنائے آں ایں کیفیت صلوٰۃ را کہ صلی اللہ در ایں جا لفظ تعالیٰ نیز باید گفت، اگرچہ در اصل روایت بہ ثبوت نہ پیوستہ۔"

یہاں خط کشیدہ عبارت کے متعلق بین السطور میں جو تحریر ہے وہ یہ ہے :۔

"لفظ در این جا تا الیٰ قولہ بہ ثبوت نہ پیوستہ، حاشیہ است در این جا۔ ولیکن راہِ خطا، کاتب داخلِ کتاب کرد"۔ یعنی یہ الفاظ اس مقام پر حاشیے ہیں جسے جس کو کاتب نے غلطی سے اصل کتاب میں داخل کر دیا۔

اس طرح یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ موجودہ نسخے کو کسی اور کاتب نے نقل کیا ہے اور اس نے یہ غلطی کی ہے کہ حاشیے کی عبارت کو اصل کتاب میں داخل کر دیا ہے۔ یعنی اصل نسخہ کوئی اور تھا جس کی یہ نقل ہے اور اس کا کاتب بھی کوئی اور ہے۔

مزید ثبوت کہ یہ رسالے "بخطِ مؤلف" نہیں ہیں، یہ بھی ہے کہ صفحہ ۵۸ میں ایک عبارت ہے :۔

Marfat.com

"شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ بداں مجلس حاضر شد۔ امام موسیٰ برپائے خواست.... گفت پیغمبر را علیہ الصلوٰۃ والسلام در واقعہ دیدم' جائے نشستہ و بسیارے از اکابر بخدمت وے ایستادہ ناگاہ شبلی در آں مجلس در آمد۔ متوجہ حضرت پیغامبر علیہ الصلوٰۃ والسلام شد۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برخواست وبااو معانقہ کرد ومیانِ دو چشم او بوسہ داد...."

اس عبارت میں دو جگہ برخاست کے بجائے برخواست ہے جو مخدوم ہاشمؒ جیسے فاضل نہیں لکھ سکتے۔ صفحہ ۶۰ (سطر ۱۲) میں بھی ہے:-

".... در سماع آں خروش و فغاں از چندیں زاویہ و کاشانہ برخواست..."

یہاں بھی برخاست کے بجائے برخواست ہے۔ حضرت مخدوم ہاشمؒ کے متعلق سوء ظن ہوگا کہ وہ برخاست کے بجائے برخواست لکھیں۔ چناں چہ اب واضح ہوگیا کہ یہ رسالے حضرت مخدومؒ کے خط کے تحریر کردہ نہیں ہیں بلکہ ان کا کاتب کوئی اور ہے۔

سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ

اس موضوع پر اردو میں دو محترم بزرگوں کی کتابیں بڑی شہرت رکھتی ہیں۔ ایک تو مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم کی ہے جس کے پہلے ایڈیشن کی "تمہید" میں مولانا نے جن کتابوں کے حصول کے لیے اشتیاق ظاہر کیا تھا۔ ان میں سے ایک محدث ابن عبدالحکم کی کتاب بھی تھی۔ تیسرے ایڈیشن میں انھوں نے اس کتاب کو بھی پیش نظر رکھا ہے جیسا کہ اس کے دیباچے میں ظاہر کیا ہے۔ دوسری فاضلانہ کتاب مولانا رشید اختر ندوی صاحب کی ہے جو لاہور سے ۱۹۵۷ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں ابن عبدالحکم کے بکثرت حوالے ہیں۔

مولانا عبدالسلام ندوی نے ۸۰ صفحات میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے خاندانی حالات جمع کیے ہیں' پھر ان کی خلافت' ازواج و اولاد' اخلاق و عادات' اعمال و عبادات' کارنامے' تدوینِ حدیث' عمارات' سیاست و حکومت' ملکی اور انتظامی معاملات وغیرہ

Marfat.com

کی تفصیل دی ہے۔

مولانا رشید اختر ندوی نے نئی ترتیب کے ساتھ شروع میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے آباء کرام کے حالات، پھر آپ کے مختلف دینی، سیاسی اور اصلاحی کارنامے بیان کیے ہیں اور بتایا ہے کہ حضرتؓ نے دو سال اور پانچ ماہ کی حکومت میں قوم کو وہ سب کچھ دیا جو ان کے شایانِ شان تھا اور قوم کو جس کی ضرورت تھی۔ پھر جگہ جگہ مولانا نے ہمارے خواص اور ارکانِ حکومت کو چونکا دینے کی بھی کوشش کی ہے۔

لیکن ان دونوں بزرگوں سے بہت پہلے انہی کے قرب و جوار کے ایک عالم ابوالفیاض محمد عبدالقادر اعظم گڑھی کی بھی ایک کتاب اسی موضوع پر ہے جو ۱۳۰۶ھ کے قریب سید المطابع، بنارس سے شائع ہوئی تھی۔ انھوں نے "سبب تالیف کتاب" میں لکھا ہے کہ:

"اب تک گو ہم نے بہت سوانح عمریوں کی سیر کی لیکن کوئی ایسی کتاب نہیں دیکھی جو عوام اہلِ اسلام اور خواص دونوں کے لیے برابر مفید و کارآمد ہو اور خداداد برکت سے دونوں فریقوں کے دلوں پر خاص اثر ڈالے جو باعثِ برکات دینی و دنیوی ہوئے بالخصوص روحانی صفات زہد و قناعت، صبر و استقلال، خوف و رجا، صلاح و تقویٰ، عدل و انصاف وغیرہ وغیرہ کی زمانے کے حال میں ایک تازہ روح پھونک دے اور مسلمانوں کے ان ہونہار بچوں کو۔۔۔ سیدھی راہ پر لگا دے۔"

مولانا ابوالفیاض محمد عبدالقادر نے اپنی کتاب پر "پہلا حصہ" لکھا ہے یعنی دوسرا حصہ بھی لکھنا چاہتے تھے لیکن معلوم نہیں کہ انھوں نے پھر وہ حصہ لکھا یا نہیں۔ پہلے حصے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے آباء و اجداد، پھر ان کی ولادت، تعلیم و تربیت، نکاح، مدینہ منورہ کی گورنری، فقہائے عشرہ، تعمیر مسجد نبویؐ، انتظام چاہ و فوارہ و شاہراہ، حج، کیفیتِ معزولی، شہادت سعید ابن جبیر، کیفیتِ بیعتِ خلافت، ترکِ سَبّ، واقعہ باغ فدک، عدل و انصاف، عراق کی مالگذاری، یزید بن مہلب کی معزولی، جراح کی معزولی، بغاوتِ بسطام خارجی، حضرتؓ کا خوف و تقویٰ، حلم و تواضع، زہد و قناعت، مجددیت، نظام سلطنت، ہندوستان کے بعض علاقوں کی فتح، بعض اکابر کی وفات، علوم و فنون کی قدردانی

احادیث کے جمع کرنے کی تاکید، مسند عمر بن عبد العزیزؒ، خطبات، مذاقِ شعر، متفرقات، وفات وغیرہ کی تفصیلات ہیں۔ اور مولانا نے حسب ذیل کتابوں سے استفادہ کیا ہے:۔

بخاری، موطا امام مالکؒ، ابو داودؒ، سننِ نسائیؒ، مشکوٰۃ، نووی شرح صحیح مسلم، فتح الباری، تذکرۃ الحفاظ، تقریب التہذیب، حاکم فی المستدرک، اسد الغابہ و اصابہ، کامل ابن اثیر، ابن خلکان، طبقاتِ ابن سعد، تاریخ الخلفاء، ابن عساکر، ابو الفداء، مجمع البحار، تخریج زیلعی، ازالۃ الخفا، احیاء العلوم، مروج الذھب و معادن الجواہر، خلاصۃ الوفاء، جذب القلوب، ابن خلدون، روضۃ الصفا، ارکان اربعہ، الدین الخالص، مسامرات ابن عربی، زبدۃ شرح وفا، مجالس الابرار، نفحۃ الیمن، حجج الکرامہ، تلخیص الحبیر، المستطرف، خلاصۃ الوفا، حسن المحاضرہ، وصول الامانی وغیرہ۔

مذکورہ بالا دو بزرگوں نے بھی ان کتابوں میں سے اکثر کو پیش نظر رکھا تھا لیکن وہ دونوں بزرگ قلم کے بادشاہ ہیں اور یہی خصوصیت مابہ الامتیاز ہے۔ تاہم مولانا عبد القادر کی کتاب ایسی نہیں ہے جو فراموش کی جا سکے۔

کشف المحجوب کا ایک نسخہ

ہمارے ملک کے ایک نامور محقق اور فاضل یگانہ کے صاحبزادے نے حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ (م ۴۶۹ھ) کی کشف المحجوب کی اشاعت کا ارادہ کیا تو بار بار مجھے اپنے دولت کدے پر کام کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ مئی ۱۹۶۵ء میں عزیز محترم مولانا سید محبوب حسن واسطی صاحب کے ساتھ ان کے یہاں حاضر ہوا اور گیارہ دن تک ان کا نمک کھایا۔ ان کا بہت ممنون ہوں۔ ان گیارہ دنوں میں ہم دونوں نے پورے دن اور آدھی آدھی رات تک کشف المحجوب کے ایک مخطوطے کی تصحیح کی۔ اس میں غلطیاں بہت تھیں تاہم بحمد اللہ کام پورا ہو گیا۔ آں محترم نے پھر مجھ سے اس کا مقدمہ لکھنے کی بھی فرمائش کی۔ گھر آ کر میں نے وہ فرمائش بھی پوری کر دی لیکن انھوں نے ایک مصلحت کی بنا پر اس مقدمے کو اپنے ایڈیشن میں شامل نہیں کیا اور اپنے "پیش لفظ" میں صرف اتنا اعتراف کیا ہے کہ (سید ہاشمی فرید آبادی مرحوم کی طرح) میں نے بھی وہ مخطوطہ حرف

Marfat.com

پڑھا ہے (تصحیح کا کوئی ذکر نہیں)۔

بات در اصل یہ ہے کہ اس مخطوطے کے ترقیمے میں کاتب نے اپنا نام بہاؤ الدین ذکریا لکھا تھا۔ یعنی ذال سے ذکریا لکھا تھا "زکریا" نہیں لکھا۔ یعنی وہ بیچارہ اس قدر کم سواد تھا کہ اپنا نام بھی صحیح نہیں لکھ سکتا تھا۔ (اسی بات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مخطوطے میں کس قدر غلطیاں رہی ہوں گی)۔ اس کاتب نے سالِ کتابت ۱۱۰۰ھ لکھا تھا جس پر کسی نے سیاہ قلم پھیر کر ۶۶۴ھ بنا دیا ہے تاکہ وہ کتابت حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہ (م ۶۶۶ھ) سے منسوب ہو سکے۔ چناں چہ کتاب کی اشاعت کے وقت کاتب کے نام اور اس کے تحریر کردہ سنہ کو مزید غیر واضح کر دیا گیا ہے۔ لیکن کتاب کے شروع میں آں محترم کے والد ماجد مرحوم کے دو فاضلانہ مضمون (حضرت داتا گنج بخش رح اور حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے متعلق) شامل کر دیے گئے ہیں جو مرحوم نے کسی وقت تحریر فرمائے تھے اور جو یقیناً بہت مفید ہیں۔ "پیش لفظ" میں آں محترم نے اپنا ایک خواب بھی شامل کر دیا ہے جو بہت مبارک ہے۔

آخر میں چند مہریں بھی ہیں اور غالباً میر جملہ (گیارھویں صدی ہجری) کی مہر سے پہلے کی کوئی مہر نہیں ہے۔

Marfat.com

چند یادداشتیں

مختلف مقامات کی سیر کے دوران راقم الحروف نے چند یادداشتیں اپنی بیاض میں محفوظ کرلی تھیں۔ وہ یہاں پیش کی جارہی ہیں کہ شاید کسی کے لیے کارآمد ثابت ہوسکیں۔

ابوالعلا گنجوی کے نایاب اشعار

نواب حبیب الرحمٰن خان شروانی مرحوم کے کتب خانۂ حبیب گنج میں (جو اب علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں منتقل ہوچکا ہے) ایک قلمی مجموعۂ قصائدِ فارسی ۴۹/۲ ہے۔ اس میں ابوالعلا گنجوی کے یہ اشعار ملتے ہیں :-

سخنوران بمن امروز اقتدا آرند ... روا بود کہ منم قدوۂ ہمہ شعرا
چو رفت جانِ عمادی بمن گذاشت عماد ... چو شد روانِ سنائی بمن گذاشت سنا
تبارک اللہ پنجاہ و پنج بشمردم ... بہ شصت باشد پنشتم چو شست گشتہ دوتا
بعقدِ ستّیں گشتہ ست پنجۂ عمرم ... گہِ وداع رحیل ست ازیں فناء فنا
سرِ ملوک منوچہر مہرِ چہر کزو ... شدہ ست زندہ و فرخندہ خاندانِ نیا

ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ :-

(۱) عمادی غزنوی اور سنائی غزنوی (شعر ۲) اُس وقت تک فوت ہوچکے تھے۔

(۲) ابوالعلا گنجوی کی عمر اُس وقت (شعر ۳) ۵۵ سال کی ہوچکی تھی اور وہ چھٹی دہائی میں تھی۔

(۳) منوچہر (دوم) خاقانِ شروان اُس وقت (شعر ۵) زندہ تھا جس کی مدح کی گئی ہے۔

خانیکوف Khanikof نے تذکرہ خاقانی (اور نیشل کانج میگزین۔

اگست ۱۹۳۶ء صفحہ ۵۲) میں ابوالعلا گنجوی کی تاریخ پیدائش ۴۸۵ھ اور ۴۹۰ھ کے درمیان متعین کی ہے۔ اس حساب سے وہ اشعار، شاعر کی ۵۵ سالہ عمر میں یعنی ۵۴۰ھ اور ۵۴۵ھ کے درمیان لکھے گئے ہوں گے جب کہ سنائی اور عمادی (شعر ۲) فوت ہو چکے تھے۔ لیکن سنائی کا انتقال ۵۴۵ھ میں ہوا ہے اور منوچہر دوم کا انتقال ۵۵۰ھ[1] میں ہوا ہے۔ اس لیے ظاہر ہو کہ ان دونوں سالوں کے درمیان وہ اشعار لکھے گئے ہوں گے۔

استاذی ڈاکٹر ہادی حسن مرحوم[2] نے اپنے انگریزی مقالہ "فلکی شروانی" (لندن ۱۹۲۹ء) کے صفحہ ۹۵ میں ابوالعلا گنجوی کے جو چھ اشعار دیے ہیں وہ یہ ہیں:-

چو شد روانِ عمادی بمن گذاشت شرف | چو رفت جانِ سنائی بمن بماند سنا
تبارک اللہ پنجاہ و پنج بشمر دم | بشصت ناشدہ پشتم چو شست گشت دوتا
بعزتے کہ مرا باخدا یگاں بودہ ست | شہِ زمین و زمان فخرِ دین ابوالہیجا
سرِ ملوک منوچہرِ چہرِ شاہ کزو | شدہ ست زندہ و فرخندہ خاندانِ ثنا......
دروغ تر سخنے آنکہ شاہ را گفتند | ابوالعلا کہ تراہست سید الندما
مخالفانِ راسر تو می کند اعلام | معاندانِ راحالِ تو می کند انہا

عجیب اتفاق ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان سرہندی علیہ الرحمہ (م ۱۳۹۵ھ) کے دولت کدے پر (ٹنڈو سائیں داد۔ سندھ) کتابیں دیکھ رہا تھا تو ایک بیاض میں ابوالعلا گنجوی کے یہی اشعار نظر آئے جو تعداد میں ۱۵ ہیں اور نایاب ہیں۔ اس لیے وہ پیش کیے جاتے ہیں:-

ضمیرم ابرو سخن گوہر است و دل دریا | زباں منادی و دل کیسہ و زمانہ بہا

---

[1] Manuel de Genealogie Zambour (صفحہ ۱۸۲) میں منوچہر دوم کی یہی تاریخ دی ہے۔ لیکن ڈاکٹر ہادی حسن مرحوم نے اپنی کتاب فلکی شروانی (صفحہ ۱۲) میں ۵۴۴ھ لکھی ہے۔

[2] ڈاکٹر صاحب نے اپنے انگریزی مقالہ "فلکی شروانی" کے صفحہ ۹۶ میں عمادی غزنوی اور عمادی شہریاری کو دو مختلف شاعر سمجھا ہے۔ محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے بھی بیست مقالہ (جلد دوم۔ صفحہ ۲۶۵) میں اسی طرح لکھا ہے اور خود راقم الحروف نے بھی معارف (اعظم گڑھ۔ مارچ ۱۹۴۷ء) میں اسی طرح لکھا ہے۔ لیکن بعد میں معارف (فروری ۱۹۵۶ء) میں راقم الحروف نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عمادی غزنوی اور عمادی شہریاری ایک ہی شاعر کے دو نام مشہور ہیں۔

Marfat.com

بہ ہر بلادے گفتارِ من عزیز و شریف — بہ ہر دیارے اشعارِ من روان و روا

سخنوران بمن امروز اقتدا آرند — روا بود کہ منم قدوۂ ہمہ شعرا

چو رفت جانِ عمادی بمن گذاشت عماد — چو شد روانِ سنائی بمن گذاشت سنا

تبارک اللہ پنجاہ و پنج بشمردم — بہ شصت باشد گشتم چو شصت گشتہ دوتا

بعقدِ ستیں گشتہ ست پنجۂ عمرم — گہِ وداعِ رحیل است ازیں فنا آفنا

بعزتے کہ صرا باخدا یگاں بودست — شہِ زمین و زماں فخرِ دیں ابوالہیجا

سرِ ملوک منوچہر مہرِ چہر کزو — شدہ ست زندہ و فرخندہ خاندانِ نیا

بیالد از نکتم عقلِ بو علی دقاق — بنازد از سخنم جانِ بو علی سینا

چو من بصیرے کہ فارغ نباشد از حساد — چو من حکیمے کہ ایمن نباشد از اعدا

اگرچہ طوطیِ شخصم بقند پروردے — بعافیت بگزیدے بسانِ اژدرہا

ہزار گونہ مرا حاسد ست از ہر نوع — ہزار گونہ مرا خصم خاست از ہر جا

دروغ تر سخنے آنکہ شاہ را گفتند — ابوالعلا کہ ترا ہست سیدالندما

مخالفانِ را سرِ تو می کشد اعلام — معاندانِ را حالِ تو می کند انہا

مزورلیست عجب چہرہ دستِ دشمنِ من — کہ می نگاردِ نادیدہ صورتِ عنقا

گویا اس طرح نایاب قصیدے کے پندرہ اشعار جمع ہو جاتے ہیں ———
جو رضا علی خان ہدایت کے تذکرہ مجمع الفصحا والے اشعار سے متعدد مقامات پر مختلف ہیں۔

اسی بیاض میں ابوالعلا کے یہ اشعار بھی ملتے ہیں :-

برمن ایں عیب زخاقانی نیست — ہمہ از طالعِ او بیرِ من است

رنجِ ما ز آرزوے شہوت ماست — محنتِ من ہمہ از ..... من است

کودکِ مکتبِ من خواجہ سراست — گربۂ خانۂ من شیرِ من است

باہمہ طنطنہ و جباری — گرچہ بر چرخ لبوذیرِ من است

ہدفِ ناوکِ بوالقند زماست — کشتۂ ضربتِ شمشیرِ من است

Marfat.com

(۲) عقولِ عشرہ[1] ۔ اس کا مؤلف تھا۔ محمد بروزی (المتخلص اُمّی) بن محمد جمشید بن جباری[2] خان بن مجنون خان قاقشال (بن امیر غلام محمد بن امیر محمد بن خواجہ رستم شاہ بن کمال الدین) ۔

یہ مخطوطہ فارسی میں ہے ۔ اس میں دس ابواب ہیں جو عقول کے نام سے منسوب کیے گئے ہیں اور ہر باب کے تحت فہم اور فراست کے نام سے ذیلی عنوانات ہیں ۔ وہ دس ابواب یہ ہیں :-

کُرۂ افلاک ۔ اسطرلاب ۔ رمل ۔ کُرۂ زمین ۔ علمِ طب ۔ جبال ۔ معدنیات ۔ بحار ۔ وضع واختراع وعجائبات ۔ زمان ومکان ۔

مخطوطہ ۱۲۲۳ھ میں نقل ہوا تھا ۔ اس میں بڑے سائز کے اوراق ۱۷۶ ہیں ۔
ورق ۱۹ میں مؤلف لکھتا ہے :-

مؤلف تالیف دارد مسمّی بہ مجمل مفصّل کہ تاریخ شروع آن معلوم می شود واتمام آن قطعہ گفتہ کہ از عبارتِ ظاہرش تاریخ شروع آن معلوم می شود واز اعدادِ حروفِ او بحساب جُمل تاریخ اتمامش مستفاد می گردد واین ہم از نوادرِ اتفاق است وخالی از غرابت نیست ۔ نظم :-

این نامہ کہ تالیف نمودہ است اُمّی — بسیار بہ محنت وبہ رنج آمدہ است
تاریخ شروع وسالِ اتمام آن — چوں منبع ومخزن وگنج آمدہ است

---

[1] عقولِ عشرہ کا مخطوطہ راقم الحروف نے جناب فاضل زیدی (نواب شاہ) سے حاصل کیا تھا ۔ اس میں مصنف کا نام محمد براری لکھا ہے اور یہ کہ وہ سنہ ۱۰۸۴ھ کی تصنیف ہے ۔ لیکن رسالہ اردو (کراچی ۔ بابت جولائی تا دسمبر سنہ ۱۹۷۱ء) میں "شاہانِ اودھ کے کتب خانے" (مترجمہ ومرتبہ محمد اکرم چغتائی ۔ صفحہ ۲۷ میں) عقولِ عشرہ کے مصنف کا نام محمد بروزی بن محمد جمشید طاہری لکھا ہے اور یہ کہ وہ سنہ ۱۰۳۴ھ میں مرتب ہوئی ۔ وہ نسخہ نامکمل ہے ۔

[2] جباری خان کے نام حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ (م سنہ ۱۰۳۴ھ) کے تین مکتوبات ہیں (دفتر اول ۷۷ ۔ ۷۸ ۔ ۷۹) جباری خان کے چچا بابا خان کی اولاد میں حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں (م سنہ ۱۱۹۵ھ) تھے ۔ یعنی حضرت مظہر بن مرزا جان بن میرزا عبد السبحان بن میرزا محمد امان بن شاہ بابا سلطان بن بابا خان بن امیر غلام محمد .... مآثر الامراء ، جلد اول ۔ صفحہ ۳۰۹ میں ہے کہ مجنون خان قاقشال کے انتقال کے بعد جباری خان برائے نام سردار تھے اور اُن کے چچا بابا خان ہی سرداری کے فرائض انجام دیتے تھے ۔

Marfat.com

از روے حساب وظاہرِ الفاظش　　گفتم کہ "ہزار وشصت وپنج" آمدہ است [1]

ہم مؤلف تاریخ دارد کہ نامیدہ است او را بہ طبقات تیموری و در اتمام آن قطعہ گفتہ۔ این ہم خالی از ندرت نیست۔ قطعہ :-

چوں دریں سلکِ جواہر سعیِ عقل　　گوہر و لعل و زمرد سفتہ است
طبعِ اُمّی از پئے تاریخ آن　　"ہشتمِ ماہِ محرم" گفتہ است [2]

مؤلف نے (ورق ۱۸ ب) میر باقر خان حسینی کا ایک نعتیہ قصیدہ اکتیس اشعار کا نقل کیا ہے جس کے ہر مصرع سے ۱۰۴۷ھ برآمد ہوتا ہے۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں :-

نجیب و تاجِ رُسل، مُلکِ عدل، زیبِ جہاں　　عمادِ مجد و کرم، تکیۂ زمین و زماں
مہِ سپہرِ عطا، آفتابِ حُسن و جمال　　وحیدِ مُلک و مِلل، عینِ رحمتِ یزداں
ابد بہار پیمبر، پناہِ عزتِ دیں　　ازل مدار پیمبر، نتیجۂ دو جہاں....

پھر ورق ۱۹ ب میں خواجہ حسن مروی کا ایک ایسا قصیدہ نقل کیا ہے جس کے ہر شعر کے پہلے مصرع سے اکبر کا سالِ جلوس (۹۶۳ھ) اور ہر دوسرے مصرع سے جہانگیر کا سالِ ولادت (۹۷۷ھ) بنتا ہے۔ یہ سولہ اشعار ہیں جو اس طرح شروع ہوتے ہیں :-

للہ الحمد از پئے جاہ و جلالِ شہریار　　گوہرِ مجد از محیطِ عدل آمد در کنار.... [3]

اسی مخطوطے کے ورق ۲۲ ب میں مؤلف نے اپنی ذہانت سے یہ بات لکھی ہے لیلۃ القدر کے متعلق :-

لیلۃ القدر نہ حرف است وآن در سورۃ سہ جا تکرار کردہ۔ مجموعۂ حروف آن بست و ہفت

---

[1] لیکن "ہزار وشصت و پنج" کے اعداد سے ۵ عدد سے زیادہ بن جاتے ہیں یعنی ۱۰۷۰ھ۔

[2] حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال "روزِ دوشنبہ نہم ربیع الاول" کو ہوا اور انھی الفاظ سے اُن کا سن ۱۰۲۵ھ برآمد ہوتا ہے۔ یہ الفاظ خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ نے زبدۃ المقامات میں اور مولانا بدرالدین سرہندیؒ نے حضرات القدس (جلد دوم) میں نقل کیے ہیں لیکن ظاہر نہیں کیا کہ کس کی کاوش ہے۔ اسی طرح کی ایک عمدہ تاریخ مولوی صفدر حسین نے علی گڑھ کے ابتدائی مدرسے کے افتتاح پر لکھی تھی :-

تھی فکر مجھ کو اک دن تاریخ مدرسہ کی۔ بولا یہ مُلہمِ غیب "اٹھارہ سے پچہتر"، (لفظوں میں عیسوی سال اور اعداد سے ہجری سال ۱۲۹۲ بنتا ہے)

[3] خواجہ حسن مروی کے متعلق راقم الحروف کا مفصل مضمون رسالہ اُردو کراچی ۱۹۷۶ء جلد ۵۲۔ شمارہ ۱) میں ملاحظہ فرمائیں۔ مذکورہ بالا قصیدہ تزک جہانگیری کے دیباچے میں بھی درج ہے۔

Marfat.com

می شود۔ وہی کلمۂ بست وہفتم است از کلماتِ پس دلیل است بر آن کہ شبِ قدر تاریخ بست وہفتم بود۔ از شیخ ابوالحسن خرقانی رح منقول است کہ اگر غرۂ شہر رمضان المبارک روزِ یک شنبہ بود شبِ قدر تاریخ بست ونہم باشد واگر غرۂ مبارک رمضان روزِ دوشنبہ باشد شبِ قدر بست ویکم بود واگر غرۂ ماہِ صیام سہ شنبہ شبِ قدر تاریخ بست وہفتم شود واگر غرۂ ماہِ رمضان المبارک روزِ پنج شنبہ بود شبِ قدر تاریخ بست وپنجم باشد واگر غرۂ ماہِ رمضان المبارک روزِ جمعہ شود شب قدر تاریخ ہفت دہم (بست وہفتم ؟) بود واگر غرۂ ماہ رمضان المبارک روزِ شنبہ بود شبِ قدر تاریخ بست وسوم شود۔ لہ

ورق ۹ب میں حروفِ تہجی ابجد ہوز کے معانی بھی دیے ہیں ۔۔

الف (مردِ بے نیاز)۔ ب (مردِ بسیار گو)۔ ت (خاک بہ آب آمیختہ)۔ ث (چیزے نرم)۔ ج (شترِ بسیار شہوت)۔ ح (زنِ پلید ودراز زبان)۔ خ (مدے بینی وبر)۔ د (زنِ فربہ)۔ ذ (تاجِ خروس)۔ ر (بیشۂ بزرگ)۔ ز (بسیار خور)۔ س (غنی بخیل)۔ ش (مردِ بسیار جماع)۔ ص (رومی مس ودیگر مسین)۔ ض (ہدہد)۔ ط (مردِ غافل)۔ ظ (پستانِ عورت) ع (زنر)۔ غ (باران)۔ ف (کفِ دریا)۔ ق (مردِ مستغنی از خلق)۔ ک (مردِ مصلح ومونس)۔ ل (درخت)۔ م (شرابِ صاف)۔ ن (ماہی)۔ و (شترِ پیر)۔ ہ (طمانچہ)۔ ی (باقی شیر کہ در پستان باشد) ....

ومعنی ایں کلمات (ابجد) از ابن مسعودؓ روایت کردہ اند :۔

ابجد (یلفتم ترا اے بندہ در معصیت)۔ ہوز (تو در ہوائے نفسِ خود بودی۔ چوں ازاں بازگشتی جنت بتو دادم)۔ حطی (گناہ از توبہ کردن بخشیدم)۔ کلمن (سخن ناشایستہ کردہ بودی۔ چوں ازان توبہ کردی قبول نمودم وبر تو رحمت فرمودم)۔ سعفص (در دنیا عیشِ تو تنگ کردم ودر عقبیٰ فراخ سازم)۔ قرشت (اے بندہ چوں اقرار کردی بگناہِ خود پوشیدم

لہ ورق ۳۷ب میں مؤلف نے اپنے رمل کے اُستاد بندگی شیخ محمد یونس لاہوری کا ذکر کیا ہے اور ورق ۲۷ب میں اپنے رمل کے شاگرد شیخ محمود کا ذکر کیا ہے۔ اور ورق ۴۴ب میں ہندوستان کے مختلف قلعوں کا ذکر ہے۔ قلعۂ گوالیار کے متلق لکھتا ہے کہ قلعہ ایست معتبر از قلاع ہندوستان، در حوالیِ اکبرآباد وآگرہ، رفیع تزین حصار است کہ دعویِ ہمسری بچرخِ دوّار دارد وکشائشِ آن از جملہ محلات است۔ بادشاہانِ ہندوستان، عاصی را در آن قلعہ زندانی سازند۔،، ۔

Marfat.com

گناہِ تُرا)۔ تَخَذ (بندہ از خدائے عزّوجل قوت یافت)۔ مُنقطع (ساکن وایمن کردم از راہِ شیطانی)۔

(۳) عجائب النہران۔ یہ فارسی مخطوطہ ۱۲۲۲ھ[1] کا لکھا ہوا ہے۔ شروع کے چند اوراق نہیں ہیں۔ مصنّف کا نام بھی معلوم نہیں۔ اس میں علم رمل و نجوم کی کتاب تحفۃ الغرائب کا ذکر ہے جو امیر علی شیر (م ۹۰۶ھ) کے معاصر محمد بن شیخ محمد الھروی نے لکھی تھی۔ ظفر نامہ (از شرف الدین علی یزدی۔ م ۸۵۸ھ) مطلع السعدین (از کمال الدین عبدالرزاق بن اسحٰق سمرقندی۔ ۸۸۱ھ کی تصنیف)۔ روضۃ الصفا (از میر خواند بلخی۔ ۸۳۷ھ تا ۹۰۳ھ)۔ تاریخِ مغرب۔ اسلوبِ العجائب (از عبدالصمد بن ابراہیم الرفاعی)۔ عجائب الاخبار اور عجائب البلدان وغیرہ کے حوالے ہیں۔

ایک جگہ ذکر ہے کہ سلطان امیر علی شیر (م ۹۰۶ھ) کا ایک واقعہ قاضی اختیار الدین حسن سے سُنا کہ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ (م ۸۹۸ھ) اُن سے بیان فرماتے تھے کہ جب وہ حج کے لیے گئے تو ایک شخص اُن کا مُرید ہوا۔ وہ ہر روز حاضر ہوتا تھا۔ پھر کئی دن تک نہیں آیا۔ اور جب آیا تو اُس نے بتایا کہ میں نے ایک سانپ پتھر سے مار ڈالا۔ اُسے مارا تو گرد غبار اُڑنے لگا اور ایسا معلوم ہوا کہ ہوا نے مجھے اُڑا لیا اور میں ایسی جگہ پہنچا کہ وہاں ایک شخص تخت پر بیٹھا تھا۔ وہ بادشاہ معلوم ہوتا تھا۔ بہت سے لوگ اُس کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ لوگ جو مجھے لے گئے تھے اُس بادشاہ سے کہنے لگے کہ یہی وہ آدمی ہے جس نے ہمارے ایک شخص کو مار ڈالا ہے۔ بادشاہ نے مجھ سے سوال کیا کہ واقعی تم نے اُسے مارا ہے؟ میں کچھ کہنے والا تھا تو بادشاہ کے لوگوں میں سے ایک نے مجھ سے آہستہ سے کہا کہ بادشاہ سے کہو کہ مجھے وہ بتاؤ جو شریعت کہتی ہے۔ چنانچہ جب میں نے ایسا کہا تو بادشاہ نے مجھے قاضی کے پاس بھیج دیا۔ قاضی نے مجھ سے دریافت کیا تو میں نے اُس سے کہا کہ میں نے تو سانپ کو مارا تھا۔ قاضی نے اُن لوگوں سے دریافت کیا کہ تمہارا مقتول اُس وقت کس صورت میں تھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ وہ تو سانپ کی ہیئت میں تھا۔ قاضی

[1] یہ مخطوطہ بھی جناب فاضل زیدی سے حاصل کیا تھا۔

[2] ممکن ہے کہ یہ عجائب الدنیا (عجائب الغرائب) ہو جو جلال الدین حمزہ آذری اسفرائینی (م ۸۶۶ھ) نے لکھی تھی۔ اور اس سے پہلے عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات (عربی) زکریا رازی نے ۶۷۳ھ میں لکھی تھی۔

Marfat.com

نے کہا کہ پھر تو تمہارا دعویٰ صحیح نہیں ہے، کیونکہ میں نے لیلۃ الجن میں خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا :-

مَنْ تَزَیّٰ بِغَیْرِ زِیِّہٖ فَاِنْ قُتِلَ فَدَمُہٗ ھَدَرٌ [1]

(جس نے اپنے علاوہ کوئی اور بھیس اختیار کیا پھر اگر وہ قتل کیا گیا تو اس کا خون رائگاں ہے)

(۴) تاج پور نصر پور (سندھ) کی خانقاہ میں بعض نادر نہیں تو کم یاب مخطوطات ضرور ہیں۔

حضرت حافظ شیرازیؒ (م ۷۹۱ھ) کے ایک قلمی دیوان میں حضرت بہاء الدین نقشبند بخاری قدس سرہ (م ۷۸۲ھ) کی تعریف میں بارہ[۱۲] اشعار ملتے ہیں جو اس طرح سے شروع ہوتے ہیں :-

توتیائے چشم سازم خاکِ پائے نقشبندؒ	تا بیابم سرِ حق از لطف سلطان نقشبندؒ
رو بدرگاہِ بہاء الدیں نظر کن زانکہ ہست	نُہ فلک مانندِ درباں در سرائے نقشبندؒ
مُشکلاتِ ما ہمہ ہرگز نیاید در عدد	المدد یا خواجۂ مُشکل کشائے نقشبندؒ...

پھر آپ کی وفات پر قطعۂ تاریخ بھی اس دیوان میں ہے :-

بہاء الحق والدین طاب مثواہ	امامِ سنّت و شیخِ طریقت
چو می رفت از جہاں ایں بیت می خواند	بر اہلِ فضل و اربابِ براعت
بطاعت قربِ ایزدی تواں یافت	قدم در نہ گرت ہست استطاعت
بر ایں دستور تاریخِ وفاتش	بروں آر از حروفِ قربِ طاعت

حضرت بہاء الدین نقشبند قدس سرہ کا سالِ وفات عموماً مستند کتابوں میں ۷۹۱ھ بتایا گیا ہے لیکن "قربِ طاعت" کے اعداد سے ۷۸۲ھ بنتا ہے اور یہی صحیح ہوگا۔

اسی خانقاہ میں عرفی (م ۹۹۹ھ) کے ہم عصر فیروز کا قلمی دیوان (میم کی ردیف تک) بھی ہے۔ وہ کہتا ہے :-

فیروز ز عرفی غزلے تازہ شنیدم	در خوں کشد ایں مسئلہ برہانِ حکم را

---

[1] اسی قسم کا واقعہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۷۶ھ) کے بھائی اہل اللہ سے بھی منسوب ہے۔ لیکن حوالہ نہیں مل سکا۔

Marfat.com

فیروز نے صائب (م ۱۰۸۸ھ) کا زمانہ بھی پایا تھا۔ کہتا ہے :-

تکلف نیست در گفتارِ رندِ لاابالی را　　مرا فیروز در فریاد دارد مصرعِ صائب

شوکت بخاری[1] (م ۱۱۰۷ھ) کی ایک قلمی مثنوی بھی وہاں موجود ہے۔ وحشی کرمانی (بافقی۔ المتوفی ۹۹۱ھ) کی مثنوی فرہاد و شیریں بھی وہاں ہے لیکن ناقص الآخر ہے۔

کاشی کا قلمی دیوان بھی وہاں ہے۔ اس کا ایک شعر یہ ہے :-

از رہِ جد و پدر نسبت بہ کاشان می رود　　مولدِ من آمل و آبشخورم مازندران

یہاں بے محل نہ ہوگا اگر صاحبِ خانقاہ کا شجرہ بھی نقل کر دیا جائے۔ ممکن ہے کہ کسی کے لیے مفید ثابت ہو سکے :-

(۱) حضرت امام علی نقیؑ کے بعد (۲) عبداللہ جعفر ثانی (۳) شاہ اسمٰعیل (۴) سید محمد ابوعقیل (۵) عقیل (۶) ہارون (۷) حمزہ (۸) جعفر (۹) ابوالمکارم زید (۱۰) سید قاسم (۱۱) ابراہیم (۱۲) سید محمد قاسم (۱۳) ابراہیم ثانی (۱۴) علاؤالدین محمد (۱۵) ابوالفتح (۱۶) فخرالدین محمد (۱۷) سید محمود (۱۸) بایزید (۱۹) شاہ مبارک (۲۰) سید محمد (۲۱) سید ہاشم شاہ۔

پھر سید ہاشم شاہ کے پانچ بیٹے تھے۔ ایک نالیچکو تھے لیکن اُن کی اولاد نہیں ہوئی۔ دوسرے بیٹے عبدالخالق تھے۔ اُن کے بیٹے لطف اللہ تھے اور پوتے نوراللہ تھے۔ نوراللہ کے دو بیٹے تھے (۱) نجم الدین۔ اُن کے بیٹے غلام حیدر پھر میر شاہ، پھر غلام حسین۔

نوراللہ کے دوسرے بیٹے رحمت اللہ تھے۔ پھر ساجن شاہ عرف عبدالکریم۔ پھر مرید علی شاہ پھر قادر شاہ، پھر مرید علی شاہ، پھر غلام قادر (المتوفی ۱۹۸۲ء)

سید ہاشم شاہ کے تیسرے بیٹے عبدالقادر تھے۔ پھر سعید شاہ، پھر عبدالقادر ثانی، پھر معصوم شاہ، پھر زمان شاہ، پھر کمال شاہ، پھر محمد علی شاہ۔

---

[1] شوکت بخاری کے پیش رو خواجہ عصمت بخاری (م ۸۲۹ھ) کا اٹھائیس اشعار کا ایک قصیدہ کتاب خانہ آصفیہ، حیدرآباد (دکن) کے "مجموعہ اشعار سی ہزار" (مخطوطہ ۳۱) میں بایسنقر عضدالدولہ کی مدح میں (صفحہ ۳۲۵ ببعد) بحر طویل میں ہے۔ مطلع یہ ہے (لف و نشر مرتب) :-

رنگ رخسار و دُرِ گوش و خط و خد و قد و عارض و خالِ لبت　　اے سرو پری رو گئے سمن بر

شفق و کوکب و شام و سحر و طوبیٰ و گلزارِ بہشت است و بلال و طرفِ چشمۂ کوثر

سید ہاشم شاہ کے چوتھے بیٹے محمد شاہ اور پانچویں بیٹے عبدالوہاب کی اولاد کے متعلق اب علم نہیں ہے۔

(۵) کابل

کابل میں حضرت ضیاء المشائخ (خدا اُن کو دشمن سے نجات دے) کے قلعۂ جواد میں حضرت مجددِ الف ثانی قدس سرہ (م ۱۰۳۴ھ) کے خلیفہ اور سوانح نگار حضرت محمد ہاشم کشمیؒ کی یہ کتابیں (مخطوطات) موجود تھیں :-

(۱) زبدۃ المقامات (۲) نسمات القدس (۳) تاریخ الانبیاء (۴) طُرق الاصول فی شریعۃ الرسولؐ (۵) دُرّ الاسرار فی تحیۃ سید الابرارؐ۔ ان کے علاوہ اُن کے چار عریضے بھی ہیں۔ جو انھوں نے حضرت مجددِ الف ثانی قدس سرہ کو بھیجے تھے۔ وہیں کابل کے محلۂ سیاہ سنگ میں حضرت عزت اللہؒ کا مزار ہے۔ یعنی عزت اللہ بن شاہ غلام محمد معصوم ثانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۶۱ھ) بن حضرت محمد اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۳۶ھ) بن حضرت خواجہ صبغۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۲۲ھ) بن حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ (م ۱۰۷۹ھ) بن حضرت مجددِ الف ثانی قدس سرہ۔

اس مزار کی لوح پر اُن کا یہ سجع کندہ ہے ؛- ع یا مُجدد، عزت اللہ از تو عزت یافتہ

(۶) سیالکوٹ۔

سیالکوٹ کے محلۂ بجلی گھر میں حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہ کے خلیفہ مُلّا عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔ کتبہ میں تاریخ پیدائش ۹۶۸ھ درج ہے اور یہ قطعۂ تاریخ کندہ ہے :- بحکمِ ازل چوں بہ جنت رسید۔ شہِ معدنِ علم عبدالحکیم
ندا شد ز دل سالِ ترحیلِ او۔ ولی مخزنِ علم عبدالحکیم

اُن کے مزار کے ساتھ ہی اُن کے صاحبزادے مُلّا عبداللہ الملقب لبیب[۶] کا مزار ہے اور اُن کی تاریخ وفات ۱۱۱۸ھ درج ہے۔

(۷) ٹونک (دارا شکوہ کی تلوار)

پروفیسر ڈاکٹر متین الدین خان صاحب (شعبۂ نباتیات۔ سندھ یونیورسٹی

کے ماموں صاحب کے پاس ریاست ٹونک میں ایک تلوار ہے جو کسی سے خریدی تھی۔ صاف کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ دارا شکوہ (بن شاہجہان) کی ہے۔ اس تلوار کے دستے پر بیضوی شکل کی ایک مُہر ہے جس کے اندر سُنہرے حروف میں شعر کندہ ہے:۔

این تیغِ شاہزادۂ دارا شکوہ نام
کارِ ہزار خصم بیک دم [کُند] تمام

(۸) ریاست ریواں (مولانا شبلی کا ایک مکتوب)

ریاست ریواں میں محترم پروفیسر اختر حسین نظامی صاحب کی وساطت سے مولانا رحمٰن علی مرحوم (صاحبِ تذکرۂ علمائے ہند) کا کتب خانہ دیکھا۔ وہاں ایک کتاب کے اندر مولانا شبلی نعمانیؒ کا مکتوب رکھا ہوا دیکھا۔ وہ مکتوب مولانا رحمٰن علی مرحوم کے استفسار کے جواب میں تھا۔ مکتوب (پوسٹ کارڈ) پر پتا اس طرح درج تھا:۔

ڈاک کی مہر اس طرح تھی:

Aligarh city No. 2/91

جناب مکرم
مولوی رحمٰن علی خان صاحب دام مجدہ ممبر
کونسل ریاست ریواں

دوسری مہر اس طرح تھی: Rew. No.. 28/91

مکتوب کا مضمون یہ تھا:۔

مکتوب کا مضمون یہ تھا:

تسلیم۔

جہاں تک مجھ کو معلوم ہے جامہ کا رواج ہندوستان کے سوا اور کہیں نہ تھا۔ دولت عباسیہ، اندلسیین، اتراک کے لباس کا حال کتابوں میں ملتا ہے۔ وہ جامہ سے بالکل الگ ہے۔ یہاں اس کا رواج غالباً اکبر کے عہد سے ہوا۔ لیکن کسی خاص حوالہ کا مجھ کو علم نہیں۔ آپ کی کتاب تذکرۃ العلماء کب تک تیار ہوگی۔ المامون چھپ رہی ہے۔ والسلام ۲۶ نومبر ۱۸۹۱ء [۱]

شبلی

---

[۱] اس مکتوب کی نقل مولانا سلیمان ندویؒ کو پیش کردی تھی۔ اس مکتوب سے معلوم ہوا کہ المامون ۱۸۹۱ء میں چھپ رہی تھی اور تذکرہ علمائے ہند لکھا جارہا تھا۔

(۹) مولانا رحمٰن علی کی ایک تحریر -

وہیں ریاست ریواں میں مولانا رحمٰن علی مرحوم کے ہاتھ کی ایک تحریر ملی جو حضرت قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ کے انتقال سے متعلق تھی ۔ اُس کا عنوان اور مضمون یہ تھا :-

- حادثۂ عظیم -

یعنی رحلت فرمائی جامع الفضائل والکمالات ، واقف الاحادیث والآیات ، حاوی فروع واصول ، عالم علوم معقول ومنقول ، امام القراء والمفسرین ، اکمل الواعظین مولانا مولوی حافظ قاری محمد عبدالرحمٰن پانی پتی حنفی قادری ، جن کو شرفِ تلمذ مولانا محمد اسحٰق دہلویؒ اور مولانا مملوک العلیؒ سے حاصل تھا اور علمائے حرمین شریفین سے اسناد حدیث وقراءتِ سبعہ حاصل تھیں ، جامع مسجد پانی پت میں ہمیشہ وعظ فرمایا کرتے تھے ۔ اخیر وعظ اُن کا تجہیز وتکفین میت کا تھا ۔ پانچویں ربیع الثانی سنہ تیرہ سو چودہ ہجری ، یوم دوشنبہ ، بعمر ۸۵ سال آپ نے انتقال فرمایا ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔ تخمیناً چار ہزار آدمیوں کے ہمراہ مولوی حافظ محمد راغب اللہ جو اعلیٰ تلامذہ جناب موصوف سے ہیں ، نماز جنازہ کی پڑھی ۔ چاہ برڑوالا کے قریب ، برلبِ سڑک کوٹھی جو عیدگاہ سے پورب اور اسٹیشن پانی پت سے شمال میں واقع ہے[۱] مدفون ہوئے ۔ آپ کی یادگار مولوی عبدالسلام اور مولوی عبدالعلیم دو فرزند ارجمند ہیں اور ایک قرآن مجید قرأتِ سبعہ کے ساتھ آپ کی تصحیح سے اور کئی رسالے مطبوع ہوئے ہیں ۔ سید علی اثر کانپوری نے آپ کی تاریخ رحلت تحریر کی ہے ۔ وہ ذیل میں درج ہے :-

قطعۂ تاریخ

دریغا حسرتا صد حیف وافسوس — زدنیا رفت قاری عبدِ رحمٰن

بہ شوقِ وصلِ حق رفتند ازیں جا — بہ داعیِ اجل لبیک گویاں

دوشنبہ روز بودہ روزِ رحلت — بہ پنجم از ربیعِ آخریں داں

وجودش باعثِ امنِ جہاں بود — رفاہ العام از فیضش نمایاں

---

[۱] افسوس کہ اب وہاں سادھوؤں کا قبضہ ہے ۔

بہ علم و فضل یکتائے زمانہ — بہ اخلاقِ حَسَن مشہورِ دوراں
عدیم المثل در علمِ قراءت — وحید العصر در تحدیث و قرآں
تلمذ با بزرگانِ سلف داشت — بہ عالم یادگارِ نیک مرداں
دل از عشقِ نبیؐ پاک مملو — زبانش وقف ذکرِ پاک یزداں
صفائے سینہ اش چوں صبحِ صادق — جِلائے قلبِ صافش کرد حیراں
مناقب چوں نوشتم بعدِ رحلت — بہ قرطاس است کلکم اشک افشاں
اثرؔ جستیم چوں سالِ وصالش — ندا زد مُلہمِ غیبی بدیں ساں
کنوں تاریخ از روئے جُمل گو — "بحق پیوست ایں قاریِ قرآں"

۱۳۶۴ھ

چندے جناب موصوف بمقام باندا بدربارِ نواب ذوالفقار بہادر مرحوم[1] مدرسِ علوم مقرر تھے۔ اُس وقت خاکسار رحمٰن علی نے شرف تلمذ حاصل کیا تھا۔ اللھم اغفرلی و لاستاذی المرحوم۔

(۱۰) الہ آباد — قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ کی ایک تحریر:۔

اُستاذی حضرت مولانا حافظ قاری ضیاء الدین احمد الہ آبادی علیہ الرحمہ (م ۱۳۷۰ھ) کی ایک بیاض میں حضرت قاری عبدالرحمٰن پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۱۴ھ) کی نایاب تحریر (بصورتِ فتویٰ) دیکھی۔ وہ اُن کے انتقال سے ایک سال پہلے کی ہے۔ وہ اس طرح ہے:۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع اس مسئلے میں کہ پڑھنا اور پڑھانا کلام مجید کا، ساتھ سبعہ کے، بہ سبب ایک روایت کے، کچھ ثواب اور اجر زائد رکھتا ہے یا نہیں اور نفس سیکھنا اور سکھانا ان قراءت کا سنت ہے یا واجب ہے یا فرض ہے؟۔

---

[1] نواب ذوالفقار علی بہادر ۱۸۰۰ء تا ۱۸۴۹ء۔

الجواب - قدر ما تجوز بہ الصلوٰۃ[1] فرضِ عین ہے ہر شخص پر۔ زیادہ پڑھنا واجب ہے یا سنّت ہے۔ ہر شکل میں ہر حرف کے پڑھنے میں دس نیکیوں کا ثواب ہے۔ تجوید واجب ہے قریب فرض کے۔ تاکہ تحریف قرآن کی لازم نہ آوے۔ شعر جزریؒ

اَلْاَخْذُ بِالتَّجْوِیْدِ حَتْمٌ لَازِمٌ   مَنْ لَمْ یُجَوِّدِ الْقُرْآنَ فَھُوَ آثِمٌ[2]

یہ سب احکام وجوب اور سنّت اور فرضیت کے تمام قرآن کے واسطے ہیں مع سبعہ قرارت بھی۔ قرآن منزل اور متواتر ہے سوائے وجوہ صغیرہ کے، کہ وہ متواتر بالنوع ہیں اور پڑھنا اور تعلیم اور تعلم اور تعلّم قرآن کا مع سبعہ قرأت کے، فرض علی الکفایہ ہے۔ ہر طرف میں ایک آدھ ماہر اس کا ضروری ہے اور جو کل آدمی اس کو ترک کریں گے تو ہر شخص گنہگار ہوگا کہ محافظت قرآن میں غفلت کی۔ ہمارے جناب میاں صاحب[3] ہمیشہ ہم کو تاکید فرمایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہمارا اور تمہارا دونوں کا علم یعنی قرآن اور حدیث دنیا میں کام نہیں آتی۔ اس واسطے لوگ اُن کی طرف متوجّہ نہیں ہوتے۔ میں ہمہ تن حدیث کی خدمت کرتا ہوں تا گنہگار نہ بنوں۔ تم کو بھی چاہیے کہ روایت قرآن کی کیا کرو اور سبعہ قرارت کا درس دیا کرو۔ میں نے عرض کیا کہ طالب سبعہ قرأت کے بہت کم آتے ہیں، میں معذور ہوں۔ فرمایا ترغیب اس علم کی کیا کرو اور میں بھی ترغیب دوں گا۔ لہٰذا اکثر جناب میاں صاحب جس کسی کو حدیث کا درس دیتے تھے، ترغیب تعلیم سبعہ قرأت کی، فرماتے تھے۔ اور اکثر اہل علموں کو واسطے سندِ سبعہ کے میرے پاس بھیجا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس علم کے ترک کرنے سے لوگ گنہگار ہوتے ہیں۔ فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔

العبد عبد الرحمٰن - ۳ رمضان ۱۳۱۳ھ - یوم سہ شنبہ -

(۱۱) امروہہ -

حضرت مظہر جانِ جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۹۵ھ) کے ایک مرید اور خلیفہ

---

[1] یعنی اتنی مقدار جس سے نماز جائز ہوتی ہے۔
[2] یعنی تجوید کا سیکھنا واجب و لازم ہے۔ جس شخص نے قرآن پاک تجوید سے نہ پڑھا وہ گنہگار ہے۔
[3] "جناب میاں صاحب" سے مُراد حضرت مولانا محمد اسحاق دہلویؒ ہوں گے۔

Marfat.com

شاہ حنیف اللہؒ تھے جن کا مزار محلہ کٹکوئی۔ امروہہ میں ہے۔ اُن کا انتقال ۹ رجب ۱۲۴۰ھ کو ہوا۔ قطعۂ تاریخ میں ہے :۔ ع ندا آمد کہ "شدُ حنیفِ الٰہی" (۱۲۴۰ھ)

اُن کے ایک صاحبزادے سیّد اسداللہ عرف میر کلّو تھے وہ دوندے خان کی سرکار سے متوسّل تھے اور جنگ پانی پت میں شریک تھے۔ انھوں نے امروہہ کے محلہ گزری میں ایک مسجد تعمیر کرائی تھی۔ ایک مدرسہ حنفیہ بھی قائم کیا تھا۔ ۱۱۸۴ھ یا ۱۱۸۵ھ میں حضرت مظہرؒ جب دہلی سے امروہہ تشریف لے گئے تھے (مکتوب چہلم۔ کلماتِ طیّبات) تو اسی مدرسہ میں قیام فرما تھے۔ میر کلّو نے بچھراؤں میں شاہ اعظمؒ کا مزار بھی اپنے خرچ سے بنوایا تھا۔

امروہہ میں شاہ عبدالباریؒ کا مزار محلہ قریشی میں ہے۔ وہ بھی حضرت مظہرؒ کے خلیفہ تھے اور اُن کے جدِّ بزرگوار شاہ عبدالہادیؒ کی خانقاہ بھی وہیں ہے جہاں حضرت مظہرؒ نے شاہ عبدالہادی کی استدعا پر کئی ہفتے قیام فرمایا تھا۔ اسی زمانے میں ایک بزرگ میر غلام نبیؒ تھے جو نوگاواں (مضافاتِ امروہہ) کے رہنے والے تھے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بھائی شاہ حبیب اللہؒ کے خلیفہ تھے۔ بدایوں، بسولی، بریلی اور رام پور وغیرہ میں اُن کے مُرید بہت تھے[1]

(۱۲) جبل پور کی ایک خانقاہ۔

جبل پور (سی۔ پی) اپنے قدرتی مناظر کی وجہ سے ممالک متوسط اور وسطِ ہند کے شہروں میں خصوصی طور پر شہرت رکھتا تھا۔ اُس کے گردونواح کا علاقہ بہت سرسبز و شاداب تھا۔ اُس کے قریب برگی ایک مقام ہے جہاں برگ و بار کی بڑی فراوانی ہے۔ ایک مقام سنگری ہے جہاں کھجور اور تاڑ کی شراب بنتی تھی۔ غالباً ان تینوں مقامات کے نام

---

[1] یہ معلومات مولانا سفیر احمد قادری صاحب (محلہ بٹوال۔ امروہہ) سے حاصل ہوئی تھیں۔ اُن کا خیال تھا کہ میر غلام نبیؒ جن کا ذکر اوپر آیا ہے وہ راقم الحروف کی شائع کردہ مکتوباتِ مدرسۂ دیر (حیدر آباد ۱۹۷۲ء صفحہ ۱۲۶) میں مذکور ہیں۔ لیکن مؤخر الذکر پانی پت کے تھے اور شاہ حبیب اللہؒ کے نہیں بلکہ حضرت مظہرؒ کے مرید تھے۔ اوپر بچھراؤں کے شاہ اعظمؒ کے مزار کا ذکر آیا ہے۔ وہ حاجی محمد افضلؒ کے خلیفہ تھے۔ دیکھیں مقاماتِ مظہری، صفحہ ۲۵۔

Marfat.com

مسلمانوں نے رکھے ہوں گے۔ وہاں سے قریب بارہ میل کے فاصلے پر دریائے نربدا دو پہاڑوں کے درمیان بہت تنگ ہو گیا ہے۔ پھر اُس کا پانی جمع ہو کر گرتا ہے تو بہت بڑا آبشار بن گیا ہے جہاں سنگِ مرمر کی چٹانیں ہیں اور وہ مقام چاندنی راتوں میں بہت حسین اور دلکش نظر آتا ہے۔

جبل پور سے جنوب و مغرب کی طرف قریب چھ میل کے فاصلے پر مدن محل ہے یہ دو منزلہ محل صرف ایک وسیع چٹان پر قائم ہے جسے رانی دُرگا وتی نے بنوایا تھا۔ اُس کے قریب ہی ایک تالاب نما حوض ہے جہاں رانی کا غسل خانہ بھی ہے۔ اس رانی کا تمام علاقہ جبل پور اور گڑھا سے لے کر منڈلہ تک عہد اکبری میں مغلوں کے زیرِ نگیں آگیا تھا۔ اس محل سے کچھ پہلے ایک بہت بڑی چٹان ایسی بھی ہے جو قریب ۲۰ فٹ لمبی اور پندرہ فٹ چوڑی ہوگی اور وہ ایک چھوٹی سی چٹان پر جو بمشکل ایک ہاتھ کی ہوگی، کھڑی ہوئی ہے۔ مدن محل کا نام رانی دُرگا وتی کے زمانے میں کیا تھا، معلوم نہیں۔ لیکن وہ بعد کے بزرگ مدن شاہ کی وجہ سے مدن محل ہی کے نام سے مشہور ہے۔

جبل پور ڈسٹرک گزٹیر (صفحہ ۵۴) سے معلوم ہوتا ہے کہ گونڈ راجہ نظام شاہ (جو رانی دُرگا وتی کے خاندان کا ہوگا) ۲۷ سال حکومت کر کے ۱۷۷۶ء میں مدن محل کے قریب گڑھا مقام میں فوت ہوا اور اُس نے وہاں کے ایک قادری بزرگ سید عبدالغفور کی خانقاہ کے لیے یہ گونڈا اور موضع بدن پور سمبت ۱۸۳۱ (مطابق ۱۷۷۴ء) میں سید کلن شاہ کو عطا کیے تھے۔ سید کلن شاہ کے بڑے بھائی مدن شاہ تھے جن کے نام سے مدن محل مشہور ہو۔ وہ مجرّد تھے۔ اُن کا مزار اس محل کے جنوب میں تھوڑے فاصلے پر واقع ہے۔ گڑھا میں وہ خانقاہ اب بھی موجود ہے۔ گزٹیر میں سید کلن شاہ کے انتقال کا سال سمبت ۱۸۶۱ درج ہے۔ اسی کے لگ بھگ مدن شاہ کا انتقال ہوا ہوگا۔

خانقاہ کے متولی سخاوت علی صاحب کے پاس ایک سند قدیم ہندی میں تھی اور ایک سند فارسی میں تھی۔ اس میں شجرہ بھی درج تھا۔ یعنی سید کلن شاہ کی اولاد

Marfat.com

کا شجرہ فارسی میں اس طرح تھا:۔ سید گلشن شاہ کے چار بیٹے تھے:۔ (۱) غلام مصطفیٰ، پھر اُن کے دو بیٹے نظام الدین اور محمود علی تھے۔ (۲) سید نور (المتوفی ۱۹ مارچ ۱۸۳۹ء) اُن کے بھی دو بیٹے مبارک علی اور عمر علی تھے۔ (۳) غلام حسین۔ اُن کے بیٹے خادم علی، پھر اُن کے بیٹے سخاوت علی (خانقاہ کے متولی)، پھر اُن کے بیٹے انور علی، اُن کے بیٹے ذاکر علی اور اُن کے بیٹے غلام مرتضیٰ تھے۔ (۴) غلام رسول۔ پھر اُن کے بیٹے محب شاہ تھے۔

(۱۳) منصورہ کی بعض کتابیں:۔

منصورہ (ڈبیپر)، متصل ہالا (سندھ) میں پروفیسر محمد سلیم صاحب کے کتب خانے میں بعض کم یاب کتابیں یہ ہیں:۔

(۱) شاہ رؤف احمد رافت نقشبندی علیہ الرحمہ (م ۱۲۵۳ھ) کا ایک منظوم اردو رسالہ فقہی مسائل پر ہے۔ (غالباً ارکانِ اسلام اس کا نام ہے)۔

(۲) میر سکندر حسین دہلوی المتخلص فکر کا کلام

(۳) امانت کی مثنوی قلق نامہ

(۴) پٹنہ میں ۱۲۶۶ھ کا لکھا ہوا ایک مخطوطہ قصۂ نورتن ہے

(۵) سید حیات کے لکھے ہوئے منظوم اردو رسالے مرآۃ الاحکام وغیرہ۔

(۶) نواب غلام محمد غوث "خان بہادر" یعنی نواب عظیم جاہ (نواب ارکاٹ) کے سکریٹری مولوی محمد مہدیؔ واصف برہان پوری بن محمد عارف الدین خان رونق بن محمد معروف برہان پوری) کی لغت دلیل ساطع (اردو سے فارسی) ہے۔ وہ ۱۲۴۸ھ میں لکھی گئی۔ اور مطبع مظہر العجائب مدراس سے ۱۲۷۰ھ میں شائع ہوئی۔ کسی انگریزی لغت کا ترجمہ ہے۔

لہ مولوی محمد مہدی واصف کے صاحبزادے عبدالباسط، دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن کے بانیوں میں سے تھے۔ نواب عظیم جاہ اور اُن کے خاندان سے متعلق راقم الحروف کا مضمون "قدیم اردو خطوط اور عرضیاں" رسالہ نقوش (خطوط نمبر) میں ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

خواجہ محمّد ہاشم کِشمیؒ

زبدۃ المقامات کے مصنّف حضرت خواجہ محمّد ہاشم کِشمی ثمّ بُرہان پوری علیہ الرحمہ کِشم (بدخشاں) کے بزرگ زادوں میں سے تھے۔ اُن کے والد خواجہ محمّد قاسمؒ (م ۱۰۱۲ھ) اُس ولایت کے مشہور علما اور اکابر میں سے تھے[۱]۔

زبدۃ المقامات کے بالکل شروع میں خواجہ محمّد ہاشمؒ نے اپنے جو حالات لکھے ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے:

آپ کے آبا و اجداد سلسلۂ کبرویہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ بھی بچپن[۲] میں اسی سلسلے کے بعض خلفا کی خدمت میں رہے ہیں لیکن فطری رغبت سلسلۂ نقشبندیہ سے تھی، گوکہ معلوم نہ تھا کہ اس سلسلے کے کس بزرگ سے تعلق کیا جائے۔ اسی کشمکش میں تھے کہ بیمار ہو گئے۔ پھر ہندوستان آنے کا شوق پیدا ہوا تو روانہ ہو گئے اور ایک سال کے بعد جب ایک محفل میں گذشتہ مشائخ کے عجیب و غریب حالات سُنے تو خیال آیا کہ یہ باتیں تو اگلے بزرگوں کی ہیں۔ اب ایسے لوگ کہاں ہیں؟ اُسی زمانے میں ایک خواب دیکھا کہ

---

[۱] حضرات القدس (۲) میں ہے کہ خواجہ محمد قاسمؒ، میرزا شاہ رُخ کے استاد تھے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہو گی کیونکہ میرزا شاہ رُخ (۸۱۲ھ تا ۸۵۰ھ) جو امیر تیمور کا بیٹا تھا اپنے بھتیجے خلیل سلطان کے بعد فرماں روا ہوا تھا اور خواجہ محمد قاسمؒ کا زمانہ بہت بعد کا ہے۔

[۲] مولانا محمد اختر خاں نے جواہر ہاشمیہ (۱۹۳۰ء حیدر آباد دکن۔ ص ۴) میں خواجہ محمد ہاشمؒ کی تاریخ ولادت ۹۸۹ھ لکھی ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ آپ ۱۰۲۰ھ میں وارِدِ ہندوستان ہوئے۔ لیکن یہ بات صحیح نہ ہو گی کیونکہ مکتوبات کا پہلا دفتر ۱۰۲۵ھ میں مرتب ہوا تھا اس میں آخری مکتوب آپ کے نام ہے اور آپ ہی کی خواہش کی خاطر حضرت مجددؒ نے وہ مکتوب لکھا تھا (دیکھیں حضرات القدس۔ ص ۱۴۴۔ سیالکوٹ ۱۴۰۳ھ)

Marfat.com

ایک اہلِ دل بزرگ آئے ہیں اور آپ سے فرما رہے ہیں کہ دیکھو فُلاں مقام پر ایک بزرگ اپنے احباب کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں اور تمھیں بُلا رہے ہیں۔ چنانچہ آپ اُس اہلِ دل بزرگ کے ساتھ اُس مقام پر گئے جہاں وہ دوسرے بزرگ مُراقب تھے۔ انھوں نے گریبان سے سر اُٹھایا اور آپ سے سورۃ اذا جاء نصر اللہ والفتح پڑھوائی۔ آپ خواب ہی میں یہ سورۃ پڑھتے جا رہے تھے اور رو رہے تھے۔ خواب سے بیدار ہوئے تو اس سورۃ سے توبہ اور انابت کا اشارہ پایا۔ پھر قریب ایک ماہ میں آپ کا گذر[1] شہر بُرہان پور میں ہوا تو وہاں آپ نے اپنے خواب کے مطابق اہلِ دل بزرگ[2] میر محمد نعمانؒ کی خدمت میں رہ کر ذکر و مراقبہ کا طریقہ سیکھا اور وہیں آپ کو حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ سے محبت اور عقیدت پیدا ہوئی کہ یہ وہی بزرگ تھے جن کی خدمت میں وہ اہلِ دل بزرگ (میر محمد نعمانؒ) آپ کو خواب میں لے گئے تھے۔ پھر میر محمد نعمان کی اجازت سے اور حضرت

---

[1] خواجہ محمد ہاشمؒ نے میر محمد نعمانؒ کے حالات کے ذیل میں اپنے متعلق یہ لکھا ہے کہ میں پہلے سپاہیانہ وضع میں تھا' پھر میر صاحب کی صحبت میں شیوۂ اہلِ خانقاہ اختیار کیا۔

[2] حضرات القدس (۲) میں میر محمد نعمانؒ کی تاریخِ ولادت ۹۷۷ھ درج ہے اور یہ کہ انھیں ۱۰۱۸ھ میں حضرت مجددؒ سے خلافت ملی۔ خواجہ محمد ہاشمؒ نے میر صاحب کے حالات میں لکھا ہے کہ اُن کو دو مرتبہ بُرہان پور بھیجا گیا لیکن کامیابی نہ ہوسکی۔ کیونکہ وہاں شیخ محمد ابن فضل اللہؒ (م ۱۰۲۹ھ) اور شیخ عیسیٰ جُند اللہؒ (م ۱۰۳۱ھ) کو پہلے سے مقبولیت حاصل تھی۔ لیکن جب حضرت مجددؒ نے دعاؤں کے ساتھ تیسری بار بھیجا تو اُن کو بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی اور حاسدوں نے اُن کے خلاف جہانگیر کے کان بھر دیے اور اُس نے پھر اُن کو آگرہ بلوالیا دیکھیں حضرات القدس ۲/ ۳۲۷)۔ جہانگیر کان کا کچّا تھا۔ جلد ورغلانے میں آجاتا تھا۔ حضرات القدس (حضرت نہم) میں ہے کہ مرتضیٰ خان کے خلاف اسے ورغلایا گیا اور حضرت مجددؒ کے خلاف بھی ورغلایا گیا۔ اور (حضرت دوازدہم میں ہے کہ) حضرت آدم بنوریؒ کے خلاف بھی ورغلایا گیا۔

میر محمد نعمانؒ ۱۰۲۸ھ کے شروع میں ضرور آگرہ میں تھے' کیونکہ حضرت مجددؒ نے قید (جمعہ یکم رجب ۱۰۲۸ھ) سے پہلے ان کو آگرہ لکھا تھا (۲/ ۹۲) کہ "بادشاہ جب سیر ممالک سے آگرہ واپس آئے گا تو میں اُس سے ملوں گا"۔ پھر حضرت مجددؒ نے (۳/ ۱۲) اُن کو لکھا کہ آپ آگرہ سے وطن (برہان پور) چلے جائیں۔ وہ ۱۰۳۳ھ میں بھی برہان پور میں تھے۔ جب خواجہ محمد ہاشمؒ نے ایک طویل خط (اجمیر سے واپسی کے بعد) حضرت مجددؒ کو لکھا تھا اور اس میں میر محمد نعمانؒ کے قیام برہان پور کا ذکر ہے۔

Marfat.com

مجدد قدس سرہ کی طلبی پر ۱۰۳۱ھ میں[1] آپ سرہند حاضر ہوئے اور قریب دو سال تک سفر و حضر میں حضرت مجدد قدس سرہ سے مستفیض ہوتے رہے[2]۔

حضرت بدرالدین سرہندیؒ آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ اس تھوڑی سی مدت میں حضرت مجدد قدس سرہ کی توجہ اور قوتِ تصرف کی برکت سے انھوں نے احوالِ باطنی، مقاماتِ معنوی، حالاتِ عجیبہ اور کمالاتِ غریبہ کے ساتھ آپ کے الطاف و اعطاف حاصل کیے اور آپ کے محرمانِ راز اور خلوتیانِ اسرار میں شمار ہونے لگے۔ پھر آپ سے تعلیم طریقت کے لیے خلافت سے مشرف ہو کر آپ کے حکم کے مطابق برہان پور میں قیام پذیر ہوئے۔ مکتوباتِ شریفہ کا تیسرا دفتر بھی انھوں نے جمع کیا[3]۔"

خواجہ محمد ہاشم نے مکتوبات شریفہ کے تیسرے دفتر کے مقدمے میں دفترِ اول کا تاریخی نام دُرّ المعرفت[4] (۱۰۲۵ھ) اور دفترِ دوم کا تاریخی نام نور الخلائق (۱۰۲۸ھ) لکھا ہے۔ گمانِ غالب ہے کہ یہ نام آپ ہی نے بنائے ہیں۔ تیسرے دفتر کے مقدمے میں آپ لکھتے ہیں:

---

[1] اس طلبی کا ذکر دفتر سوم کے مکتوب ۱۲ میں ہے۔

[2] ڈاکٹر سراج احمد خاں نے (مکتوبات کی دینی اور معاشرتی اہمیت میں) ثابت کیا ہے کہ حضرت مجددؒ جمعہ یکم رجب ۱۰۲۸ھ کو قید ہوئے اور جمعہ ۱۱ رجب ۱۰۲۹ھ کو رہا ہوئے۔ قید کے زمانے میں حویلی، سرائے، کنواں، باغ اور کتابیں وغیرہ بھی ضبط کر لی گئی تھیں اور متعلقین کو سرہند میں قیام کی اجازت نہیں تھی (دیکھیں مکتوبات ۳/۲) پھر آپ لشکر کی حراست میں رہے۔ ۳/۵۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ رخصت حاصل کر کے آپ سرہند تشریف لے گئے تھے۔ اور گھر پر خواجہ محمد سعیدؒ کو چھوڑ آئے تھے لیکن کچھ عرصے کے بعد اپنے پاس بلوا لیا تھا۔ ۳/۷۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ "فرزندان و دوستان" بھی (لشکر میں) ساتھ تھے۔ مکتوب ۳/۸۰، خواجہ محمد سعیدؒ اور خواجہ محمد معصومؒ کے نام ہے گویا اب وہ دونوں سرہند میں ہیں۔ اس مکتوب میں بادشاہ کی طرف سے تکلیف کا ذکر ہے۔ ۳/۱۰۴ میں خواجہ محمد معصومؒ کے لیے بشارت ہے اور ۳/۱۰۵ میں لشکر کی ہمراہی سے خلاصی میسر ہونے کا ذکر ہے۔ زبدۃ المقامات میں شیخ بدیع الدین سہارنپوریؒ کے حالات میں حضرت مجددؒ پر شاہی مظالم کا ذکر ہے۔ [3] حضرات القدس (حالات خواجہ محمد ہاشمؒ)۔ [4] خواجہ محمد ہاشمؒ نے خواہش کی تھی کہ دفتر میں ایک مکتوب (۳۱۳) ان کے نام بھی ہو (حضرات القدس، ص ۲۱۴۔ سیالکوٹ ۱۴۰۳ھ)

Marfat.com

"ایقان و فرقان کی کان محمد نعمان (بن شمس الدین یحییٰ المعروف میر بزرگ بدخشانی) سلمہ اللہ و ابقاہ نے جو حضرت ایشاں (مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ) کے کامل اور بزرگ خلفاء میں سے ہیں اور آپ کے امر عالی سے صوبۂ دکن (بُرہان پور) میں اس طریقۂ علیا کو جاری کرتے اور لوگوں کو اس کی طرف ہدایت فرماتے ہیں۔ حضرت مجددؒ سے التماس کی کہ ان پراگندہ موتیوں کو جمع کر کے دفترِ سوم کا خزانہ مہیا ہو جائے۔ تو ان کی یہ التماس قبول ہوئی۔ جب تیس سے کچھ زیادہ مکتوب جمع ہو گئے تو حضرت سیادت پناہ (میر محمد نعمانؒ) اور خادمانِ درگاہ (حضرت مجددؒ) کے درمیان ظاہری[1] جدائی حائل ہو گئی اور حضرت ایشاں (مجدد قدس سرہٗ) کو بھی مدت تک معارف کے لکھنے اور مکاشفات کے بیان کرنے کا موقع نہ ملا۔ لیکن پھر اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی تائید سے چند سال کے بعد اس ضعیف (محمد ہاشم) کی کہ جس کے نام دفترِ اول کا آخری مکتوب ہے، آرزو برآئی یعنی ۱۰۳۱ھ میں جو لفظ "خاک نشین" سے ظاہر ہے اس ضعیف نے بلند دہلیز کی خاک نشینی کی سعادت حاصل کی[2]...... اور غریب نواز نے بڑی رحمت و عنایت سے اس کمترین کو ان مسودوں کو جمع کرنے اور بیاض میں نقل کرنے سے ممتاز فرمایا۔ اور اسی سال جو لفظ "ثالث" ۱۰۳۱ھ سے ظاہر ہے دفترِ سوم کے اہتمام سے سرفراز ہوا۔ جب مکتوب کا شمار ایک سو تیرہ تک پہنچا جو حروف "باقی" ۱۱۳ کی تعداد کے مطابق ہے اور تین اعتبار[3] سے اس پر مقرر کرنا نہایت مناسب اور زیبا ہے تو اسی عدد پر اس دفترِ سوم) کو ختم کیا گیا۔ اور اس کی تاریخ "کاس الراسخین" ہوئی۔ بعد ازاں ایک مکتوب کے لیے کہ جس میں از سرِ نو، علوم جدیدہ اور اسرار غریبہ ظاہر ہوئے تھے آپ نے فرمایا کہ اسے بھی

---

[1] یعنی حضرت مجددؒ قلعۂ گوالیار میں جمعہ یکم رجب ۱۰۲۸ھ کو قید ہو گئے (جمعہ ۱۱ رجب ۱۰۲۹ھ کو وہاں سے رہائی ہوئی۔)

[2] حضرت مجددؒ نے خود خواجہ محمد ہاشم کو طلب فرمایا تھا اور میر محمد نعمانؒ کو دفتر سوم کے شروع کرنے کی اجازت دی تھی (دیکھیں دفترِ سوم ۱-۱۲)

[3] تین اعتبار سے اس طرح ہیں کہ لفظ باقی سے (۱) خواجہ محمد باقی (۲) مکتوبات کی بقا اور (۳) معارفِ مقامِ بقا مراد ہیں۔

مسکۃ الختام بنایا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اس کے شامل کرنے سے قرآنی سورتوں کے عدد کے مطابق ان مکتوبات کی تعداد ۱۱۴ ہوگئی۔[۱]

لشکرِ سلطانی میں حضرت مجدّد قدّس سرّہ کے ساتھ خواجہ محمّد ہاشمؒ اور ایک درویش حبیب (خادم) بھی تھے۔ دفترِ سوم کے مکتوب ۸۵ میں ارشاد ہے کہ "اگر اجمیر پہنچ کر راستے کی تکلیفوں اور گرمیوں[۲] سے کچھ نجات میسر آئی تو انشاء اللہ تم کو (خواجہ محمّد معصومؒ کو) لکھوں گا .... تمھارے حق میں ایک بشارت پہنچی ہے[۳]۔ اس کو ایک مکتوب میں لکھ کر خواجہ محمّد ہاشم کے حوالے کیا ہے تاکہ تمھارے پاس پہنچا دے۔"

اجمیر کے سفر میں خواجہ محمّد سعیدؒ اور خواجہ محمّد معصومؒ کی مقبولیت، بارگاہِ الٰہی میں ظاہر ہوئی۔ حضرت مجدّدؒ نے اس نعمت کا شکر ادا کیا لیکن آپ "یارِ ثالث" (یعنی خواجہ محمّد ہاشمؒ) کے لیے متردّد تھے (جیسا کہ دفترِ سوم کے مکتوب ۸۲ میں ہے)۔ بعد میں اس "یارِ ثالث" کو بھی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اور حضرت مجدّد قدّس سرّہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلّم سے اجازت نامہ بھی حاصل ہوا (۱۰۶/۳)[۴]۔ اسی طرح اور بھی مکتوبات ہیں جن میں خواجہ محمّد ہاشمؒ کا خصوصی ذکر ہے اور زبدۃ المقامات میں بھی جگہ جگہ اس خصوصی تعلقات کے واقعات ملتے ہیں۔

---

[۱] پھر یہ تعداد ۱۲۴ ہوگئی اور اس کا تاریخی نام "معرفت الحقائق" ہوا (یہ نام بھی خواجہ محمّد ہاشمؒ نے بنایا ہوگا)۔ [۲] اس زمانے میں برسات کے موسم میں رمضان المبارک کا مہینا آیا تھا حضرت اقدس میں کرامت نمبر ۲۲ دیکھیں۔ [۳] یہ بشارت ۱۰۴/۳ میں درج ہے۔

[۴] اسی مکتوب (۱۰۶/۳) میں ارشاد ہے کہ "خواب میں دیکھتا ہوں کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فقیر کے لیے اجازت نامہ لکھا اور ..... فقیر کے مخلص یاروں میں سے ایک یار بھی اس معاملے میں ہمراہ ہے۔ اس اثنا میں ظاہر ہوا کہ اس اجازت نامے کے اجراء میں تھوڑا سا فتور ہے۔ اور اس فتور کی خاص وجہ بھی اسی وقت معلوم ہوگئی۔ وہ یار جو اس خدمت کا پیش کار ہے دوبارہ اس اجازت نامے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں لے گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس اجازت پر دوسرا اجازت نامہ لکھا؛ یا لکھوایا۔" (تفصیل اس مکتوب میں ہے)۔

Marfat.com

حضرات القدس میں یہ بھی ذکر ہے کہ " خواجہ محمد ہاشم ؒ نقل کرتے تھے کہ ایک روز حضرت مجددؒ " واما بنعمۃ ربک فحدث " کے حکم کے مطابق، عنایاتِ خداوندی کے متعلق جو آپ کی خصوصیات اور درجاتِ حشر و نشر سے متعلق ہیں، بیان فرمارہے تھے، اس فقیر نے (خود پر جو آپ کے الطاف و اعطاف ہیں ان کی بنا پر) آپ سے سوال کیا کہ یہ مسکین اس مجمع میں کون سی خدمت سے سرفراز ہوگا اور کس خصوصیت سے ممتاز ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ " تم ہماری مجلس میں میرِ تزک ہوگے "

اجمیر شریف ہی کے قیام کے[1] زمانے میں (جہاں آپ ۱۰۳۲ھ میں تشریف لے گئے تھے) آپ کو لشکر سے خلاصی مل گئی تھی (۳/۱۰۵) اور اسی سفر کے بعد آپ سرہند تشریف لائے اور سب مکانوں سے الگ اپنے لیے ایک جگہ اختیار کی۔ اسی زمانے میں خواجہ محمد ہاشم ؒ نے دکن (برہان پور) جانے کی اجازت چاہی۔ لکھتے ہیں کہ:

" اس زمانے میں سلاطین صوبۂ دکن میں ہرج مرج واقع ہورہا تھا۔ فقیر نے چاہا کہ عیال و اطفال کو لاکر آپ کے قدموں میں ڈال دوں۔ لیکن آپ نے رخصت کردیا۔ بصد اندوہ و حسرت میں نے رخصت ہوتے ہوئے عرض کیا کہ دعا فرمائیں کہ میں پھر بہت جلد اس آستانۂ حق پرست سے مشرف ہوسکوں۔ آپ نے ایک آہ کھینچی اور فرمایا کہ دعا کرتا ہوں کہ آخرت میں ہم پھر یکجا جمع ہوجائیں۔ اس روح فرسا فقرے نے میرے ہوش گم کردیے۔ قسمت میں محرومی لکھی تھی اس لیے قضا سے مقاومت نہ کرسکا۔ چار و ناچار آنسو برساتا ہوا اور یہ اشعار بحسرت و یاس پڑھتا ہوا رخصت ہوا۔ (اشعار درج کردیے ہیں)

---

[1] مکتوب (۳/۱۰۵) کے آخر میں لشکر سے خلاصی ملنے کا ذکر ہے۔ وہ مکتوب شیخ حسن برکیؒ کے نام ہے اور اس میں ذکر ہے کہ محمد ہاشمؒ کے پاس سے شیخ کا مکتوب گم ہوگیا ہے۔ خواجہ محمد ہاشمؒ نے بھی زبدۃ المقامات میں شیخ کے اس مکتوب کے گم ہونے کا ذکر کیا ہے کہ وہ اجمیر کے سفر میں گم ہوا تھا۔ یعنی حضرت مجددؒ نے وہ مکتوب (۳/۱۰۵) اجمیر کے قیام کے زمانے میں لکھا تھا۔ اسی زمانے میں شیخ عبدالحق دہلویؒ کے صاحبزادے شیخ نورالحقؒ کو حضرت مجدد نے مکتوب ۳/۱۰۰ لکھا تھا جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے گرفتار ہونے کا راز بیان فرمایا ہے (دیکھیں زبدۃ المقامات۔ فصل ہفتم)۔

Marfat.com

اواخرِ رجب[1] ۱۰۳۳ھ تھا کہ فقیر آپ سے رخصت ہوا۔ اس کے بعد سے آپ کے وصال تک کے واقعات جس کی مدت سات ماہ ہے، شیخ بدر الدین سرہندی سے جو آپ کے مقبولین میں سے ہیں اور مخدوم زادگان عالی شان کی تحریر و تقریر سے التقاط کر کے لکھا ہوں، چند فوائد کے ساتھ۔"[2]

خواجہ محمد ہاشمؒ برہان پور چلے گئے۔ وہاں سے اپنے حالات و کیفیات سے متعلق ایک طویل مکتوب حضرت مجددؒ کی خدمتِ عالیہ میں روانہ کیا[3]۔ پھر حضرت مجددؒ نے ایک مکتوب (۴۲/۳) اس طرح تحریر فرمایا ہے:

"حمد و صلوٰۃ اور تبلیغِ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا صحیفۂ شریفہ جو ملّا فتح اللہ کے ہاتھ روانہ کیا تھا، موصول ہوا۔ محبت و اخلاق اور حرارت و اشتیاق کا حال پڑھ کر بہت خوشی حاصل ہوئی۔ آپ کے مکتوب کے مطالعہ کے وقت آپ کی نورانیت، گرد و نواح میں بہت پھیلی ہوئی نظر آئی اور بڑی امید پیدا ہوئی۔ اس بات پر اللہ تعالیٰ کا بڑا شکر اور احسان ہے۔ معلوم نہیں کہ سعادت مآب میر محمد نعمان کی خط و کتابت کے ترک ہونے کا کیا باعث ہے۔... فقیر پر دو ماہ سے ضعف طاری ہے۔ اس لیے بعض اُن سوالات کا جواب نہیں لکھ سکا جو مکتوب سابق میں درج تھے۔

---

[1] خواجہ محمد ہاشمؒ نے زبدۃ المقامات (فصل دوم) لکھا ہے کہ حضرت مجدد قدس سرہ نے شروع رجب ۱۰۳۳ھ میں شہر سرہند میں مجھے حدیثِ مسلسل اور دوسری کتابوں کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اور زبدۃ المقامات کے بالکل آخر میں یہ بھی ہے کہ میں نے مولانا عبدالمومن لاہوری سے چند اوراق مشکوٰۃ شریف کے اور کچھ حصہ مطوّل کا پڑھا ہے۔ مولانا زید فاروقی صاحب نے "حضرت مجددؒ اور ان کے ناقدین" (ص ۱۶۱) میں لکھا ہے کہ حضرت مجدد ۷-۸ ربیع الآخر ۱۰۳۳ھ کو سرہند پہنچے تھے۔

[2] زبدۃ المقامات (فصل نہم) میں ہے کہ میں نے حضرت مجددؒ کے آخری ایام کے حالات حضرت بدر الدین سرہندیؒ کی کتاب سے لیے ہیں (ملخصاً)۔ حضرت بدر الدینؒ کی یہ کتاب ۱۰۵۰ھ کے بعد تک لکھی جاتی رہی کیونکہ انھوں نے اس میں شیخ حمید بنگالیؒ کے انتقال کا یہی سال لکھا ہے۔

[3] حضرات القدس (۲) میں خواجہ محمد ہاشم کے حالات میں یہ مکتوب درج ہے۔

اگر صحت ہوگئی تو انشاء اللہ لکھوں گا۔ ورنہ دوستوں سے دعا اور فاتحہ کی التماس ہے ......"

خواجہ محمد ہاشمؒ کے بعض اور حالات، کیفیات اور کرامات کا ذکر حضرات القدس میں ہے۔ بعض فضائل اس کتاب میں اس طرح مذکور ہیں کہ:

"آپ فضائلِ صوری اور علوم رسمی میں تمام و کمال مہارت رکھتے تھے۔ خوش گفتار۔ شیریں سخن۔ نیک خلق۔ متواضع تھے۔ دلچسپ حکایتیں بڑے دلکش انداز میں بیان کرتے تھے۔ تقریر و تحریر میں سوز و گداز تھا۔ جو کچھ آپ کہتے تھے وہ حال و ذوق تھا۔ صرف قال و مقال نہیں۔ آپ کے چہرے سے مستی و بیخودی ظاہر ہوتی تھی۔ تاریخ گوئی اور انشاء پردازی میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کے دل فریب اشعار۔ جان نشین ابیات، دل آویز دیوان، جاں خراش مثنویاں، پُر لطف رسالے بڑی شہرت رکھتے ہیں ....."

حضرت بدر الدین سرہندیؒ کے اِن الفاظ میں حضرت خواجہ محمد ہاشمؒ کی پوری تصویر آگئی ہے۔ ان کی ادبی اور علمی صلاحیت کے اعلیٰ نمونے اُن کی تصانیف میں اور بالخصوص زبدۃ المقامات میں جگہ جگہ ملتے ہیں۔ عبارتوں کے اندر اشعار (عموماً اُنھی کے اشعار) کا اندراج بہت حسین معلوم ہوتا ہے اور حال و قال کا امتزاج اس کتاب کا خصوصی امتیاز ہے۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۱) زبدۃ المقامات یا برکات الاحمدیہ الباقیہ[۲]۔ کتاب کے آخر میں "رباعی در تاریخ

---

[۱] حضرت خواجہ محمد ہاشمؒ نے زبدۃ المقامات (مقصد اوّل۔ فصل دوم) میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ خواجہ باقی باللہؒ نے آخری ایام میں ایک مرتبہ میر محمد نعمانؒ کی بچی کو گود میں لیا تو اُس نے آپ کی داڑھی کا ایک بال نوچ لیا۔ وہ بال بطور یادگار اس خاندان میں محفوظ رہا اور وہی بچی بعد میں خواجہ محمد ہاشمؒ کی اہلیہ بنی۔

[۲] زبدۃ المقامات میں حضرت خواجہ باقی باللہ اور حضرت مجدّد قدّس سرّہما دونوں کے حالات ہیں۔ اسی رعایت سے برکات الاحمدیہ الباقیہ بھی اس کتاب کا نام ہے۔ زبدۃ المقامات کے شروع میں سببِ تالیف اس طرح بیان کیا ہے: "جن ایام میں فقیر آپ (حضرت مجدّدؒ) کے سایۂ عاطفت میں رہتا تھا (۱۰۳۱ھ سے) آپ کے فرزندان کبار نے ..... فقیر سے فرمایا کہ وہ فوائد و اسرار و معارف جو خلوت اور جلوت میں .... (باقی ص ۲۰۱ پر)

Marfat.com

ختم کتاب" اس طرح ہے:

بر خامہ نیازم کہ اشارات نوشت ز آغاز و توسّط و نہایات نوشت
بنوشت کتاب را و تاریخ کتاب بر دل "ہُو زبدۃ المقامات" نوشت

"ہُو زبدۃ المقامات" کے اعداد سے ۱۰۳۷ھ برآمد ہوتا ہے۔ لیکن آپ نے بعد میں بھی اس کتاب میں اضافے کیے ہیں مثلاً مولانا محمد صالح کولابیؒ کے حالات کے آخر میں لکھتے ہیں کہ "مولانا در سال وسی وہشت قبیل ایں تحریر بہ آخرت شتافت"۔ اسی طرح (مقصد اوّل میں) خواجہ حسام الدین احمدؒ کے حالات کے آخر میں ہے کہ "امروز کہ سال ہزار و چہل وسہ ہجریست و عمر شریف ایشان بہ شصت و اند رسیدہ بر مفارقِ مخلصان سایۂ رحمتِ ایشان ممدود است دیر سال بر مفارقِ دوستانِ خواجہ باقی باللہؒ باقی باد"۔ یعنی ۱۰۴۳ھ تک ضرور اس کتاب کا سلسلہ جاری رہا۔[۱]

(۲) نسمات القدس من حدیقۃ الانس[۲]۔ اس کتاب کے شروع میں خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ لکھتے ہیں کہ "..... اگر توفیقِ خداوندی عزّ و شانہ شامل حال گردد احوالِ اکابرِ متاخرینِ ان سلسلۂ شریفہ را کہ بعد از روزگارِ صاحب رشحات الیٰ یومنا ہٰذا بہر شہر و دیار بودہ اند و رہنمائے طالبانِ حق بودہ اند بداں مقدار کہ از کتب و رسائل ایشاں بیاید فراہم آوردہ کتابے مرتب گرداند"۔

(بقیہ ص) آپ کی زبان درفشاں سے ذکر ہوتے ہیں اور داخلِ مکتوبات نہیں ہوتے ..... وہ آپ جمع کرتے جائیں اور ساتھ ہی آپ اپنے پیرِ بزرگوار ...... کے حالات و مناقب بھی اضافہ کر کے ایک کتاب ترتیب دیں .... چار و ناچار مجھے ان کا فرمان قبول کر کے تعمیل کرنی پڑی۔ لیکن ابھی میں چند اوراق ہی لکھنے پایا تھا کہ آپ کے انتقالِ پُرملال نے درویشوں کے دل کو پارہ پارہ کر دیا"۔

[۱] خواجہ حسام الدین احمدؒ کی وفات غرۂ صفر ۱۰۴۳ھ کو ہوئی۔ (دیکھیں حضرات القدس۔ دفتر اول) اور یہی صحیح ہے۔

[۲] یہ کتاب ابھی تک شائع نہیں ہوئی (ان شاء اللہ اب شائع ہو گی)۔ اس کا مخطوطہ، مدینہ منورہ میں مکتبۂ عارف حکمت میں محفوظ ہے۔ زبدۃ المقامات کے شروع میں "سببِ تالیف" کے آخر میں ذکر ہے کہ "پہلے حصہ میں ان شاء اللہ سلسلۂ نقشبندیہ کے دیگر (اگلے) بزرگوں کے حالات جمع کروں گا۔ صفحہ ۱۲ میں اس پہلے حصہ کا نام نسمات القدس بھی مذکور ہے۔

Marfat.com

پھر ورق ۴ب میں لکھتے ہیں کہ : "این نسخہ گوئیا تکملہ ایست مر کتاب رشحات عین الحیٰوۃ را دمساقہ ایست آن عسکرِ ذوالفتوحات را نیت و عزم مصمم گردیدہ است کہ بمشیّت اللہ سبحانہ وکرمہ بعد از فراغِ این تسوید، احوالِ متاخرین دیگر سلاسل را رحمہم اللہ بشیوۂ اجمل و احسن بقانونِ نفحات انس فراہم آورد و آن را بہ صفحات الانوار من مقامات الاخیار، مسمّی گرداند . . . . . ."

یعنی شیخ فخر الدین علی المشتہر بالمولی الصفی بن مولانا حسین الواعظ الکاشفیؒ کی رشحات عین الحیٰوۃ (۹۰۹ھ) کے تکملہ کے طور پر اور اُس کتاب میں جن اکابر کے حالات درج ہیں اُن کے بعد سے دیگر بزرگوارانِ نقشبندیہؒ کے حالات اس دوسری کتاب نسمات القدس میں فراہم[1] کیے جائیں گے۔ اور دوسرے سلسلوں کے بزرگواروں کے حالات ایک اور کتاب صفحات الانوار من مقامات الاخیار میں لکھے جائیں گے (حضرت جامی کے انداز میں)۔ نسمات القدس میں (ورق ۴۸۔الف) میں مولانا حسین نسفیؒ کے ذکر میں ہے کہ ان کی عمر آج کل جب کہ ۱۰۳۹ھ ہے اسّی سال سے تجاوز کر چکی ہے اور ورق ۱۵۲ (الف) میں ۱۰۴۱ھ کا ذکر ہے کہ اس سال مولانا خواجگی قدس سرہ کے ایک مرید (عبدالعزیزؒ) کی وفات ہوئی ہے۔

کابل میں حضرت ضیاء المشائخ مولانا محمد ابراہیم صاحب فاروقی مجددی زید اللہ عمرہٗ و اقبالہٗ (جو سنّتِ مجددی کے مطابق فی الحال دشمن کی قید میں ہیں) کے کتب خانے میں خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ کی (۱) زبدۃ المقامات اور (۲) نسمات القدس کے علاوہ یہ کتابیں بھی تھیں : (۳) تاریخ الانبیاء (۴) طرق الاصول فی شریعۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (۵) دُرّ الاسرار فی تحیّۃ سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان کے علاوہ خواجہ محمد ہاشمؒ کے چار عریضے بھی تھے جو حضرت مجدد قدس سرہ کے نام لکھے گئے تھے۔ خدا جانے ان کتابوں اور تحریروں کا وجود اب ہے یا وہ سب نذرِ آتش ہو گئیں۔ اگر ان کے مطالعے کا موقع ملتا تو

---

[1] حضرت بدر الدین سرہندیؒ نے حضرات القدس کے پہلے حصے میں خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم کی مختصر سیرت لکھنے کے بعد حضرت سلمانِ فارسی رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ تک تمام پیرانِ سلسلۂ نقشبندیہ کے حالات لکھے ہیں۔

Marfat.com

بہت ممکن ہے کہ حضرت خواجہ محمد ہاشمؒ کی عمر کے کچھ اور سنین بھی معلوم ہو سکتے۔

خواجہ محمد ہاشمؒ نے زبدۃ المقامات میں ایک جگہ (ص ۱۷۹) یہ بھی ارادہ ظاہر کیا ہے کہ حضرت مجدد قدس سرہ کے اجتہاداتِ کلامیہ کو آپ کے مکتوبات اور رسائل میں سے نکال کر ایک رسالے میں جمع کروں گا۔ اس رسالے کا اب کوئی علم نہیں ہے[1]۔ البتہ اُن کا فارسی دیوان انڈیا آفس لندن میں (مخطوطہ نمبر ۲۸۹۸) اور کاما پارسی لائبریری بمبئی میں (۱۷/۱۷ فہرست ص ۲۴۵) محفوظ ہے۔ اس دیوان میں نعت میں ایک قصیدہ ہے۔ چار مثنویاں ہیں (ایک مثنوی حضرت مجددؒ کی منقبت میں اور ایک حکایتِ جذبۂ عشق میں ہے)۔ ترجیع بند، ترکیب بند، قصائد، غزلیات، رباعیات، اور تاریخی قطعات وغیرہ اصنافِ سخن میں تقریباً چار ہزار اشعار ہیں۔ ایک نعتیہ قصیدہ اس طرح ہے:

اگر پرسی ز قدش سروِ باغِ داستاں آمد — ستونِ بارگاہِ بادشاہِ لامکاں آمد
الف بود او سرِ آغازِ حرفِ ابجدِ ہستی — نشانِ وحدتِ پروردگارِ بے نشاں آمد

---

[1] خود حضرت مجددؒ کے ایک دو رسالوں کا صحیح علم نہیں ہے۔ آپ کی تصانیف کے ذیل میں خواجہ محمد ہاشمؒ نے رسالہ اثبات النبوہ کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ رسالہ جذب وسلوک کا ذکر کیا ہے اور شیخ بدرالدینؒ نے رسالہ تہلیلیہ کا ذکر نہیں کیا اور رسالہ آداب المریدین کا ذکر کیا ہے۔ پھر "وغیر ذلک" لکھ دیا ہے حضرت مجددؒ نے مکتوبات (۱/ ۲۵۷) میں اپنے طریقے سے متعلق ایک رسالے کا ذکر کیا ہے کہ وہ ابھی مسودے میں ہے اور ایک اور مکتوب (۱/ ۵) میں ایک رسالے کا ذکر ہے جس کی تعریف خواجہ باقی باللہؒ نے اپنے ایک مکتوب میں (حضرات القدس۔ حضرت سوم۔ درجہ ۱۳) فرمائی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ رسالہ مکاشفاتِ عینیہ ہو۔ جس میں طریقۂ خواجگانؒ اور خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے مقامات کا ذکر بھی ہے۔ میرا خیال تھا کہ یہ رسالہ خواجہ محمد ہاشمؒ نے مرتب کیا ہوگا۔ لیکن مولانا ابوالحسن زید فاروقی مدظلہ نے اپنی کتاب "حضرت مجددؒ اور ان کے ناقدین" (ص ۴۶) میں لکھا ہے کہ اسے خواجہ محمد معصومؒ نے مرتب فرمایا تھا۔

حضرت مجددؒ نے عوارف المعارف (از حضرت شہاب الدین سہروردیؒ) کی کچھ شرح عربی میں لکھی تھی۔ اور مکتوبات (۱/ ۲۵۷) سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اسم ظاہر اور اسم باطن کے کمالات تحریر فرمائے تھے۔ وہ صاحبزادے جمع کر رہے تھے۔

سحر زان نخلِ یثرب دردِ دل با باد می گفتم　　سرشکِ خوں فشاں از چشم شاخ ارغواں آمد

اس قصیدے میں اکتالیس اشعار ہیں۔ ایک شش بند میں "محمدؐ" ردیف ہے۔

غزلیات کے نمونے ملاحظہ ہوں:

ہست نازِ دلبرم با جانِ مجنوں آشنا　　تارِ جانِ من بود با تارِ قانوں آشنا
گر نہ بیگانہ ہوش، آشنا شو با کسے　　کز دروں بیگانہ خلق است و بیروں آشنا
کے شناسی مردمے چوں مردمانِ چشمِ من　　تا نہ گردی از ہجومِ گریہ با خوں آشنا....

نگر صراحیِ مے را کہ از طریقۂ ماست　　کہ گاہ قہقہہ صد گریہ در گلو دارد
کجاست سوزنِ مژگاں کجاست تارِ سرشک　　کہ پارہ پارہ دلِ من چو صد رفو دارد
لباسِ فاختگاں دانی از چہ اسپید است　　کہ سروِ باغ نشیبی بطرفِ جو دارد....

حضرت مجدد قدس سرہ کی شان میں جو مثنوی ہے وہ اس طرح شروع ہوتی ہے:

ذبابے را تمنّاے شکر شد　　بدیں سودا سوے ہر بام و در شد
رسید از بعدِ حسرتہاے جانکاہ　　بہ دکانے شکر ریزے بناگاہ
بہ پیرامونِ دکاں لحظۂ خاست　　کز آشوبِ سفر سازد نفس راست....[۱]

مولانا اختر محمد خاں نے جواہرِ ہاشمیہ (ص ۱۳۱ ح) میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ:

"برہان پور سے ۶-۷ میل کے فاصلے پر بجانب مشرق ایک جگہ محل گڑاڑا کے نام سے مشہور ہے۔ وہاں ایک ندی ہے جس کے دونوں جانب یعنی مشرقی اور مغربی کناروں پر شاہی زمانے کے کچھ محل بنے ہوئے ہیں۔ ان محلات سے ندی کی جو آبشار شمالی رو یہ بلندی سے گرتی ہے اس کا نظارہ نہایت دلفریب اور جاذبِ توجہ ہے۔ لوگ سیر و تفریح کے لیے وہاں جاتے ہیں۔ حضرت خواجہ محمد ہاشمؒ بھی سیر و شکار کرتے ہوئے احباب اور مریدین کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے تھے۔ آبشار کو دیکھ کر آپ کے دل پر پیرو مرشدؒ کے سنگ فرقت کی چوٹ لگی اور بے اختیار یہ

---

[۱] یہ مثنوی حضرات القدس میں بھی ہے۔ اس میں خواجہ محمد ہاشمؒ کی ایک رباعی کا ذکر بھی ہے کہ حضرت مجددؒ نے کس طرح اصلاح فرمائی تھی۔

Marfat.com

قطعہ آپ کی خاطر دریا مقاطر سے نکلا جو آج تک (وہاں کی) کتبِ تاریخ میں محفوظ اور آپ کے عشقِ صادق بجنابِ مرشدؒ پر گواہِ عادل ہے (وہ قطعہ یہ ہے:)

اے آبشار نوحہ گر از بہرِ چیستی؟ چیں بر جبیں فگندہ ز اندوہِ کیستی؟

آخر چہ درد بود کہ چو من تمام شب سر را بہ سنگ می زدی و می گریستی"

زبدۃ المقامات کے آخر میں تین تین رباعیاں حضرت خواجہ باقی باللہ اور حضرت مجدد قدس سرہما کی مدح میں ہیں۔ ان میں رعایتِ لفظی و معنوی کی بھی زینت ہے۔ خواجہ باقی باللہؒ کی مدح میں لکھتے ہیں:

قطبے کہ رازش انفسے آفاقی ست نیمِ نظرش ہزار دل را ساقی است

باقی مدحش بہ نگریم این بس کاں جملہ چو نامِ خویش باحق باقی ست

اور حضرت مجددؒ کی شان میں یوں رقم طراز ہیں:

احمد کہ بود عیسی دلہائے سقیم از ساقیِ باقی ستد این راحِ قدیم

زاں ساقیِ او سالِ چہل رفت کہ بود برزخ بمیانِ احد و احمد میم

حضرت خواجہ محمد ہاشمؒ ایک قادر الکلام اور باکمال شاعر تھے اور زبدۃ المقامات اور نسمات القدس دونوں میں خود اُن کے اشعار بکثرت پائے جاتے ہیں اور ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا انداز کس قدر عالمانہ، ادیبانہ اور شاعرانہ ہے۔ نثر میں زبدۃ المقامات ان کا شاہکار ہے اور اس میں جگہ جگہ لفظی اور معنوی محاسن پائے جاتے ہیں۔ اس کی پہلی ہی سطر میں براعۃ الاستہلال کی صنعت ہے یعنی اس میں حضرت خواجہ باقی باللہ اور حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی قدس سرہما کے حالات ہیں اس لیے ان دونوں مبارک ناموں کی طرف اس طرح اشارہ ہے:

الحمد للہ الباقی بالبقاء الابدی والدوام السرمدی و اصلی علی النور الاتم الاحمدی اغنی حضرۃ المحمدی وعلیٰ آلہ واصحابہ .....

اس طرح کی رعایتیں نسمات القدس میں بھی ہیں اور دونوں کتابوں میں قرآن و حدیث کی تلمیحات، علمی اور ادبی مصطلحات، محاورات اور اشعار کے اندراجات بکثرت ہیں۔ مسجع اور مقفیٰ عبارتیں بھی ہیں لیکن ان میں ہر شخص کے لیے انجذاب و دلکشی موجود ہے۔

Marfat.com

زبدۃ المقامات میں یہ بھی خوبی ہے کہ مرشدین و مسترشدین میں سے جن بزرگواروں کا ذکر کیا ہے اُن کی اور اُن سے متعلق تحریروں کے نمونے بھی دیے ہیں۔ اور بعض اقتباسات تو ایسے ہیں کہ کسی دوسری کتابوں میں موجود نہیں۔ اس کتاب کی مزید اہمیت یہ ہے کہ اس میں حضرت مجدّد قدّس سرّہ کے چھوٹے چھوٹے رقعے بھی شامل ہیں جو آپ نے مختلف مواقع پر تحریر فرمائے تھے اور جو مکتوباتِ شریفہ میں کہیں بھی پائے نہیں جاتے اور جو صرف خواجہ محمد ہاشمؒ ہی جمع کر سکتے تھے کیونکہ سفر و حضر میں آپ کے ساتھ وہی زیادہ رہتے تھے۔

خواجہ محمد ہاشمؒ کو تاریخ گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔ حضرت مجدّد قدّس سرّہ کے وصال پر آپ نے ۶۳ تاریخی فقرے لکھے تھے۔ حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد صادقؒ اور دوسرے بزرگوں کے انتقال پر، نیز بہت سے مواقع پر آپ نے تاریخیں کہی ہیں۔ برہانپور کے مُحلّہ کاریز بازار کا حوض (بحکمِ شاہی) تیار ہوا تو آپ نے یہ قطعۂ تاریخ لکھا:

از حکمِ شہِ جہانِ خورشید ظہور　　　　در شارستانِ اعظمِ برہاں پور
بنہاد بنا خانِ جہاں حوضِ بزرگ　　　　شد سالِ بناش "حوضِ اکبر" (۱۰۳۷ھ) مسطور

برہان پور کے مشہور بزرگ حضرت شیخ محمد ابن فضل اللہؒ کے انتقال پر (یکم رمضان المبارک ۱۰۲۹ھ) آپ نے "ابن فضل اللہ" (۱۰۲۹ھ) سے تاریخ نکالی تھی... شیخ عیسیٰ جُنداللہؒ (۱۴ر شوال ۱۰۳۱ھ)، سید میرک شاہ (ھو سید الشیوخ) (۱۰۳۲ھ)، شیخ عَلَم اللہ محدّث (۱۰۲۴ھ)، مولانا دانشمند بدخشانیؒ (۱۰۳۰ھ)، مولانا عصمت اللہ لاہوریؒ (۱۰۳۶ھ)، مولانا طاہر لاہوریؒ (۱۰۴۰ھ)، عبدالرحیم خانِ خاناں (۱۰۳۶ھ)، شاہجہاں کی تخت نشینی (زینتِ شرع) (۱۰۳۷ھ) اور خواجہ حسام الدینؒ وغیرہ کی تاریخیں آپ کے دیوان میں موجود ہیں۔ خواجہ حسام الدینؒ کی تاریخ یہ ہے:

پاک دل خواجہ حسام الدین را　　　　ہادی قافلۂ ایں رہ گوی
ہم بہ اطوارِ وجود او ثق داں　　　　ہم بہ اسوارِ شہود آگہ گوی
نافعِ خلق بُداو، سالِ وفات　　　　ولیِ نافعِ خلق اللہ گوی

یعنی ۱۰۴۳ھ تک خواجہ محمد ہاشمؒ یقیناً زندہ تھے۔ اس کے بعد معلوم نہیں کب تک حیات رہے۔ آپ کی دیگر تصانیف اب ناپید معلوم ہوتی ہیں۔ اگر کہیں دستیاب ہو سکیں

توشاید مزید سنینِ حیات کا پتا چل سکے۔

مولانا اختر محمد خاں نے جواہر ہاشمیہ (ص ۴۴-۵۳) میں خواجہ محمد ہاشمؒ کی اولاد، خلفاء اور دوسرے واقعات کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے:

آپ کے ایک صاحبزادے خواجہ محمد کاظم (عرف محمد قاسم) تھے۔ ایک صاحبزادی صفیہ خاتون تھیں جو ۱۱ سال کی عمر میں فوت ہوگئی تھیں۔ ایک دستاویز میں صاحبزادے کی یہ تحریر تھی: "العبد فقیر محمد قاسم بن خواجہ محمد ہاشم مرحوم بتاریخ ۱۷ ذی قعدہ سنہ ۱۰۶۹ھ" خواجہ محمد ہاشمؒ صرف تین دن کی علالت کے بعد ۱۱ رجب سنہ ۱۰۴۵ھ کو فوت[1] ہوئے۔ اور شہر بُرہان پور کے مغربی دروازے سے ایک دو فرلانگ کے فاصلے پر پہاڑی ندی پانڈار ول کے مغربی کنارے پر آپ کو دفن کیا گیا۔ سید میر بُرہان پوری نے بتایا کہ جب وہ چودہ[2] سال کے تھے تو خواجہ محمد ہاشمؒ کے جسدِ مبارک کی دوسری جگہ منتقلی کو انھوں نے خود دیکھا تھا۔

واقعہ یہ ہوا کہ جب پانڈارول ندی کا بہاو آپ کے مزار کی طرف ہونے لگا تو آپ نے شیخ محمد طاہر (جمعدار) کو خواب میں فرمایا کہ میرے جسد کو دوسری جگہ (حالیہ مقام پر) دفن کر دیا جائے۔ شیخ محمد طاہر نے یہ خواجہ مولانا سیّد عبید اللہ کو سنایا۔ انھیں یقین نہ آیا تو پھر ان کو بھی اسی طرح کا خواب نظر آیا۔ پھر مولانا نے ایک دن مقرر کیا کہ قبر کو کھولا جائے۔ قبر میں وہ اور اُن کے والد کے شاگرد حافظ محمد انور خاں داخل ہوئے تو خواجہ محمد ہاشمؒ کا جسدِ اطہر اور کفن بھی بالکل تازہ اور معطر پایا اور ایک کاغذ بھی پڑا پایا جس میں شجرۂ طریقت درج تھا۔ پھر آپ کو اُسی ندی کے کنارے اونچی جگہ پر (شبھاش اسکول کے قریب) دفن کیا گیا۔ ہزاروں لوگ جمع تھے۔ موجودہ مقام پر مغرب کی طرف آپ کے

---

[1] مولانا بدر الدین سرہندیؒ نے حضرات القدس (۲) میں خواجہ محمد ہاشمؒ کے حالات اور کرامات وغیرہ لکھی ہیں۔ انتقال کا ذکر بھی کیا ہے۔ لیکن سالِ وفات کی جگہ خالی چھوڑ دی ہے۔ حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے خواجہ محمد ہاشمؒ کے انتقال پر اُن کے صاحبزادے محمد کاظمؒ کو تعزیت لکھی ہے (مکتوباتِ معصومیہ ۱/۲۳۴)۔ لیکن اس سے بھی سالِ وفات ظاہر نہیں ہوتا۔

[2] غالباً سنہ ۱۲۷۲ھ میں۔

Marfat.com

صاحبزادے خواجہ محمد کاظم رح (عرف محمد قاسم رح) اور اُن کی بہن صفیہ خاتونؒ کی قبریں ہیں اور آپ کے بائیں (مشرق کی طرف) آپ کے خلیفہ سید عبداللطیف حصاری رح اور اُن کے بھائی سید عبدالرحیم رح کی قبریں ہیں۔ آپ کے مزار سے چند گز کے فاصلے پر مشرق کی جانب ایک مسجد ۱۲۷۴ھ میں تعمیر ہوئی تھی جو اَب بھی شکستہ حالت میں موجود ہے۔

Marfat.com

تحقیق کے بنیادی لوازم

۱۔ موجودہ فنِ تحقیق کے بنیادی لوازم سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن لوازم کا ذکر بھی کر دیا جائے جو ہمارے اسلافِ کرامؒ کے پیشِ نظر تھے۔

سورۃ الحجرات (۶) میں ارشاد ہے :۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ۝ (یعنی اے ایمان والو، اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو، کبھی کسی قوم کو تم نادانی سے کوئی ضرر پہنچا دو، پھر اپنے کیے پر پچھتانا پڑے)۔

اس آیت مبارکہ میں تحقیق کرنا، بات کو کھولنا، سچائی تک پہنچنا، پرکھنا، جاننا اور سمجھنا ضروری قرار دیا گیا ہے اور اس تحقیق کی ضد کو جہالت کہا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جہالت اور نادانی سے بچنے کے لیے حقیقت کی تلاش فرض ہے تاکہ بعد میں پچھتانا نہ پڑے اور اس کے اثرات سامنے نہ آئیں۔ اس تحقیق کی پروا نہ کرتے ہوئے صرف زبانی باتوں پر یقین کر لینا گمراہی ہے۔

سورۃ التوبہ (۳۰) میں ارشاد ہے :۔

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ یُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ (اور یہودی بولے عزیر، اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی بولے، مسیح، اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ باتیں وہ اپنے منہ سے بکتے ہیں ...) یعنی یہ باتیں ایسی ہیں جن کے لیے کوئی دلیل کہیں نہیں مل سکتی اور وہ لوگ خواہ مخواہ، باطل صریح کے معتقد ہیں۔

یہی زبانی باتیں جو بعد میں تاریخ کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہیں جیسا کہ سورۃ الصف (۳) میں ارشاد ہے :۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (یعنی کیسی سخت ناپسندیدہ ہو اللہ کو وہ بات کہ وہ کہو جو نہ کرو)۔ یعنی زبانی جمع خرچ کرو گے تو عمل سے کورے رہو گے اور ایسی باتیں اللہ تعالیٰ کو سخت ناگوار ہیں۔ گویا زبانی باتیں جو بلا دلیل ہوتی ہیں وہ گمراہی بھی ہیں، باطل صریح بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کو سخت

Marfat.com

ناپسند بھی ہیں۔ اسی لیے ہمارے اسلافِ کرامؒ جو کچھ سنا اس کے لیے پوری پوری تحقیق کی اور حدیث کے معاملے میں تو ایک ایک حرف اور لفظ کی صحت کے لیے سخت دشواریوں کو بھی لبیک کہا۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ آپ نے ایک حدیث حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست خود سنی تھی لیکن اس حدیث کے کسی لفظ پر شک پیدا ہوا تو آپ اس شک کو مٹانے کے لیے مدینہ منورہ سے حضرت عقبہ بن عامرؓ کے پاس مصر تشریف لے گئے۔ حدیث یہ تھی:

من ستر مسلماً خزیہ سترہ اللہ یوم القیامۃ

اور لطف یہ کہ اس حدیث کو سنتے ہی (اور اپنا شک دور کرتے ہی) آپ اپنی سواری کی طرف پلٹے، سوار ہوئے اور مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ آپ نے (مصر میں) اپنا کجاوہ بھی نہیں کھولا۔ اسی طرح حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ نے حدیث کے ایک حرف کے لیے کوچ کیا۔ اور حضرت مسروقؒ کے لیے بھی یہی کہا جاتا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ سچائی اور حقیقت کی تلاش میں شمع رسالت کے پروانے کس طرح اپنی جان کی بازی لگایا کرتے تھے اور کسی مشکل یا قربانی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، پھر ان کا فنِ حدیث (روایت ۔ تاریخی تنقید) اپنے اندر ایسی نزاکتیں رکھتا ہے کہ تاریخ کے ناقدین کا ذہن بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا اور راویانِ حدیث کا (۱) تقویٰ ایسا تھا کہ وہ بدعات اور صغیرہ تک سے اجتناب کرتے تھے۔ (۲) چھوٹی چھوٹی برائیوں سے بھی پرہیز کرتے تھے۔ مثلاً بازار میں کھانا پینا، یا راستے کے کنارے پیشاب کرنا وغیرہ اور (۳) ضبط کا یہ حال تھا کہ کبھی سہو کا شائبہ بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ روایت کے لیے یہ احتیاط پھر کسی ہوئی اور کس سے ہوسکتی ہے؟ درایت (اصولِ تنقید) یعنی عقلی حیثیت سے روایتوں کے پرکھنے کے لیے اصول و ضوابط بھی ترتیب دیے گئے اور بتایا گیا کہ درایت بھی صرف ان لوگوں کی معتبر ہوسکتی ہے جنھوں نے قرآن و حدیث اور فقہِ اسلامی کے مطالعے اور تحقیق میں ایک عمر صرف کی ہو۔ ہر کس و ناکس کو اس کا مجاز قرار نہیں دیا جاسکتا۔[۱] گویا ہمارے اسلافِ کرام کی تحقیق کے لوازم یہ تھے جن پر اب عمل پیرا ہونا بظاہر ناممکن نہیں تو بے حد دشوار ضرور ہے۔

(۲) موجودہ فنِ تحقیق کے بنیادی لوازم کیا ہیں اور ایک کامیاب اسکالر کی بنیادی فرد رتیں کیا ہیں؟ یہ سوالات کبھی کبھی سامنے آتے ہیں، بالخصوص اردو تحقیق کے حوالے سے۔ اس سلسلے میں چند باتیں جو ذہن میں آتی ہیں پیش کی جاتی ہیں اور ضمناً مزید چند تصریحات بھی، کہ وہ بھی کسی نہ کسی طور پر اسی عنوان سے تعلق رکھتی ہیں۔

(۳) سب سے پہلے تو یہی غور طلب ہے کہ کس حوالے سے ہم تحقیق کے بنیادی لوازم تلاش کرنا چاہتے ہیں

---

[۱] بعد میں اہلِ ہوا نے جعل اور دجل کو ذاتی، سیاسی، یا مذہبی اغراض کے لیے اختیار کیا جس کی تفصیل مختلف کتابوں میں ہے۔ بعض نے محض عقیدت کی بنا پر موضوعات کو اختیار کیا اور بعض نے ناموں کے التباس سے دھوکا کھایا۔

Marfat.com

ادبی اور تاریخی تحقیق کے حوالے سے؟ سماجی تحقیق کے حوالے سے؟ تجرباتی تحقیق کے حوالے سے؟ جدا جدا حوالوں کے ساتھ جدا جدا بنیادی لوازم یا یوں کہیے کہ تحقیق کا "انفرا اسٹرکچر" بدلتا جائے گا۔ یہ تبدیلی ہمارے تصوّرِ تحقیق کے لحاظ سے بھی رونما ہو سکتی ہے۔ ہم تلاشِ حقیقت کا تصور رکھتے ہیں یا سچ کی پہچان ہمارا مسئلہ ہے، تو ایک بات ہو گی، معلومات سے مطابقت والا ایک قابلِ قبول حل (مشکل مطمحِ نظر ہے) تو دوسری، دونوں صورتوں میں بنیادی لوازم بھی کچھ نہ کچھ بدل لیں گے۔ ہماری تحقیق کے پہلے سے طے شدہ کچھ مقاصد ہیں؟ یا نہیں ہیں؟ ان دونوں صورتوں میں بھی لوازم پر اثر پڑے گا۔ کارِ تحقیق کو ہم نے کتنی سنجیدگی سے لیا؟ اس کے درجوں کا فرق بھی لوازم کی تلاش پر اثر انداز ہو سکتا ہے اور غالباً اس کا فرق بھی کہ یہ سوال ہم نے اپنے آپ سے اپنی علمی زندگی کے کس مرحلے پر کیا ہے، ابتدا میں جب کہ ہم اپنی صلاحیتوں کی دریافت میں لگے ہوتے ہیں یا دوسرے علمی وادبی یا تخلیقی میدانوں میں پیش رفت حاصل کر لینے کے بعد (محض تحمیص کے طور پر اس میدان میں بھی)۔ تو اس صورت میں اب ہم مجبور ہوں گے کہ اپنی علمی زندگی کی عمارت میں اِدھر اُدھر چند معمولی تبدیلیاں لاکر اس سے چلائیں گے۔ اس لیے کہ بنیادی طور پر تو یہ عمارت کسی اور مقصد کے لیے بنائی گئی ہوگی، گو کہ وہ مقصد بھی اپنی جگہ اہم ہو سکتا ہے، لیکن مقصد کا فرق اثر انداز تو ضرور ہو گا۔

(۴) ایک مؤرخ، ایک ادبی مورخ، ایک نقاد اور بالعموم ہر ایک عالم کے لیے تھوڑا بہت ذوقِ تحقیق ایک اضافی خصوصیت اور خوبی ہی تصوّر کی جاتی ہے اور بالکل بجا ہے ایسا تصوّر کیا جانا، بلکہ تحقیق کو مقام تو اس سے زیادہ ملنا چاہیے۔ لیکن ایک محقق کے لیے جو بنیادی طور پر محقق ہے، اول و آخر محقق ہے، یہ محض ایک اضافی خوبی نہیں بلکہ یہ ایک طرزِ زندگی، ایک لائف اسٹائل ہے۔ ہمارے اعلیٰ پائے کے محققوں نے ہمارے اپنے زمانے میں اور محقق محدثین نے گذشتہ زمانوں میں زندگیاں اسی طرز پر گزاری ہیں۔ وہ تلاشِ حقیقت یا تلاشِ حقائق کے بڑے جویا تھے اس کے لیے بڑی کھکھیڑ اٹھانے والے، سفر کرنے والے اور آرام کو تجنے والے تھے۔ انھوں نے اپنی علمی زندگی کے آغاز ہی سے علمی میدان میں محنت اور سخت کوشی اختیار کر لی تھی۔ اپنی بہت سی جائز ضرورتوں اور سہولتوں پر علمی اسفار و کتب کو مقدم جانا اور ایک ایسے طریقے پر زندگی بسر کی جو تحقیقی کاموں کے لیے موزوں و مناسب تھا۔ مختصر یہ کہ انھوں نے تحقیق کو چند روزہ شغل یا تحمیص یا فیشن نہیں بنایا جس کے لیے ظاہر ہے کہ بڑی سچی لگن چاہیے یا جس طرح رومیؒ نے فرمایا ہے:

پس قیامت شو قیامت را ببیں
دیدنِ ہر چیز را شرط ست ایں

(۵) تو اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ تحقیق کو بطور ایک طرزِ زندگی اپنانا ہی اولین اور بنیادی اور لازمی شرط ہے،

Marfat.com

اور اس راستے کا پہلا قدم ہے ایک سچی لگن، کہ وہ توفی الحقیقت ہر صبر آزما کام کے لیے ضروری ہے جیسا کہ فارسی مقولہ ہے: ع شرطِ اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

جس کو اپنی علمی زندگی کے آغاز میں ایسا رہنما اور ایسا ماحول مل جاتا ہے کہ وہ سچی لگن لگانے میں سازگار ہو،

(۶) اب مخصوصاً اردو کی ادبی تحقیق کو لیجیے۔ تو اس حوالے سے دوسری لازمی چیز یہ ہوگی کہ ہم اپنا مضمون 'اردو' بخوبی جانتے ہوں، اس دائرے میں کثیر المعلومات ہوں، وسیع المطالعہ ہوں اور مطالعے کا یہ عمل کسی درجے پر آ کر رک نہ گیا ہو، حوالے کی کتابوں تک عمدہ طور پر رسائی ہو، علماء و فضلاء سے استفادے کا موقع تلاش کرنے والے ہوں کہ یہ چیز خود ذوقِ تحقیق کی آبیاری کرتی ہے۔

(۷) عربی، فارسی ہمارے لیے کلاسیکل زبانوں کا درجہ رکھتی ہیں، ان سے تھوڑی بہت واقفیت ضرور چاہیے۔ جو فارسی میں مہارت رکھے گا، اس کو اردو کی ادبی تحقیق میں نمایاں فوائد حاصل رہیں گے۔ تاریخیں' تذکرے' بزرگوں کے ملفوظات اور اسی نوعیت کی کتابیں، مکتوبات اور دستاویزات بکثرت فارسی میں ہیں جن کے حوالے اردو کی تحقیق میں آتے ہیں، کہ ایک زمانے میں وہی علمی و ادبی زبان تھی اور ہمارے بہت سے بلند مرتبہ اردو شعراء نے فارسی میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ پھر عربی سے کسی قدر واقفیت خود اچھی اردو اور اچھی فارسی کے لیے ضروری ہے۔ غرض کہ ان زبانوں سے ابتدائی واقفیت یا کام چلانے کے قابل واقفیت کو بھی اگر اردو تحقیق کے بنیادی لوازم میں شمار کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

(۸) مشرقی مخطوطات کے ذخیروں کی بہت سی وضاحتی فہرستیں، بلند تحقیقی معیار کے حامل مستشرقین نے انگریزی میں مرتب کی ہیں۔ باوجود اپنی بعض خامیوں کے، وہ معلومات کا ایک خزانہ ہیں، ان کو دیکھنے کی ضرورت کسی نہ کسی مرحلے پر اردو کی تحقیق میں بھی پیش آجاتی ہے، ہماری معلومات کے بکثرت بنیادی مآخذ فارسی زبان میں ہیں اور وہ وضاحتی فہرستیں بہت سی معلومات ان کے بارے میں بہم پہنچاتی ہیں، اس لیے ضروری ہے بہ سہولت ان تک رسائی ہو، بلکہ بہتر ہے کہ ان کے حصول کی کوشش کی جائے۔ اسی طرح اردو زبان میں مشرقی مخطوطات کے ذخیروں کی جو اجمالی یا وضاحتی فہرستیں دستیاب ہوں ذاتی ذخیرے کے لیے حاصل کرنی چاہیں۔ علیٰ ہذا مطبوعات کے ذخیروں کی بھی، اگر دستیاب ہوں اور کتاب خانوں اور مخطوطات کے ذخیروں سے ذاتی واقفیت کا ایک مضبوط تعلق قائم کرنا چاہیے۔ اردو کے محققوں کو اکثر فراہمیِ مواد کا بہت سا کام خود کرنا پڑتا ہے جسے انجام دینے میں ترقی یافتہ ملکوں کے ناظمینِ کتاب خانہ ہاتھ بٹاتے ہیں۔ اس لیے اردو کے اہم کتاب خانوں اور شخصی ذخیروں سے واقفیت اور بھی ضروری ہو جاتی ہے اور ایسا تب ہی ہو سکتا ہے کہ کتاب خانے ہمارے طرزِ زندگی کا لازمی حصہ بن جائیں۔ جب یہ چیز ہمارے طرزِ زندگی میں ترجیحی اہمیت حاصل کر لے گی تو ہم دیکھیں گے کہ ہمارے مضبوط تر شخصی

روابط بھی ایسے ہم ذوق صاحبانِ تحقیق سے زیادہ ہوں گے جو قابلِ قدر ذخیرۂ کتب رکھتے ہوں اور یہ بالکل فطری امر ہوگا۔

(۹) تاریخ بڑی اہم چیز ہے، کتبِ تواریخ پر دسترس بے حد اہمیت رکھتی ہے۔ ادبی تحقیق میں وہی زیادہ تر کامیاب رہے ہیں جنھیں زیرِ تحقیق عہد کی تاریخ کے اہم اور مستند اور بنیادی مآخذ تک رسائی حاصل تھی اور جو ادبی حقائق کو تاریخ کی روشنی میں دیکھنے کے قابل تھے۔ اس لیے جہاں اردو زبان و ادب کا مطالعہ ضروری ہے وہاں عصری تاریخ بھی کچھ کم اہم نہیں۔ بلکہ یہ تو لازمی چیزوں میں سے ہے۔ تو اب بات یوں بنی کہ اردو زبان و ادب کی تحقیق کے لیے تاریخ کا مطالعہ ضروری ہوا اور چوں کہ اس کے بنیادی مآخذ بہت کچھ فارسی میں ہیں تو فارسی کا جاننا بھی لازم آیا۔ مزید برآں مواد انگریزی میں بھی ہے، کتابیں بھی اور دستاویزات بھی (بالخصوص کمپنی کے عہد کے) تو انگریزی مصادر تک رسائی کے اپنے فوائد ہوئے۔ مختصر یہ کہ اُردو کی تحقیق میں کامیابی زیادہ تر تو انھوں نے حاصل کی ہے جو اردو کے ساتھ فارسی اور تاریخ کے عالم بھی تھے اور انگریزی مصادر تک بھی رسائی رکھتے تھے۔

(۱۰) سنین اور ان کی مطابقتیں، اسی طرح دونوں تاریخوں کا حساب بالوضاحت درج نہیں تو قرائن و شواہد کی بنا پر زمانے کا تعیّن اور استخراج نتائج میں یا مزعومات و مفروضات کے رد میں ان سے آگہی کی اہمیت یہ سب تحقیق میں بنیادی اہمیت کی چیزیں ہیں۔ ایک قابلِ اعتماد تقویم ہجری و عیسوی جس میں سنین کی مطابقتیں درج ہوں اور مستشرقین کے طرز کی ایسی وضاحتی فہرستیں جن میں اشخاص و اماکن کے علاوہ اہم تاریخوں کے اشارے بھی بہ تفصیل مل جاتے ہیں، اسکالر کی ایک بنیادی ضرورت کو پورا کرتے ہیں بلکہ یوں کہیے کہ بنیادی لوازم میں سے ہیں۔

(۱۱) تحقیق کی روح اور رجحان تو یہی ہے کہ حقائق کی تلاش کی جائے اور اچھی طرح چھان بین کی جائے اور وہ بلاشبہ نامکمل ہے اگر تعبیر و تشریح کے ساتھ نہ ہو یا بالفاظِ دیگر اگر اس کے ساتھ تنقید نہ ہو، تاہم حقائق کی تلاش کی خود اپنی ایک اہمیت ہے (گو کہ اس کے ساتھ تعبیر و تشریح کا عمل نہ بھی ہو) یہ پھر بھی غیر اہم چیز نہیں ہے۔ یہ پھر بھی افادیت رکھتی ہے۔ ہاں تحقیق کے بغیر تنقید گویا ٹیڑھی دیوار آسمان تک اٹھانا ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ ہم تحقیق کو کسی طور بھی غیر اہم نہ جانیں۔ وہ مکمل تحقیق ہے تو آفریں، جزوی تحقیق ہے تو پھر بھی غیر اہم نہیں۔

(۱۲) موضوعات تو ادبی تحقیق کے میدان میں بے شمار ہیں نئے بھی اور نئے زاویوں سے روشنی ڈالی جائے تو پرانے بھی، کبھی ان پرانے موضوعات کے رد یا نئے رخ سے بھی ایک راہ کھلتی ہے، مگر بہتر بات یہ

Marfat.com

ہے کہ موضوع اہم ہونا چاہیے۔ اس سے تحقیق کے نتائج بھی اہمیت حاصل کرتے ہیں۔ جس بلند پایہ محقق نے ذوق کو موضوعِ تحقیق بنایا اور خوب خوب دادِ تحقیق دی اس کے اعلیٰ نتائجِ تحقیق نے تاریخ ادب میں ویسی جگہ نہ پائی جیسی غالب کے بلند پایہ محققین کو ملی، حالاں کہ معیار کے لحاظ سے تو کام کسی طور کسی سے کم نہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ فرق موضوعات کا ہے۔ چناں چہ اس کا خیال بھی ضروری ہے۔

(۱۳) ضروری مواد تک رسائی بھی، ہم اردو والوں کے لیے بحالاتِ موجودہ ایک مشکل مرحلہ ہے، لیکن مواد فراہم ہو جانے کے بعد اس کی چھان بین، ترتیب و تنظیم اور پیش کش بھی کچھ کم صبر آزما نہیں۔ اکثر دیکھا ہے کہ مواد جمع کر لینے کے بعد بھی طویل عرصہ اس کام میں لگ جاتا ہے۔ کبھی کبھی ایسی دشواریاں گنائی جاتی ہیں کہ صبرِ ایوبؑ اور عمرِ نوحؑ چاہیے۔ انھیں سر کرنے کے لیے کئی صاحبان "ماحضر" پیش کر دینے کو غنیمت جانتے ہیں اور بات نہیں بنتی کیوں کہ جتنا صبر اس کام کے لیے چاہیے، نہیں ہو پاتا یا بعض ضرورتیں مجبور کرتی ہیں کہ صبر سے کام نہ لیا جائے۔ لیکن تحقیق کے لیے یہ صفت ہے خاصی اہم، بلکہ اچھی تحقیق کے لیے تو لازمی اور ضروری ہے۔ کوئی اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہیے اس معاملے میں۔

(۱۴) الجھنیں اور دشواریاں تو اس راہ میں بہت سی آتی ہیں، جب کہ ہم خود کو، چہ کنم کی حالت میں پاتے ہیں۔ اس حالت سے نکلنے کا آسان ترین طریقہ وہی ہے جس پر ہم نے اپنے زمانے کے بڑے بڑے فضلا کو کاربند پایا ہے یعنی یہ کہ جو بات سمجھ میں نہ آئے زیادہ جاننے والے سے پوچھ لیں۔ مشورہ اچھی چیز ہے۔ اس سے تحقیق کی اکثر مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔ آخر میں سعدی کے قول پر ان تصریحات کو ختم کیا جاتا ہے کہ :

من نہ گویم کہ این کن و آن کن
مصلحت بین و کار آسان کن

☆☆

مثنوی کلام نبیؐ

مدینہ منورہ کی رباط مظہریہ کے کتب خانے میں اردو کی ایک طویل مثنوی کلام نبیؐ دیکھی تھی - اس کے مصنف سید غلام نبی نقشبندی تھے - غالباً انہی کے قلم سے پاکیزہ خط میں یہ مثنوی دو سو اوراق میں نقل ہوئی ہے - اس کے صفحہ ۱ سے ۴۷ تک چودہ اشعار فی صفحہ ہیں ، صفحہ ۴۸ سے ۹۷ تک سترہ اشعار فی صفحہ ہیں ، اور صفحہ ۹۸ سے ۴۰۰ تک اکیس اشعار فی صفحہ ہیں - شمار کرنے سے یہ اشعار ۵۳۶۷ ہوتے ہیں -!

سید غلام نبی نے یہ مثنوی ۱۲۰۵ھ میں شروع کی تھی - ''سبب تالیف'' کے ذیل میں انہوں نے لکھا ہے :

یہ سن یک ہزار و دو صد اور پنج   ہوا ابتدا یہ فوائد کا گنج

حمد ، نعت اور منقبت کے بعد انہوں نے بیس اشعار میں اپنے شیخ (اور والد) کی مدح لکھی ہے اور اس کی سرخی اس طرح ہے :

''در تعریف سیدی ، سندی ، مرشدی حضرت سید غلام سرور صاحب خطیب مکہ مسجد قدس سرہ'' انھی اشعار میں (جو آگے آتے ہیں) انھوں نے اپنے والد اور مرشد کی تاریخ وفات (سہ شنبہ ۱۷ شوال ۱۲۰۷ھ) بھی نظم کی ہے - مثنوی یقیناً اس تاریخ کے بہت بعد تک لکھی جاتی رہی ہوگی - منقبت حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی ہے - اس لیے خیال ہے کہ مصنف کے والد انھی کی اولاد میں سے ہوں گے -

مثنوی میں ''سبب تالیف'' کے ذیل میں ذکر ہے کہ مصنف نے اپنے احباب کے مختلف سوالات کے جوابات لکھے ہیں - تین مقامات ایسے ہیں جہاں مصنف نے کچھ ''نقش'' درج کیے ہیں جو نقل کر دیے جائیں گے -

مثنوی کی زبان آج سے دو سو سال پہلے کی ہے اور اس میں وہ سب خصوصیات ہیں جو اس زمانے کی دکنی زبان میں تھیں : شروع ، جمیع وغیرہ کے نظم کرنے سے عین گر جاتا ہے -

ہر جگہ وو (وہ) لکھا ہے جو غالب کے زمانے میں بھی رائج تھا؟ کریجو (کیجیو)- کریجے (کیجیے) تشریف لائیجے (تشریف لائیے)- لیکن (مگر کے وزن پر)

Marfat.com

تیرے سے (تجھ سے) - کنیں (کہیں) - نئیں (نہیں) - منیں (میں) - دیکھا (دکھا) یہبی (یہی) - یہ فرمانے (یہ فرمایا) وغیرہ -

لظر لانا (سامنے رکھنا) اور لذر لانا (پیش کرنا) اس طرح استعمال کیا ہے :

جو تحفہ لیا مجھ پاس لایا نظر　　سمجھ اپنی دانش میں بہتر ہی کر
تہا ہمراہ یک تحفہٗ نامور　　رکھے سامنے لا کے میرے لظر

نذر (قدر کے وزن پر) :

وہ پانی کے تئیں میں سمجھ کر بھلا　　تری نذر لایا ہوں جل و علا

نصیر الدین ہاشمی مرحوم نے اردو مخطوطات ، جلد دوم (حیدر آباد دکن ۱۹۶۱ء) کے صفحہ ۶۴ میں اس مثنوی کا ذکر ترجمہ حصن الحصین کے ذیل میں کیا ہے کہ غلام نبی نے یہ مثنوی ۱۲۰۵ھ میں لکھی تھی - یہ بھی لکھا ہے : "مترجم ، شاہ غلام سرور کے فرزند تھے - اپنے وقت کے عالم متبحر اور فاضل اجل تھے - ساتھ ساتھ تصوف اور عرفان میں دخل تھا - ماہ ربیع الاول ، ربیع الثانی ، رمضان اور محرم میں وعظ فرماتے ، صد ہا آدمیوں کا مجمع ہوتا تھا - مستورات بھی پردہ میں آپ کا وعظ سنتی تھیں - مکہ مسجد کے خطیب تھے - یہ خدمت آپ کو اپنے باپ کے بعد ملی تھی - مؤرخوں نے آپ کے بہترین اخلاق اور عمدہ سیرت کی ستائش کی ہے - دینی کاموں میں جان و مال سے حاضر ہوتے تھے - امیر اور غریب سب کے ساتھ حسن سلوک فرماتے - ۱۲۵۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا - ہودلے صاحب کی کھڑکی کے باہر مدفون ہیں - عرصۂ دراز تک مکہ مسجد کی خطیبی آپ کے خاندان میں رہی - غلام نبی کو اپنے باپ سے بیعت بھی حاصل تھی اور خلافت بھی" -

ہاشمی مرحوم نے اس مخطوطے کے دو اور نسخوں کا ذکر بھی کیا ہے اور صفحہ ۳۳۲ میں سید غلام نبی کے صاحبزادے حافظ محمد طاہر کی کتاب اسرار غوثیہ (قلمی) کا ذکر ہے جو انھوں نے حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے ۸۹ مناقب پر ۱۲۸۲ھ لکھی تھی - اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے :

الحمدللہ رب العالمین.. بعد حمد و صلوۃ یہ احوال حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ کا یعنی فقیر حقیر حافظ سید محمد طاہر فرزند حضرت سید غلام نبی صاحب ، خطیب مکہ مسجد. . . ہاشمی مرحوم کے اردو مخطوطات کی جلد اول کے صفحہ ۱۸۹ میں سید غلام نبی کے ایک مرید سید میر قمر علی کی کتابت کردہ مثنوی اعجاز احمدی (از نوازش علی شیدا) کا ذکر ہے ، اور اسی جلد کے صفحہ ۳۶۸ میں رسالہ قواعد فارسی کا ذکر ہے جس کے مصنف میر عبدالغفور موسوی دہلوی[۳] تھے - ہاشمی مرحوم لکھتے ہیں کہ "میر عبدالغفور موسوی نے اپنے متعلق خود اس رسالے میں وضاحت کی

Marfat.com

ہے کہ وہ دہلی کے متوطن تھے - حیدر آباد آنے کا شوق تھا مگر فاصلے کی دوری کے باعث یہ ارادہ جلد پورا نہ ہوا - آخر جب حج کو گئے تو واپسی میں حیدر آباد آکر قیام کیا - یہاں مولوی غلام نبی صاحب، خطیب مکہ مسجد کے مکان میں قیام ہوا - کہیں اور جانا آنا نہیں ہوتا تھا - اتفاقاً شمس الامراء رفیع الدین خان کے پاس رسائی ہو گئی اور ممدوح کی فرمائش پر یہ فارسی قواعد لکھے گئے" (ماہ شوال ۱۲۶۱ھ میں) —یعنی عبدالغفور موسوی دہلی کے تھے - حیدر آباد (دکن) جانے کا شوق رکھتے تھے - حج کے بعد سید غلام نبی کے یہاں قیام کیا - اس لیے قیاس ہے کہ سید غلام نبی کے والد غلام سرورؒ کا تعلق حضرت میرزا مظہر جان جانان قدس سرہ (م ۱۱۹۵ھ) ہی سے رہا ہوگا اور ممکن ہے کہ غلام نبی نے اپنی مثنوی کا ایک عمدہ نسخہ تیار کرا کر حضرت مظہرؒ کی خدمت میں بھیجا ہوگا، جو دہلی سے ان کی کتابوں کے ساتھ رباط مظہریہ (مدینہ منورہ) پہنچ گیا ہوگا -

مثنوی اس طرح شروع ہوتی ہے :

سر نامہ بسم اللہ الرحمن الرحیم — شروع جس سے پایا کلام کریم
وہ موصوف ہے باصفات کمال — منزہ ہے از سمت نقص و زوال
ہے روزی رساں دار دنیا میں وہ — جمیع مومناں ، کافراں ، کوئی ہو
قیامت کو بخشے سبھی مومنیں — نہ کفار کو آخرت میں ، یقیں
جمیع حمد ثابت ہے اللہ کو — وہ ہے رب عالم کا بے گفتگو . . .
ترے سے مدد مانگتے ہیں کریم — ہدایت ہمیں کر رہ مستقیم
دکھا راہ ان کی کرم سے کرام — کیا تو نے انعام ان پر تمام
خدا ایک ہے اور صمد بامیا — نہ جنتا کسی کو، جنا نیں گیا

حمد اور مناجات کے ایسے باسٹھ اشعار کے بعد پانچویں صفحے میں نعت کی ابتدا کی گئی ہے جو بہت دور تک ہے :

محمدؐ کے لے نام سے فیض تام — اے دل کہہ تو نعت علیہ السلام
منور اسی میم سے دو جہاں — ہے مداح معبود روزان شبان
محبت کا ہے سلسلہ میم سے — وہ اسرار مخفی ملا میم سے

اس کے بعد بارہ اشعار میں حرف میم کی برکات بتائی گئی ہیں - سترہ اشعار میں حرف ح کی ، اکیس اشعار میں میم دوم کی - پھر درود شریف کی برکات اور پھر حرف دال کی برکات بیان کی گئی ہیں - اس کے بعد ساٹھ اشعار میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماے گرامی کی برکات ، معجزات اور صلواۃ و سلام کے مضامین ہیں - چھبیسویں شعر میں شاعر نے اپنا ذکر اس طرح کیا ہے :

نبی الوریٰ پر سے اے دوستو — غلام نبی کو تصدق کرو

Marfat.com

اس کے بعد ٦ - ٦ اشعار میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی منقبت ہے - ایک ایک شعر اس طرح ہے :

مصاحب رسول خدا کے ہیں غار
ہیں وہ معدن صدق صاحب وقار

محبت سے ان کی ملے راہ دیں
سراج اہل جنت عمر ہیں یقیں

کہا حق نے آمَنَّ ہُوَ قانِتٌ
وہ ہیں عین الایمان اطاعت سے کن

پھر سات اشعار میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت ہے - وہ اس طرح شروع ہوتی ہے :

علی رضؓ مثل ہارونؑ ہیں مشتہر
نبیؐ شہر علم و علیؓ اس کے در

اس کے چوبیس اشعار میں حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کی منقبت ہے - ابتدا اس طرح کی ہے :

وہ برج نبوت کے ہیں نیرین
امامین ہمامیں ہیں کاملین

اس کے آخری تین شعر یہ ہیں :

جمال اپنا دکھلاؤ خیر الانام
وو مشتاق دیدار ہے صبح و شام

یہ مجرائی مجرا کرے ہے ادا
مدینہ طرف اپنا رخ کر سدا

ہے دن رات ورد غلام نبی
نبیؐ یا نبیؐ یا نبیؐ یا نبیؐ

اس منقبت کے بعد سترہ اشعار حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی منقبت ہے :

ہیں سلطان دین عارفوں کے ظہیر . .
شہنشاہ کل پیر پیران پیر

اس کے بعد بیس اشعار میں شاعر نے اپنے پیر کی مدح لکھی ہے : "در تعریف سیدی، سندی، مرشدی حضرت سید غلام سرور صاحب خطیب مکہ مسجد قدس سرہ" - چند اشعار یہ ہیں :

جو بتلا دیے کلمۂ طیب کا ذوق
ہے دل ذکر مرشد سے ہر ذوق و شوق

شرافت، نجابت میں عالی حسب
حسینی ہیں سادات والا نسب

کیے مکہ مسجد کے ان کو امام
مدینہ کے سلطانؒ یہ اکرام تام

ملا ان کو ہے تحفہ، نقشبند
کہ ہیں فیض قادرؒ سے وہ بہرہ مند

یہ ساعت دوم وو شہ دین فروز
سترویں شوال اور منگل کا روز

سن یک ہزار و دو صد سات کے
گئے تحفے صلوات کے ساتھ تھے

تو کر قبر ان کی کو معمور نور
تفضل سے اپنے غفورہ شکور

پھر شاعر نے مثنوی کے لکھنے کا سبب بیان کیا ہے -

در سبب تالیف کتاب گوید :

ہو ایوان احادیث سے نقشبند
شبے دل مسرت سے ہو بہرہ مند

Marfat.com

وہ تھی چودھویں رات رمضان کی ❊ بوقت سحر ، حق کے احسان کی
کہ وہ رات غوغا سے خالی جہاں ❊ ہوا تھا منور زمین آسمان
شب قدر کے اس میں آثار تھے ❊ سعادت کے انوار اظہار تھے
عجب جلوہ گر نور سے ماہتاب ❊ جہاں روشنی سے ہوا کام یاب
بھا جانے ذاکر بذکر خدا ❊ تھے مشغول حضرت بھی روحی فدا
کوئی تسمیہ ، کوئی پڑھے تھا درود ❊ کوئی کلمہ طیب سے ذوق شہود
کوئی حمد کا مجھ سے پوچھے ثواب ❊ کوئی سورہ اخلاص کے مستطاب
کوئی پوچھتا روز محشر کا حال ❊ شفاعت رسولؐ و کرم ذوالجلال
کوئی استغفراللہ کو پوچھتا ❊ کوئی اسم اللہ کو پوچھتا
کوئی پوچھے تھا خدمت والدین ❊ کیے سے ہے کیا فائدہ نور عین
کوئی عشق کا پوچھتا ماجرا ❊ کوئی پوچھے آدمؑ کا سارا کتھا
کوئی نوحؑ و یوسفؑ کا پوچھے بیان ❊ خلیلؑ و ذبیح اللہؑ کا حال جان
کوئی سرورؐ دو جہاں کا مقام ❊ ہوا مجھ سے سائل کہ کہہ نیک نام
کوئی پوچھتا اشک سے بھر کے غین ❊ بیان امام حسنؓ اور حسینؓ
کوئی فقہ کا پوچھتا مجھ سے راز ❊ فرائض ، سنن ، واجبات نماز
کوئی مجھ سے احسان کا سائل ہوا ❊ سخاوت کے کرنے کا مائل ہوا
دگر اور مسائل ، فوائد کثیر ❊ لگے پوچھنے جب صغیر و کبیر
کشادہ معانی کا دروازہ تھا ❊ ورود معانی نہ اندازہ تھا
کہا ان سے اے صاحبان طلب ❊ تمھاری طلب کے موافق میں اب
لکھوں مثنوی ایک ہندی زبان ❊ کہ سن جس سے خوش ہونگے روشن دلاں
تمھارے سوالوں کا سب ہے جواب ❊ بنام خدا یہ ہوا فتح یاب
ادب سے بدرگہ رب ہو رجوع ❊ کیا تسمیہ سے یہ نامہ شروع
یہ سن یک ہزار و دو صد اور پنج (۱۲۰۵ھ) ❊ ہوا ابتدا یہ فوائد کا گنج
پڑھے جو کوئی اس کو اور ہوئے شاد ❊ کرے فاتحہ سے مؤلف کو یاد
کلام نبیؐ کر مسمّٰی کیا ❊ ہے ارشاد کل سید الانبیاؐ

اسی سلسلے کے سترہ اشعار اور ہیں۔ پھر مناجات کے نو اشعار ہیں جو اس طرح شروع ہوتے ہیں :

الٰہی ترا فضل ہر دم ضرور ❊ ترے سے کرم اور ہم سے قصور
بجز فضل تیرے وسیلہ نہیں ❊ مری بات میں مکر و حیلہ نہیں
نہیں آسرا کئیں مجھے یا الہ ❊ مگر یک تفضل کا تیری پناہ
ہے امارہ بد راہ یہ مثل زن ❊ بنا مطمئنہ اسے نیک ظن

کیا اس لیے بود انسان کا ‏ / پیے آب شیریں وو عرفان کا
اسی کو میں سمجھا غنیمت ہے یہ ‏ / پیا اس کو مصری کا شربت ہے یہ
وو پانی کے تئیں میں سمجھ کر بھلا ‏ / تری نذر لایا ہوں جل و علا
اسے اپنے افضال سے کر قبول ‏ / عوض اس کے ہو آب شیریں حصول
کہ جیسا ترا ایک بندہ کیا ‏ / تو خالق مرا عرض بس کر دیا

اس کے ساتھ ایک قصہ بیان کیا ہے کہ کس طرح ایک غریب شخص نے اخلاص کے ساتھ بادشاہ کو کھاری پانی پیش کیا تو بادشاہ نے قبول کر لیا اور انعام دیا۔
اس حکایت میں ۱۲۳ اشعار ہیں:

غریب ایک تھا شخص صحرا نشین ‏ / گرفتار تکلیف تھا مرد دین
نہ تھا دن کے تئیں اس کو آب و طعام ‏ / ہوا رات کو خواب بالکل حرام
کبھی ایک شب اس کی عورت اسے ‏ / میاں حق نہ دیوے یہ حالت کسے
بدن پر ہے بس دھوپ کا جامہ صاف ‏ / ہوا چاندنی کا نہالیں لحاف
ہوا قُرصِ مہ قُرصِ نان با صفا ‏ / ہو نزدیک لیجے بغل میں چھپا
نظر آتی روٹی کی صورت نہیں ‏ / ملا آنسوؤں کا ہی پانی یقیں
سبھی خویش و بیگانہ ہم سے خفا ‏ / جو تھے با وفا ہو گئے بے وفا
اگر مانگیے کس سے جا کر نمک ‏ / تو کہتے ہیں مر جا، نہ بیہودہ بک
کہاں تک میں اب فقر و فاقہ سہوں ‏ / نہیں مجھ میں برداشت تا چپ رہوں
شتابی کچھ اب فکر اس کی کرو ‏ / بھلا نئیں ہے بھوکوں کے مارے مرو
یہ باتوں کو سن سن دیا یوں جواب ‏ / کہ فرمائے حضرت رسالت مآب
قناعت عجب گنج ہے پائدار ‏ / فنا جس کو ہرگز نہیں دوستدار
اے بی بی اسے تو خوشی کر قبول ‏ / کہ خوشنود جس سے خدا اور رسول
خفا ہو کہی سن اے جھوٹے میاں ‏ / قناعت کا بس نام ہے ہر زبان
قناعت کا تو صرف سیکھا ہے نام ‏ / عمل اس کا آتا نہیں مرد خام
قناعت تو گنج رواں ہے یقین ‏ / تجھے ہانے ریخ رواں ہے یقین
یہ تکرار کو چھوڑ ہشیار ہو ‏ / اب اس نیند کو تج کے بیدار ہو
شتابی سے کچھ قوت کی فکر کر ‏ / یہ باتوں سے نئیں فائدہ، رکھ خبر
کہا کیا ہے مطلب اے بی بی تو بول ‏ / مقاصد کے موتی شتابی سے رول
کبھی بے خبر کچھ تجھے نئیں خبر ‏ / کہ ہے پاس یک بادشہ دادگر
کہ بندہ ہے جس در کا حاتم سخی ‏ / بخیلی کو جگ سے کیا ہے نفی
ہوئے بحر و کان اس کی بخشش سے صاف ‏ / کرے کوئی تقصیر ہو سب معاف
کرم کا کیا اس نے رایت بلند ‏ / گیا جو بھی مفلس، ہوا ارجمند
در اس کا یقین قبلہ حاجات ہے ‏ / رواں قافلہ روز اور رات ہے

Marfat.com

عرب اور عجم ، ترک و تاجیک و روم　　ہے سارے جہاں میں سخاوت سے دھوم
وہ بحر کرم ہے وہ آب حیات　　ہوئے زندہ انسان و حیوان نبات
شہنشاہ بغداد ہے وہ کریم　　چلا جا شتابی ، نہ کر ترس و بیم
کرے پل میں مفلس کے تئیں وہ امیر　　ہے افتادگوں کا سدا دستگیر
ملے گا اگر اس سے ہوگا تو شاہ　　کرے یک نظر جاوے حال تباہ
کہا کس سبب سے میں جاؤں وہاں　　ملے کس بہانے سے شاہ شہاں
کوئی چاہیے حیلہ ملنے کے تئیں　　بجز واسطہ ملنا کچھ خوب نئیں
کرے تا وہ اللہ کا نائب کرم　　ہمارا سبھی جائے یہ درد و غم
کہے ہم ہیں درویش برگشتہ حال　　ہماری ہے صورت بہ شکل سوال
ہمیں کاہے کو چاہیے کچھ سبب　　ہماری بنی شکل ساری طلب
لیکن تیری خاطر یہ سوجھی ہے بات　　کہ کوئی اس سے بہتر نہیں تحفہ جات
ہمارے سبو میں ہے پانی بھرا　　بہوت احتیاطی سے ہے وہ دھرا
گڑھے میں ہوا جمع برسات سے　　اسی میں رکھے ہوں چھپا رات سے
یہ آب ایسا کوئی مکاں میں نہیں　　مکان کیا کہ بلکہ جہاں میں نہیں
ہر یک قطرہ اس کا ہے گوہر مثال　　کہ گوہر تو کیا بلکہ کوثر مثال
بہوت تحفہ شیرین و خوشبو ہے آب　　چمک میں ہے جیوں چشمۂ آفتاب
خزانہ بھرا نزد شاہ جہاں　　لیکن ایسا پانی ملے گا کہاں
یہ ہدیہ لے جا بادشہ واسطے　　وہ روشن لقا مہر و مہ واسطے
اسی سے وہ کھولے گا روزہ یقیں　　شتابی سے لے جا ، نہ رہ اب کہیں
نہیں تھی وہ عورت کے تئیں یہ خبر　　وہاں بحر جاری ہے مثل شکر
یہ باتوں کے تئیں مرد نے جب سنا　　کلی شوق باغ خوشی سے چنا
کہا سچ کہی تو نے بی بی یہ بات　　ملے شاہ کو ایسا کب تحفہ جات
نمد میں سبو کے تئیں جلد لے　　ہے جانا مجھے دور اور ہے ہرے
وہ تیارگی سے روانہ ہوا　　عنایات خاطر ، بہانہ ہوا
مصلی بچھا اس کی زن با نیاز　　منگی رب سے اپنے دعا در نماز
الٰہی سلامت یہ پانی کے تئیں　　تو پہنچا شہ زندگانی کے تئیں
کہ رونے سے عورت کے با درد و سوز　　وہ دارالخلافت کو پہنچا بہ روز
دیکھا ایک درگاہ عرش اشتباہ　　بھرے ہے وہ انعام و بخشش سے واہ
سبھی طور کے اہل حاجت وہاں　　ہے حاضر سبھی نعمت بے کراں
مسلمان و کافر ہیں اس جا تمام　　سبھوں پر ہے انعام کیا خاص و عام
سلیمان سے حاضر ہیں لے تا بہ مور　　سخاوت سے ہر ایک کے دل میں شور
جو ہیں اہل صورت جواہر لیے　　جو ہیں اہل معنی سرائر لیے

غرض دونوں اقسام کے طالباں　　عنایت سے معمور تھے صاحباں
یہی دمبدم چو طرف سے ندا　　ہو جس شے کا محتاج اور ہے گدا
غریب آیا جس وقت ہے بات خیر　　نقیبوں نے دیکھے کھڑے شخص غیر
خوشی سے چلے آتے ہیں اس کے پاس　　ملی مہربانی سے نیکو اساس
وہ پہچانے مطلب کے تئیں بے مقال　　عطا اس کا تھا کام پیش از سوال
لگے کہنے اس سے اے وجہ العرب　　کہاں سے تو آیا، تجھے کیا طلب؟
کہا میں ہوں مفلس گدا اور زبوں　　بتاؤگے وجہالعرب تب بیوں
نظر کرتے ہی بس تمہارا جمال　　مرے دل کو حاصل ہے فرحت کمال
تمھارے میں ہیں شہ کی سب خوبیاں　　وہ دل جوئیاں اور محبوبیاں
بہ امید لطف شہنشاہ میں　　اب آیا خوشی سے ہوں درگاہ میں
یہاں آیا طالب تھا دینار کا　　لیکن اب تو ہوں مست دیدار کا
مرے شاہ کے تئیں دکھاؤ شتاب　　یہ تحفہ ہوں لایا، لے جاؤ شتاب
گڑھے میں ہوا جمع جو آب تھا　　اسے میں لے لایا ہوں سب سے چھپا
ہے یہ قند سے خوب رس میں ملی　　یہ سن کر نقیبوں کو آئی ہنسی
لیکن مثل جاں اس کے تئیں لے لیے　　جناب شہنشہ میں گذرا دیے
کیے عرض سب اس کے احوال کو　　سنائی فقیری کی جنجال کو
وہ سنتے ہی احوال، شاہ غنی　　کیا آن میں مال و زر کا دھنی
کہا اس سبو کو بھرو زر سے تم　　کہ یاقوت سے اور گوہر سے تم
بہوت خلعت فاخرہ لا کے دو　　کہ تا دل مسافر کا اب شاد ہو
وہ خشکی سے آیا ہے کرکے سفر　　ہو رہ دور کی وہ مثال سقر
کہ دجلہ کی اب راہ نزدیک ہے　　وہ روشن ہے، نا شب سی تاریک ہے
بٹھاؤ لے جا اس کو کشتی میں واہ　　کہ تا بھول کر جانے سب رنج راہ
نقیبوں نے سن حکم سلطان جاں　　بٹھائے ہیں کشتی میں شادی کناں
سوار ہو چکا جب کہ وہ نیک نام　　دیکھا آب شیریں کا دریا تمام
بجا لایا سجدہ خدا کو وویں　　لگا شاہ کا وصف کرنے یوہیں
عجب ہے شہنشاہ دریائے جود　　لیا کھاری پانی کو فرحت سے زود
دغل کے تئیں نقد سالی کیا　　عوض اس کے کیا کیا عطا وہ کیا
جو تھا حال اس شخص کا یا غفور　　سر مو نہیں فرق اس میں قصور
غلام نبی کا وہی حال ہے　　ترا اس کو درکار افضال ہے
سبو، جسم نا کارہ، شیریں سے دور　　جو آنسو کا اس میں بھرا آب شور
کیا ہوں کا میں جمع کر شور آب　　ریا کی تمد میں چھپا کر شتاب
جناب مقدس میں تیری کریم　　یہ تحفہ لے آیا بہ امید و بیم

قبول اس کو اپنی عنایات سے　　عوض دے تو رحمت کی آیات سے
میں نیکی سے مفلس ہوں اے ذوالجلال　　مجھے مال بخشش کا دے، کرنہال
جو تحفہ تھا مجھ پاس لایا نظر　　سمجھ اپنی دانش میں بہتر ہی کر
تو لائق ہے جس شان کے کبریا　　دے بدلے میں اس کے شہ باوفا
خدایا ترا ایک بندہ تھا وو　　کیا عیب پوشی بہت شاد ہو
نہ بولا کہ تو گندہ پانی اٹھا　　لے آیا ہے مجھ پاس اے ناسزا
کیا اس کا ہرگز نہیں عیب فاش　　عنایت کیا بلکہ ایسا معاش
محلے کے لوگوں کے تئیں وہ دیا　　کہ کھایا پیا جب تلک بھی جیا
اسی طور مجھ کو گناہوں بدل　　نہ رسوا کریجو اے عز و جل
نہ پوچھو جو بد زندگانی کے تئیں　　تو کیوں لایا یاں کھاری پانی کے تئیں
عمل ہیں مرے سب بدی کے خدا　　کرم سے تو تبدیل کر مدعا
جرائم میں گئی عمر افسوس واہ　　جو باقی رہی ٹھیک کر بادشاہ
کہ تا آؤں خوش وقت تجھ پاس میں　　سدا بھی رکھتا ہوں اب آس میں
مری آس بر لائیو ذوالکرام　　بحرمت رسول علیہ السلام

کلام اول در فضیلت بسم اللہ الرحمن الرحیم کہ مفتاح خزائن کریم است۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم "کل امر ذی بال لم یبدأ باسم اللہ فھو ابتر" نزول برکات و حصول حسنات و قبول طاعات و ترقی درجات و رویت قاضی الحاجات و عفو سیّات و گرانی اعمال نیک در میزان و نجات از صعوبات نیران و آسانی حساب روز قیامت و دخول جنت سبب تسمیہ است:

خوش بگو اے یار بسم اللہ بگو　　ہر چہ خواہی ز بسم اللہ بگو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الٰہی تو بسم اللہ خاطر شتاب　　تفضل سے کر قلب کا فتح باب
بصیرت مرے دل کے تئیں کر عطا　　سماعت دے ایسی سنوں وہ ندا
محبت عنایت ہو اول مجھے　　کہ تا لا الہ کی لذت ملے
ہدایت مجھے کر رہ راستاں　　کہ اول ہو اوسط سے بہتر عیاں
لطافت مری جان کو ہو حصول　　رہے دمبدم آس پہ رحمت نزول
حلاوت ملے معرفت کا الہ　　جگر نور سے ہوئے معمور شاہ
ہو انجام بالخیر میرا لطیف　　رضا میں رہوں پڑھ درود شریف
حیات ابد دے تری یاد میں　　رہوں محو مولا کے ارشاد میں
پلا بیخودی کا شتابی سے جام　　بنا مست و متوالا اپنا مدام

بچا رکھ بلیات دارین سے مجھے دور رکھ خلق کی دین سے
نہ ضغطہ کی ایذا ہو پروردگار امن چین سے رکھ وہاں کردگار
جہاں میں بہ ایمان رکھ مستقیم لے جائیو ایمان سے یا کریم
عذاب لحد اور عذاب سعیر نگہبان ہو از پرسش منکر نکیر
کہ محشر میں از خاطر مصطفےؐ بہشت بریں میں خوشی سے لے جا
دکھا اپنا بے کیف دیدار ہو ہوا ختم مطلب یہی جستجو
غلام نبی کی بر آئے مراد کرے سجدۂ شکر رب العباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سنو دوستو تم کلام نبیؐ بیاں اُس کو کرتا غلام نبی
فضیلت سنو تسمیہ کی بہ دل کہ تا رحمت حق رہے متصل
فضائل لکھوں تسمیہ کے تمام موافق احادیث خیر الانام

حدیث اول در زہرۃ الریاضؒ قضیہ حضرت داؤد بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ آوردہ است ۔

یہ ارشاد فرمائےؐ خیرالوریٰ جو مومن کہ اخلاص دل سے کہا
ثواب اُس کو حق سات سے سال کا بہ دفتر لکھے جو ہے اعمال کا
کیا جب کہ خالق نے لوح و قلم ۔قلم کو کیا بند صد با کرم
مفاصل ہر یک بند کا دوستدار لکھا ہے سنو سال پنجہ ہزار
نظر ایک ہیبت کی اُس پر کیا اُسی آن میں وہ قلم شق ہوا
تفضل سے اُس وقت آیا خطاب لکھ احوال تا روز یوم الحساب
ہوا حکم بسم اللہ رحمٰن رحیم لکھ سات سو سال میں مستقیم
خطاب آن پہنچا بہ عز و جلال جو بندہ کنیز اُمتی با جمال
کہے تسمیہ ایک دم با صفا اُسے اجر دوں سات سے سال کا

حدیث ثانی روایت است از انس رضی اللہ عنہ :

روایت انسؓ دیکھ تحقیق سے وہ راوی ہیں بو بکر صدیقؓ سے
ابو بکرؓ کہا کر خدا کی قسم کہے مجھ کو فرمائے خیر الامم ؐ
فرشتوں پہ حق نے کیا یوں خطاب کہ شاہد رہو تم سبھی مستطاب
پڑھے جو کوئی تسمیہ سات بار جرائم میں بخشوں ، ہوں آمرزگار
عذاب لحد سے اُسے دوں نجات میں پل سے گزاروں تفضل کے سات

حدیث ثالث روایت از حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ :

روایت علی ولیؓ سے سنو یہ فرمائے حضرتؐ نے اے مومنو

Marfat.com

کہ جل و علا در بہشت بریں — مکاں یک بنایا منور یقیں
اُسے نوریاں کہتے ہیں دار نور — وہ پیدا ہے از نور رب غفور
ارادہ بلا کیف رویت کا ہو — محمدؐ کو یوں حکم رحمت کا ہو
کہ تشریف لائیجے اس دار میں — لے اُمت کو ہمراہ انوار میں
معلق ہوا میں ہے عالی مقام — نہ زینہ اُسے ہے کہ تا ہوں رواں
صحابہؓ کہیں اے رسولؐ ودود — کریں بس روش اُس مکاں پر صعود
یہ فرمائے اس دم رسول کریمؐ — کہیں سارے بسم اللہ الرحمن رحیم
کہ جیسا کہ کہتے ہیں دنیامیں سب — بیک طرفۃالعین پہنچیں گے جب
مشرف بہ دیدار ہوویں تمام — یہ خاطر سے حضرت کے ہے فیض عام

حدیث رابع :

بروز قیامت بیوم نکول — کریں وزن اعمال اُمت رسولؐ
گراں ہو اس اُمت کی رکعت کا بار — سرائیل کی ہوویں رکعت ہزار
سرائیلیاں سب کہیں کبریا — اس اُمت میں کیا چیز ایسی ہے کیا
فضیلت ہو رکعت کی رب اس قدر — نہیں رتبہ ہے الف کو داد گر
اُسی آن مولا سے ہوگا خطاب — ہے یہ برکت تسمیہ مستطاب
محمدؐ کی اُمت شروع نماز — یہ پڑھتی تھی بسم اللہ با صد نیاز
اسی واسطے رتبہ افزوں ہے یہ — یہ احسان حق آج ممنون ہے یہ

حدیث خامس در ریاض المذکرین ؎ آوردہ است :

یہ فرمائے ہیں سید المرسلینؐ — نہ رد ہو دعا ، با اجابت قریں
جو تسمیہ اول دعا کے کہا — وہ بعد اُس کے جو چاہا حق نے دیا

حدیث سادس :

کہے خاتم الانبیاءؐ ایک روز — اخی جبرئیلؑ آئے با صد فروز
تھا ہمراہ یک تحفۂ نامور — رکھے سامنے لا کے میرے نظر
کہا اے محمدؐ ، کہا حق سلام — یہ ہدیہ ہے بعد از سلام کرام
تمہیں اور اُمت تمہاری کے تئیں — یہ بخشا خدا ساز واری کے تئیں
لیا تحفہ اور اُس کے تئیں وا کیا — دیکھا کھول ہے پارہ کاغذ لکھا
ہے بسم اللہ ہی افتتاح کلام — منور بہ انوار نور السلام

حدیث سابع :

کہ محشر کے دن عاصیوں کی ہو صف — ملائک چلیں لے جہنم طرف
کنارے جہنم کے پہنچیں گے جا — در اثنائے دوزخ لیں نام خدا

Marfat.com

تجاوز کرے نار سوزاں وہیں غضب سے کبھی مالک خشمگیں
تو کیوں بھاگتی اُن کے تئیں دے جلا کبھو یہ کیے لئیں جہاں میں بھلا
کبھی ہاویہ مجھ کو طاقت نہیں جلانے کے تئیں استطاعت نہیں
جو لیں نام اللہ کا بار بار سکت نئیں ہے اُن کو جلاوے یہ نار
یہ برکت سے بسم اللہ رحمن کی ہیں افضال کیا کیا وہ سبحان کی

حدیث ثامن :

جو بندہ کبھی تسمیہ بالیقیں پکلتا ہے شیطان مردود دین
کہ جیسا کہ آتش میں حال رخاص کرام اور کاتب کو ہو حکم خاص
لکھو اس کے دیوان میں چار لاک درائج بہشت بریں با تپاک
مٹا دیو اسی قدر کل سیئات محباں ، وظیفہ کرو دل کے سات

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : من کَتَبَ بسم اللہ الرحمن الرحیم فجودہ تعظیماً للہ غفراللہ لہ ما تقدم من ذنبہ و ما تأخر ۔

لکھے جو کہ بسم اللہ پاکیزہ خوب خدا اول آخر کے بخشا زنوب

و قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : ان اللہ تعالی زین السماء بالکواکب والشمس والقمر و زین الملائکۃ بجبرئیل و زین الجنۃ بحورو قصور و زین الانبیاء بمحمد و زین الایام بیوم الجمعۃ و زین اللیالی بلیلۃ القدر و زین الشھور بشھر رمضان و زین المساجد بالکعبۃ و زین الکتب بالقرآن و زین القرآن بہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔

فلک کو کواکب ستی کبریا بہ شمس و قمر اس کو زینت دیا
ملائک کو زینت ہے جبریل سے عدن نیک حوروں کی تجمیل سے
محمدؐ کی ذات مقدس سبب حصول شرف انبیاؤں کو سب
جمعہ کے سبب سارے ایام کو شرافت ہے شش روز کے نام کو
سنوارا ہے راتوں کے تئیں قدر سے مہینوں کو رمضان کے شہر سے
مساجد کی زینب ہے کعبہ سبب کتابوں کو رونق ز قرآن رب
کلام الہیٰ کی زینت تمیم یقیناً ہے بسم اللہ رحمن رحیم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : من قال بسم اللہ الرحمن الرحیم کتب اللہ اسمہ من الابرار و بری من الکفر والنفاق ۔

ہو بسم اللہ خوش جس کی گفتار سے لکھے اسم حق اس کا ابرار سے
بری اس کو کرتا ز کفر و نفاق محبت سے دیتا ہے رب اتفاق

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا قُمتُم فقولوا بسم اللہ الرحمن الرحیم و صلی اللہ علی محمد الملائکۃ فان الناس لا یغتابونکم۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلستم

Marfat.com

فقولوا بسم الله الرحمن الرحیم و صلی الله علی محمد و کل الناس ـ یمنعهم من الغیبة حتی لایغتابون علیکم (؟) .

نشست اور برخاست کے تئیں مدام   ہو تسمیہ لازم درود کرام
نہ مقدور ہے کوئی انسان کا   کہ غیبت کریں فعل شیطان کا
عمرؓ بن خطاب سلطان دیں   روانہ اگر کرتے لشکر کہیں
یہ فرماتے ، ہو تم سے ایذا کسے   سروگوش و دندان اعضا کسے
رکھ اُس جائے پر ہات پڑھنا دعا   کہ پنج بار یا سات ، دے رب شفا

بسم الله الرحمن الرحیم ـ بسم الله الشافی لاحول ولا قوة الاباللہ ـ محمد رسول الله اسکن باذن الله ربی و ربک الله العزیز الحکیم ـ

جو تسمیہ کو شش صد و چہل بار   لکھے با وضو اور رکھے پاس یار
سبھی جا معزز مکرم رہے   خدا کی عنایت سے ہمدم رہے
کریں گے سبھی پیار اُس کو سدا   محبت میں اُس کی امیر و گدا
فتوحات دارین خاطر عمل   عجائب مجرب ہے اور بے خلل
جو پنج شنبۂ اول ماہ ہو   رکھے روزہ اُس روزکوئی لیک خو
کرے غسل بعد از دوگانہ ادا   بہ ہر رکعت الحمد کے بعد یا
پڑھے سو مراتب بہ دل اسم ذات   دو رکعت ہوئے بعد اے خوش صفات
کہ انیس دم تسمیہ ہو نہ شک   کہ الحمد یک آیة الکرسی یک
اور اخلاص نو بار پڑھ با صفا   ثواب اس کا باحضرت مصطفےؐ
چھیاسٹھ پھر اس بعد لکھ نقش پاک   اسے روبرو رکھ بہ شوق و تپاک
۴۴۴۴
چہل چار ، صد چار اور چار ہزار   تو پڑھ اسم الله اے دین دار
لیکن وقت لکھنے کے اکھ جبرئیلؑ   پڑھے فائدہ ہے بہت بے قلیل
زمان و مکاں ہے مقرر شتاب   بسے کار بد سے کرے اجتناب
نہ پرہیز ہے جانتے از حلال   فتوحات اس سے بہت ہو کمال
لیکن نقش یک لاکھ اور پنج ہزار   اگر درمیاں فتح دے کردگار
اسے کر لے اتمام ، ناغہ نہ کر   روپے آئیں ہر روز احدی عشر
جسے نقش ہوں تجھ سے کرلے رقم   ارادہ ترق کا ہونا ہو کم
ملے جب فتوحات تجھ کو سدا   کریجو نیاز رسولؐ خدا
کھلانا بزرگوں تئیں وہ طعام   سخاوت سے بہتر نہیں کوئی کام

Marfat.com

۱۶	۱۹	۲۲	۹
۲۱	۱۰	۱۵	۲۰
۱۱	۱۴	۱۷	۱۴
۱۸	۱۳	۱۲	۲۳

۲۳	۱۸	۲۵
۲۴	۲۲	۲۰
۱۹	۲۶	۲۱

لکھے جو سوا لاکھ اللہ کا نام — طہارت سے قبلہ طرف جو ہو کام
کتر اس کو آٹے میں گولی بندھا — رواں آب میں ماہیوں کو کھلا
عجب کچھ مجرب ہے بس یہ عمل — اسے کر کے دیکھو وہ مشکل ہو حل
شروع اور آخر میں گیارہ درود — ہو خیرات اور نا سخن ہو نمود
بدن میں جو کچھ ہوئے علت کرب — پڑھے یہ دعا ، دور کردیوے رب

اللہ لکل شیٔ اللہ لکل علۃ ـ قال موسی ماجئتم بہ السحر ان اللہ سیبطلہ ان اللہ لا یصلح عمل المفسدین٥

یہ خاتم کے تئیں نقش کر ہر عقیق — رکھ انگشت میں، سحرنا ہو شفیق
نہ لے جا اسے پایخانے میں مات — ہے یہ سحر باطل لیے نیک بات
جو لے نام اس کا معاون ہے وہ — اسی پر حکایت سنو دوستو

آمدن یک گبر زنار دار در بازار برائے خریدن کنیز نیک کردار و اشترا نمودن ـ

کہ یک گبر بد کیش ذات اساس — کیا شہر بغداد میں ، در نخاس
کوئی تا کنیزک کے تئیں وو خرید — پسند آئی کوئی نئیں کیا سب کو دید
کہا ایک دلال نے اے جوان — کنیزک ہے مجھ پاس شیریں زبان
بہت خوبصورت ہے نیکو سیر — بہت با حیا ، با ادب ، با خبر
دو زلف اس کی دام دل و ہوش ودیں — دو آنکھیں تجلی نور متیں
نہیں منہ سے کرتی ہے کچھ بات وہ — کہے اللہ اللہ دن رات وہ
یہ ہر دم قدم اللہ اللہ سخن — اسے دمبدم اللہ اللہ سخن

Marfat.com

کرے جب تلک نا بہ اقدام نام   نہیں پیش قدمی قدم کو مدام
کہا گبر لا دو کنیز عزیز   خریدوں اُسے چاہ سے نیک چیز
گیا ، لایا وہ گوہر پاک کو   دیوالہ کن آتش و خاک کو
نظر کرکے دیکھا بہ عین وداد   کنیزک ہے دل خواہ حسب المراد
لیکن لب ہیں جنبش میں مخفی بہ ذوق   کہا گبر ، کیا ذکر ہے اس کا شوق
کہی میرا خواجہ ہے بے مغز و پوست   مجھے وہ رکھے دوست میں اُسکو دوست
اُسے دمبدم یاد کرتی ہوں میں   اُسی کی محبت میں مرتی ہوں میں
کہا کون ایسا ہے صاحب ترا   کہ دونوں جہاں سے ترا دل پھرا
کہی خواجہ اللہ کریاں بذوق   دو آنکھوں سے ہوں اشک ریزاں بذوق
وہ پیارے کے قرباں میں واری کیجے   مجھے سب سے اب دوستداری کیجے
وہ سنتے ہی اللہ کا پاک نام   جگر جل گیا گبر کا زرد فام
کہا دل میں اب اس کے تئیں لیجیے   گرفتار رنج و تعب کیجیے
کہ تا ہووے موقوف نام خدا   بہا دی خریدار درپے بٹھا
رکھی جب قدم در میں وہ نیک کار   خوشی سات بسم اللہ بولی پکار
سنا جب کہ ہے نام پروردگار   ہوا پیچ میں روسیہ مثل مار
بٹھا اُس کو گھر میں وہاں سے اٹھا   دکان جوہری میں گیا بھی چلا
وہ موتی روشن خریدی کیا   اُس اللہ والی کے تئیں لا دیا
کہا جب کروں گا اسے میں طلب   شتابی سے لا دیجو روشن لقب
وہ اللہ کہہ اُس کے لی ہات سے   رکھی شیشہ اندر اُسے بات سے
ہوئی کام میں اپنے مشغول وہ   گیا گھر میں بدکیش پوشیدہ ہو
وہ گوہر کے تئیں ہات اپنے لیا   اُسے پھینک دریا میں جلدی دیا
ارادہ یہ تھا اُس کے بدلے مدام   اسے مارنا خوب سا صبح و شام
پھرا دیر بعد از کہ عزم مکاں   دیکھا ایک صیاد رنگیں جواں
لے ماہی تازہ کھڑا ہے سعید   دے پیسے اُسے وہ کیا ہے خرید
کہ جب تک کہ بیدار ہوں خواب سے   تو تیار کر رکھ شتابی اسے
محبان ، جسے یاد اللہ کی   ہو آناً فاناً اُسی شاہ کی
تو ہر حال میں حق نگہبان ہے   بھلا کون اب ایسا رحمٰن ہے
شکم پر رکھی جب چھری تیز تر   صدف میں سے نکلا ہے روشن گہر
تعجب ہو یہ دیکھ کر پارسا   اُسے دھو کے شیشے میں راکھی ہے لا
پکا کر رکھی اُس نے ماہی کے تئیں   رہی منتظر خیر خواہی کے تئیں
یکایک ہوا گبر بیدار جب   کہا لاؤ ماہی کے تئیں جلد اب
وہ اللہ کہہ کے لے آئی رکھی   شکم کو دیا خوب سی فربہی
کہ جب کھانا کھانے سے پایا فراغ   ہو شاداں و فرحاں کہا باغ باغ

وہ موتی روشن لے آ اے کنیز | اُٹھی کہہ کے اللہ ، حق کی عزیز
ہنسا اُس کے جانے پہ بے اختیار | کہا دیکھوں اب تیرا پروردگار
رہائی مرے ہات سے کیونکر دے | ہے گوہر کہاں آنے کی ساتھ لے
کنیزک نے شیشہ اُٹھا لائی تب | رکھی گبر کے پیش حسب الطلب
سر شیشہ جس دم کشادہ کیا | چلا اُس کی آنکھوں کو موتی دیا
کیا نعرہ اور غش کا تن پر اثر | گرا ہو کے بے ہوش وہ خاک پر
کنیزک چھڑکتی تھی پانی کے تئیں | کہ پاوے جواں زندگانی کے تئیں
کئی دیر کے بعد آیا بہ ہوش | کہا سن کنیزک ادھر رکھ تو گوش
یہ گوہر کو آیا تھا دریا میں ڈال | یہاں کن نے لایا اسے پھر نکال
عقوبت عوض اُس کے دوں اس قدر | نہ آوے کبھی نام حق جیب پر
کبھی سن کے اللہ ، خاصا جواب | وہ کافر نے زنار توڑا شتاب
زباں کھولا توحید حق کر قبول | وہ الا اللہ بولا محمد رسول
کنیزک کو بولا کہ اے رہ نموں | میں چاہا تھا حق سے تجھے پھیردوں
وہ اللہ نے دین باطل سے اب | مرے مجھ کو پھیرا ، ہوا فضل رب
یہ کہہ ہات میں لے کنیزک کا ہات | رکھا سر کو سجدے میں صدق سات
یہ کہتا تھا ہے بس وہ اللہ نیک | نہیں ایسا واللہ کوئی شاہ نیک
یکایک دیا اُس کو ہاتف ندا | نہ پہچانا تو اس سخن کا صدا
جو آیا مری طرف میں جا دیا | فراموش ہرگز اُسے نئیں کیا

شنیدن حضرت خواجہ خضرؑ از زبان حضرت موسی علیہ السلام "اللہم اجعلنی من اُمت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم".

سنو حضرت خضر سے یہ کلام | میں تھا نزد موسی علیہ السلام
سنا اُن سے میں یہ سخن با ادب | نبیؐ کی تو اُمت سے کر مجھ کو رب
کیا میں نے اُس وقت یہ ہی سوال | کہ دیکھے ہو کیا اے ستودہ خصال
فضیلت شہنشاہؐ کونین کی | اور اُمت کی اُن کی کہو چین کی
کہے یوں میں دیکھا ہوں تورات میں | لکھا نعت سرورؐ کی ہے ذات میں
اور اُمت کا ہے اُن کی وصف تمیم | کہا میں ، کہو اُس سے کچھ اے کلیم
سنو کوئی انجیل و تورات کو | زبور اور صحائف کا ذکر اور ہو
پڑھے اور عمل مرسلوں کا کیا | اگر ایک اُمت شہؐ انبیا
اُٹھے نیم شب ہوئے بیدار وو | کہے اللہ اللہ دل شاد ہو
خدا کی قسم اُس کا اتنا کلام | ہے غالب عبادت پہ اُس کی مدام

(بس یہیں تک اس مثنوی کے اشعار نقل ہوسکے)

Marfat.com

حوالہ جات

۱- عزیز گرامی شعور احمد فاروقی صاحب اور بھائی بشیر اللہ صاحب کو اس مثنوی کے اشعار کی نقل کی زحمت دی تھی - یہ اشعار صرف بسم اللہ الرحمن الرحیم کے فضائل کے سلسلے میں ہیں - افسوس ہے کہ مثنوی کے آخر کے اشعار نقل نہ ہو سکے -

۲- غالب کا شعر ہے :

کہتے تو ہو تم سب کہ بت غالیہ مو آئے
یک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وو آئے

۳- ہاشمی مرحوم کے اردو مخطوطات کی جلد اول کے صفحہ ۳۰۱ - ۳۰۲ میں ڈاکٹری کتابوں کے مترجم میر احمد علی موسوی کا ذکر آتا ہے جو ممکن ہے میر عبدالغفور موسوی دہلوی کی اولاد میں سے ہوں -

۴- پشاور یونیورسٹی کے کتب خانے میں وعظ کی عربی کتاب زہرۃ الریاض (نمبر ۱۰۱۰) کا مخطوطہ محفوظ ہے - اس کے حوالے ملتے ہیں لیکن مصنف کا نام معلوم نہیں -

۵- ریاض المذکرین بھی وعظ کی کتاب رہی ہوگی - تفصیل معلوم نہیں -

۶- سورۃ یونس - ۸۱

Marfat.com

شیخ عبدالحق رحؒ کے چند مکتوبات

○

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۵۲ھ) کے ۶۸ فارسی مکتوبات محفوظ ہیں اور اُن کا اُردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے ۔ یہاں چند مکتوبات کے اقتباسات، موجودہ دَور کے بعض مسائل کی توضیح کے لیے پیش کیے جاتے ہیں ۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی سات مکتوبات اُن کے شیخ خواجہ باقی باللہ قدس سرہ (م ۱۰۱۲ھ) کے نام ہیں، پھر چار مکتوبات شیخ عبداللہ نیازی ① (م ۱۰۰۰ھ) کے نام ہیں ۔ عبدالرحیم خانِ خانان (م ۱۰۳۶ھ) کے نام پانچ ۔ نواب فرید مرتضیٰ خان (م ۱۰۲۵ھ) کے نام گیارہ ۔ اللہ بندہ کے نام پانچ ۔ شاہ ابوالمعالی (م ۱۰۲۴ھ) کے نام آٹھ ۔ اور خود حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے شیخ نورالحق رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۷۳ھ) کے نام چوبیس مکتوبات ہیں ۔ فیضی (م ۱۰۰۴ھ) اور شیخ اسمٰعیل کے نام ایک ایک مکتوب ہے ۔

نفس اور خودی

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ سے حضرت شیخؒ نے حرمین شریفین سے واپسی کے بعد بیعت کی تھی ۔ اُن کے نام سات مکتوبات ہیں ۔ پہلے مکتوب میں سورۃ المائدہ (۱۰۵) کی آیت کی تشریح ہے :-

یَا أَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ .... (یعنی اے ایمان والو، تم صرف اپنی فکر کرو) ۔ حضرت شیخؒ نے اس آیت کے سلسلے میں لکھا ہے کہ حضورِ انور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، (یہ حکم اُس زمانے کے لیے ہے) جب تم بخل و حرص کو لوگوں کا پیشوا (دیکھو) اور خواہشات کا مکمّل اتّباع اور ہر شخص کو اپنی رائے میں پھُولا ہوا دیکھو تو اُس وقت تم صرف اپنی فکر کرو ۔ اور نبیِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ صُحُفِ ابراہیم علیہ السلام میں لکھا ہے کہ "عقلمند پر لازم ہے کہ وہ اپنے زمانے کو جاننے والا اور اپنی زبان کو قابو میں

---

① شیخ عبداللہ نیازی اور شیخ علائی سے سید محمد جونپوری کو بہت تقویت پہنچی تھی ۔ شیخ عبداللہ ۹۵۵ھ میں ہندوستان سے بھاگ گئے تھے، پھر واپس آکر مہدویت سے تائب ہوتے ۔ انھوں نے مُلّا عبدالقادر بدایونی کے سامنے ایک مغل کو پیش کیا جس نے گواہی دی کہ میں سید محمد جونپوری کی وفات کے وقت فراہ میں موجود تھا ۔ اور یہ کہ انھوں نے اس وقت مہدویت کے دعوٰی سے رجوع کر لیا تھا ۔ (تاریخ بدایونی ۔ جلد ۳ صفحہ ۶۶-۶۸)

Marfat.com

رکھنے والا اور اپنی حالت پر توجہ دینے والا ہو اور عقلمند پر ضروری ہے کہ اس کے اوقات چار حصوں میں تقسیم ہوں (۱) وہ وقت جس میں وہ اپنے نفس کا محاسبہ کرے (۲) وہ وقت جس میں وہ اپنے پروردگار سے مناجات کرے (۳) وہ وقت جس میں وہ اپنے ایسے بہی خواہوں سے ملاقات کرے جو اُسے اس کے عیوب بتائیں اور اللہ کے راستے کی طرف رہنمائی کریں اور (۴) وہ وقت جس میں وہ اپنے نفس کو اُس کی جائز اور مباح خواہشوں کو پوری کرنے کے لیے چھوڑ دے۔

فقیر سید وحید الدین نے روزگارِ فقیر (حصہ اول) میں اسی آیت (سورۃ المائدہ) کے سلسلے میں علامہ اقبال سے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک دن پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے علامہ سے براہِ راست یہ سوال کیا "آپ کے فلسفۂ خودی کا ماخذ کیا ہے؟ اور چوں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ خودی کا فلسفہ صوفیائے کرام اور قرآنِ کریم سے ماخوذ ہے، اس لیے میں نے خاص طور پر یہ بات آپ سے پوچھی ہے۔ علامہ نے فرمایا، "ہاں، یہ آیت، استحکامِ خودی پر دال ہے:۔ یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ....."

پانچویں مکتوب میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی فرمائش پر احمد بن ابراہیم واسطی حضرمیؒ کے عربی رسالہ نصرِ محمدی کا فارسی ترجمہ (ملخصاً) ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ توسل و توجہ اور استمداد و ارادت صرف بارگاہِ نبوت سے ہونا چاہیے اور بدعت کے طریقوں سے بچنا چاہیے۔

سماع اور غنا

اسی رسالے میں اور پھر چھٹے مکتوب میں مسئلۂ سماع سے متعلق مفصل بحث ہے اور ایک حدیث کا ذکر ہے کہ "سب سے پہلے نوحہ اور سب سے پہلے گانا ابلیس نے کیا ہے"۔ (موجودہ دور میں یہ بلاہت عام ہے۔ سمجھنے کی ضرورت ہے)۔

شریعت سے دوری

شریعت سے دوری اور گمراہی آج کل عام ہے۔ حضرت شیخؒ اپنے مکتوب ۶۱ میں لکھتے ہیں کہ "گمراہ ہونے کا سب سے بڑا سبب بے صبری اور عدم استقلال ہے اور حکومتِ وقت جو اسلامی اصولوں کے خلاف ہے اُس کے شر و فساد میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مگر جب انسان، خداوندِ کریم پر کامل یقین اور بھروسا کر لیتا ہے تو یہ لوگ پھر ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ میری کیفیت یہ ہے کہ میں حجاز کے سفر سے واپس آکر (یعنی ۱۰۰۰ھ) سے تقریباً ۲۵ سال سے اس شہر (دہلی) میں موجود ہوں، بحمد اللہ ان لوگوں کے شر و فساد سے محض خداوندِ کریم کے فضل و کرم سے محفوظ و مامون ہوں..."۔ (۱) (موجودہ دور کے شر و فساد سے محفوظ رہنے کے لیے کتنی اچھی نصیحت ہے)

---

(۱) مکتوب نمبر ۱۲ میں آپ لکھتے ہیں کہ "یہ فقیر اس شہر (دہلی) میں گم نامی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اول تو لوگ مجھے جانتے نہیں اور جو جانتے ہیں وہ اچھا نہیں سمجھتے"۔

Marfat.com

مسلمان کی تکریم

حضرت شیخؒ نے مکتوب نمبر ۱۹ میں (مکتوب نمبر ۳۳ میں بھی) لوگوں کی خامیوں کو نظر انداز کرنے پر زور دیا ہے، مکتوب ۳۳ کے کچھ الفاظ یہ ہیں :۔

"جو شخص خود کو مسلمان کہتا ہے اُس پر مسلمانی کو اپنانا اور اُس پر عمل کرنا لازمی ہے اور جو اسلام کے راستے پر چلتا ہے اُس کے اندر اگر ہزار عیب بھی ہوں تو بھی چشم پوشی سے کام لیا جائے اور اُس کی عزّت و احترام کو ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے۔ اُس کی عزّت حقیقت میں اسلام کی عزّت ہے۔۔۔"

حضرت شیخؒ کے اس مسلکِ صُلح پر عمل کرنے کی آج بھی بہت ضرورت ہے۔ اس کے برخلاف انھوں نے جو فیضی اور اُس کی جماعت کو سخت ناپسند فرمایا تو ظاہر ہے وہ لوگ کیسے رہے ہوں گے۔ (۲)

درود شریف

رسالۂ فقرِ محمدی (مکتوب نمبر ۵) کا ذکر آچکا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ سے رشتہ مضبوط کرنے کا ایک آسان طریقہ یہ بھی بتایا ہے کہ (بقول حضرمیؒ) "تم ہمیشہ ذکر میں مشغول رہو اور درود شریف کی کثرت رکھو، کیوں کہ جب کسی کو شیخِ مرشد نہ مل سکے تو درود شریف اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کا ایک زینہ ہے"۔ رسالہ فقرِ محمدی میں یہ بات تفصیل سے ہے اور مکتوب ۲۸ میں بھی ہے۔ (۲)

حاضر و ناظر

آج کل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر کہا جا رہا ہے اور دلیل یہ دی جاتی ہے کہ تشہد میں اَیُّھَا النَّبِیُّ پڑھا جاتا ہے۔ حضرت شیخؒ کے زمانے میں بھی اسی طرح کا عقیدہ ظاہر ہوا تھا۔ مکتوب نمبر ۳۸ میں التحیاتُ لِلّٰہِ اور والصلوٰت والطیبات کی تشریح کے بعد آپ نے فرمایا ہے کہ :۔

السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (سلامتی ہو تجھ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت و برکت)۔ اگر کوئی سوال کرے کہ اس جگہ خطاب تو حاضر کے صیغے سے ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر نہیں، تو پھر اس کا

---

(۱) فیضی (م ۱۰۰۴ھ) کے متعلق حضرت شیخؒ نے فرمایا تھا کہ "زبانِ اہلِ دین و ملتِ جناب نبوت را از بُردن نام وے و نام جماعتِ شومِ وے پاک است"۔ فیضی کے بھائی ابو الفضل (م ۱۰۱۱ھ) کا تعلق بھی اسی جماعت سے تھا۔ ڈاکٹر ظہور الدین نے اپنی کتاب ابو الفضل (صفحہ ۸۲) میں اس کے ایک رقعے کا ذکر کیا ہے جس میں اُس نے اپنے مکتوب الیہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی دعا کی ہے۔ لیکن صرف ایک رقعے سے جو فیضی کے انتقال (۱۰۰۴ھ) کے زمانے میں لکھا گیا، یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اُس نے مکتوب الیہ کو خوش کرنے یا اُسے بے وقوف بنانے کے لیے لکھا ہوگا۔ سرسیّد نے بھی اپنے ایک خط نمبر ۱۳۹ میں ایسا ہی کیا تھا۔

(۲) حضرت مجددؒ نے مکتوب (۳/۲۸) میں لکھا ہے "علماء نے فرمایا ہے کہ درود اگر ریا اور سُمعہ سے بھی ادا کیا جائے تو مقبول ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتا ہے، اگرچہ اس کا ثواب درود بھیجنے والے کو نہ ملے"۔ حضرت مجددؒ کا مکتوب ۵۷/۲ بھی دیکھیں۔

Marfat.com

مطلب کیا ہوگا؟ ۔ جواب، اعتراض کا یہ ہے کہ اصل میں ورود اس کلمہ کا، شب معراج میں ہوا ہے۔ اُس وقت نبی علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے صیغۂ حاضر سے خطاب فرمایا تھا۔ انھی الفاظ کو بعینہٖ رکھا گیا اور مراد خطاب سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حاضر ہونا نہیں۔ اسی اشکال کی وجہ سے بعض صحابۂ کرامؓ نے نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام کی رحلت کے بعد ان الفاظ کو ترک کر دیا تھا، مگر جب صحیح وجہ سمجھ میں آگئی تو انھی الفاظ کو مناسب سمجھا گیا۔ (آگے چل کر تشہد کے دوسرے کلمات اور درودِ ابراہیمی وغیرہ کی تشریح فرمائی ہے)۔

اسی کے ساتھ مکتوب نمبر ۹ میں الدین نصیحۃٌ کے ذیل میں نصیحت للہ کے بعد نصیحت لرسول اللہ کی تشریح دیکھنے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں کہ :-

نصیحت لرسول اللہ کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و تعظیم اور محبت و اطاعت کا ہونا،

عبودیت

آپ کو اور تمام انبیاء کرامؑ کو ہر اس عیب و نقص سے پاک سمجھنا جو شانِ نبوت و رسالت کے خلاف ہو۔ آپ کے ادب و احترام کا ضابطہ یہ ہے کہ مرتبۂ الوہیت اور صفاتِ خداوندی کے علاوہ تمام مناقب و کمالات آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے ثابت ہیں ؎

مخواں اورا خدا از بہرِ امرِ شرع و حفظِ دیں
دگر ہر وصف کش می خواہی اندر مدحش املا کن

تمام صوری و معنوی کمالات "عبدہٗ و رسولہٗ" میں داخل ہیں۔ عبودیتِ خاصّہ آپؐ کے ساتھ مخصوص ہے کہ آپؐ کے علاوہ بندۂ حقیقی کوئی نہیں ہو سکتا۔ خدا خدا ہے اور آپؐ بندہ۔ دوسرے تمام بندے آپؐ ہی کے طفیلی ہیں۔ اور عبادات و عادات و اعتقادات میں آپؐ کی سنّت کی اتّباع لازم ہے۔ کیوں کہ جو کچھ بھی آپؐ کی سنّت کے خلاف ہے وہ باطل ہے اور وہ تمام ایجاد کردہ اور ایجاد کی جانے والی چیزیں جن سے سنّت میں تغیّر و مخالفت لازم آتی ہو ضلالت و قابلِ رد ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص ہمارے دین میں ایسی بات ایجاد کرے جو اس میں نہیں ہے وہ مردود ہے" اور فرمایا۔" ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے" صوفیہ کا قول ہے کہ جو دل گرفتارِ بدعت ہے اس میں ہرگز نورِ ولایت داخل نہیں ہو سکتا"۔

حضرت شیخؒ کے تمام مکتوبات، شریعت، طریقت، معرفت اور حبِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ترغیب و تحریص کے لیے ہیں اور ان میں بکثرت ایسے نکات ہیں جو ہماری فلاح و اصلاح کے لیے بے حد مفید ہیں۔ انھوں نے اپنے صاحبزادے شیخ نور الحقؒ کے نام جو مکتوبات تحریر فرمائے تھے اُن میں سے چند اقتباسات یہ ہیں :-

"جب انسان، خداوند کریم کی ذات پر اپنی تمام توجہات کو مرکوز کرتا ہے تو وہ اندھیروں سے نکل کر اُجالے اور پستی سے نکل کر علو اور بلندی کی منازل طے کرتا ہے"۔ (۳۹)

"کوئی چیز مداومت اور استقلال سے زیادہ مؤثر نہیں۔ اس چیز کو مضبوطی سے پکڑ لو، پھر سستی اور کاہلی

Marfat.com

ہماۓ منور ا ہو جائے گی۔" (۴۰)

شرحِ صدر

"شرحِ صدر کے اسباب یہ ہیں :- نورِ ایماں، نورِ توحید، نورِ علم، نورِ محبت، نورِ فکر، نورِ احسان، نورِ شجاعت، نورِ طہارتِ قلب۔ اور ان سب صفات کا مجموعہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔" (۴۱)

"اگر بندہ اللہ تعالیٰ سے اُس کی ذات کے علاوہ کسی اور چیز کو لے کر اُسی پر اکتفا کر لیتا ہے تو وہ اس شخص کی نسبت خسارے میں ہے جس نے اللہ سے اللہ کی ذات اور اس کی رضا کا مطالبہ کیا۔" (۴۲)

"اخص الاخص لوگوں کے نزدیک عافیت، سکونِ قلب اور تعلق مع اللہ کا نام ہے۔" (۴۳)

فنائے نفس

"نفس کو چھوڑنے سے مُراد یہ ہے کہ اس کی صفات کو چھوڑ دیا جاتے جو بغض، عداوت، ریا، کینہ، حسد، ناز و نخوت وغیرہ ہیں۔ (۱) ..... فنائے نفس کا یہ مطلب ہے نہ وہ جیسا آج کل بے دین لوگ کہتے ہیں کہ ہمہ اوست اور اُس پر طرّہ یہ کہ اس کا نام توحید رکھتے ہیں اور شریعت کے اوامر و نواہی کا ذرّہ برابر خیال نہیں کرتے .... یہ فنائے نفس نہیں بلکہ اتباعِ نفس ہے"۔ (۴۵)۔

نصائح

مکتوب نمبر ۶۶ میں حضرت شیخؒ نے ستر نصیحتیں لکھی ہیں جو ہر شخص کے لیے ہر زمانے میں مفید ہیں:

(۱) اے عزیز، اللہ کے بغیر کسی پر اعتماد نہ کر، تاکہ پشیمان نہ ہو (۲) اللہ سے غافل نہ ہو، ورنہ شیطان مسلط ہو جائے گا۔ (۳) غرور نہ کر، تاکہ ہلاک نہ ہو سکے۔ (۴) دل کو غیر اللہ کے خیال اور محبت سے خالی کر، تاکہ آرام پا سکے۔ (۵) اللہ کے کاموں میں لگ جا، تاکہ اللہ تیرے کام سنوار دے۔ (۶) دنیا کے کاموں میں معمولی اہتمام کر، جو تیرے لیے کافی ہو۔ (۷) کسی کے عیب نہ دیکھو، تاکہ تم اُس عیب میں مبتلا نہ ہو۔ (۸) سختیوں میں صبر کر، تاکہ فراخی دیکھے۔ (۹) تمام سے نا امید نہ ہو، تاکہ تیری امید پوری ہو جائے۔ (۱۰) ریا نہ کر، تاکہ اخلاص پائے۔ (۱۱) ہر کام کو خلوص نیت سے کر، تاکہ فی الفور اس کی جزا پائے۔ (۱۲) دنیا کی خواہش نہ کر، تاکہ تیری دولت تباہ نہ ہو۔ (۱۳) قناعت کر، تاکہ محنت سے چھوٹ جائے۔ (۱۴) کسی کو تکلیف نہ دے، تاکہ تجھے کوئی تکلیف نہ دے۔ (۱۵) کسی سے کینہ نہ کر، تاکہ تجھ سے لوگ کینہ نہ کریں۔ (۱۶) کسی کو حقارت سے نہ دیکھ، تاکہ تجھے لوگ حقارت سے نہ دیکھیں۔ (۱۷) دنیا کی طرف سے غمگین نہ ہو، تاکہ غم سے نجات پائے۔ (۱۸) تمام سے جدائی اختیار کر کے خدا سے محبت کر۔

---

(۱) مکتوب نمبر ۶۱ میں ہے کہ "درویشی تو خاکساری، عاجزی، تواضع، انکساری اور اپنے کو برباد کر دینے کا نام ہے، نہ جنگ و جدل کا نام درویشی ہے۔"

Marfat.com

(۱۹) کل کے کام پر غمگین ہو کر امیدوں کو خراب نہ کر۔ (۲۰) موت کو ہمیشہ یاد رکھ تاکہ تیرا دل دنیا سے بیزار رہے۔ (۲۱) گناہوں کو ترک کر کے حلال کی نعمت کا متمنی بن۔ (۲۲) کسی پر توقع نہ رکھ تاکہ باعزت رہے۔ (۲۳) عاجزی کر کے بزرگی تک رسائی حاصل کر۔ (۲۴) اللہ کا شکر گزار بندہ بن کر دین و دنیا کی نعمتوں سے مالا مال ہو جا۔ (۲۵) بے خوف نہ رہ اگر امان چاہیے۔ (۲۶) ساتھ حق کے ہمیشہ رہ اگر دولت جاودانی چاہیے۔ (۲۷) بزرگوں کی خدمت کر کے بزرگی کے مراحل طے کر۔ (۲۸) صبر کو ہاتھ سے نہ جانے دے اگر عافیت چاہیے۔ (۲۹) اگر دولت چاہیے تو دل والوں کا دامن پکڑ۔ (۳۰) اگر منزل تک بغیر تھکاوٹ کے پہنچنا چاہتا ہے تو آہستہ آہستہ چل۔ (۳۱) دنیا والوں سے پرہیز کر تاکہ تیرا دل سیاہ نہ ہو جائے۔ (۳۲) ہمت کو ہمت سے نعمت بڑھتی ہے۔ (۳۳) حرص سے بچ تاکہ ذلیل نہ ہووے۔ (۳۴) اگر قیمتی ہونا چاہتا ہے تو اپنے کردار کو قیمتی نہ سمجھ۔ (۳۵) اگر معرفت رکھتا ہے تو کسی کے عیب مت دیکھ۔ (۳۶) کسی چیز کے فکر میں نہ رہ اگر آزادی چاہیے۔ (۳۷) مسکین بن تاکہ مقبول ہووے۔ (۳۸) کام کو اخلاص سے کر تاکہ آخر کار پشیمان نہ ہووے۔ (۳۹) جب تو فارغ ہووے تو دوسروں کے کام کر۔ (۴۰) تمام کے ساتھ نرمی کر اگر دشمنوں سے نجات چاہیے۔ (۴۱) غریب لوگوں پر رحم کر تاکہ کامیاب ہووے۔ (۴۲) کام کو سوچ سمجھ کر کر تاکہ اس میں عجلت کرنے سے شیطان کو راستہ نہ ملے۔ (۴۳) دوسروں کو اپنے سے بہتر جان۔ (۴۴) سختی کو ترک کر دے تاکہ تیرے تمام دشمن نہ ہوں۔ (۴۵) اللہ کو یاد کر تاکہ تیرا دل ویران نہ ہووے۔ (۴۶) دنیا کی طرف مت دیکھ تاکہ اندھا نہ ہووے۔ (۴۷) اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کر کے عاصی نہ ہو۔ (۴۸) ہر ایک کے ساتھ مت بیٹھ تاکہ تباہی سے بچ جاوے۔ (۴۹) اگر لذت کا طالب ہے تو لذّت کو ترک کر دے۔ (۵۰) انصاف کر اور ظالم نہ بن۔ (۵۱) اور کام وہ کر جس کو اللہ پسند کرے۔ (۵۲) بیہودہ فکر کو دل سے دور کر تاکہ پریشان نہ ہووے۔ (۵۳) دوستی وہ بہتر ہے جو خدا کے لیے ہووے۔ (۵۴) اپنا کام کسی کو مت کہہ اگر عزیز بننا چاہیے۔ (۵۵) طمع کو دل سے نکال دے اگر محتاج نہیں ہونا چاہتا۔ (۵۶) کسی کی بے سوچے سمجھے تعریف نہ کر ہو سکتا ہے کہ وہ تیری تعریف کے خلاف ہو اس لیے کہ تو نے اس کا انجام دیکھے بغیر اس کی تعریف کر دی۔ (۵۷) اپنی حاجتیں اللہ سے مانگ۔ (۵۸) اگر ہدایت پانا چاہتا ہے تو تمام اوقات اللہ کی یاد میں صرف کر دے۔ (۵۹) اگر تو غیرت مند ہے۔ تو بیگانوں کو گھر میں مت گھسنے دے۔ (۶۰) شب بیدار رہ اگر محبّت کی بو چاہیے۔ (۶۱) نفس کو اپنے کام میں لگا تاکہ وہ تجھے اپنے کام نہ ڈال دے۔ (۶۲) اگر اپنے عیبوں کا مشاہدہ کرنا چاہتا ہے تو لوگوں کے عیبوں سے چشم پوشی کر۔ (۶۳) خاموش رہ۔ (۶۴) اپنے کام کو پوشیدہ رکھ، اگر اُسے قیمتی بنانا ہو۔ (۶۵)

Marfat.com

اللہ کے دوستوں سے دوستی کر، تاکہ آخرت میں فائدہ اٹھائے۔ (۶۶) کسی چیز کے ساتھ قرار نہ پکڑ اگر خدا سے محبت رکھتا ہے۔ (۶۷) اگر تو نفع ونقصان کو نہیں جانتا تو پریشان نہ ہو۔ (اللہ کے سپرد کر) (۶۸) خود کو ایک چھوٹا سا قطرہ سمجھ، اگرچہ تو دریا کی مانند ہی کیوں نہ ہو۔ (۶۹) گداگروں کے ساتھ رہ، اگرچہ تو بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔ (۷۰) خود پسند نہ ہو، اگر پسندیدہ ہونا چاہیے۔

حضرت شیخؒ کے یہ اقوال ہر زمانے اور ہر معاشرے کے لیے مفید ہیں اور اصلاحِ نفس کے لیے بے حد ضروری ہیں۔

رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ (آمین)

Marfat.com

دیوانِ قطب الدّین

حضرت قطب الدین بختیار کاکی قدس سرّہ (م ۶۳۲ھ) سے منسوب فارسی دیوان، جو بارِ دوم ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء میں لکھنؤ سے شائع ہوا تھا، اُس کے آخر میں عبارت اس طرح ہے:

"چون نسخۂ صحیحۂ دیوانِ متبرک بتفحص تمام دستیاب شد آن را از مغتنماتِ لاریبی انگاشتہ برای افاداتِ خواص و عوامِ انام، ابرِ نیسانِ ہمت و مروّت، سرچشمۂ دانش و فتوت، جناب منشی نولکشور صاحب دام اقبالہ بذلِ ہمت فرمودہ بکتابتِ کاتبِ خوشنویس نولیسِ فہیم صاحبِ استعداد و ذہنِ سلیم منشی بخیر پرشاد صاحب مینجر مطبع اودھ اخبار رخصت داد۔ امّا در حالتِ کتابت برثبوتِ سندِ دیوانِ موصوف و برشیوعِ اثرِ تصرفِ اہلِ باطن احوالے قابلِ استماعِ مستمعین بر روی کار آمد۔ یعنی در مطلعِ سرِ دیوان کہ ؎

ای لال در ثنای صفاتت زبانِ ما
ای در صفاتِ وحدتِ تو لال عقلِ ما

خوشنویسِ فہیم را در کتابتِ تکرارِ قافیہ مفہوم شد، جایش خالی گذاشتہ بتحیّر ماند۔ بالآخر بخدمت استاذ الشعراء جناب آفتاب الدولہ بہادر قلق ① رفتہ ماجرا عرض کرد، فرمود کہ این کلام اہلِ ظاہر نیست کہ دخل را شاید، بلکہ کلام اہل اللہ و صاحبِ باطن عالی شان است، مبادرت بہ تصرف روا نبود و مینجر صاحب را ہمراہ گرفتہ بحضورِ مرشدِ خویش عالمِ علوم صاحبِ مذاق مولانا مولوی محمد عبد الرزاق صاحب ② دام فیضہ کہ از آنحضرت ارادت و بیعت داشتند باہمی حاضر آمدہ باصد خضوع این مقامِ مشتبہ را وا نمودند۔ ہم آن دم حضرت مولانا فرمود کہ توقف کنید و خود اندرونِ حجرہ پا نہادند و بعد ساعتے برآمدہ فرمودند کہ حضرت خواجہ مصرعِ ثانیِ مطلع چنین فرمودہ کہ:

ع وی در صفاتِ وحدتِ تو عقل نارسا

چنانچہ ہمان لفظ نوشتہ شد۔ فی الجملہ دیوانِ متبرک موصوف بمزید استبدادِ شائقین تیمناً و تبرکاً بہ صحتِ ما امکن بارِ دوم در مطبع عالی بمقام لکھنؤ محلہ حضرت گنج در کوٹھی خاص مالکِ مطبع بماہ اگست ۱۸۸۲ء مطابق ماہ

---

① ۱۲۹۶ھ میں آفتاب الدولہ قلق کی مثنوی طلسم الفت خود اُن کی تصحیح سے شائع ہوئی تھی۔ اس لیے ظاہر ہے کہ اس کے بعد انتقال ہوا ہوگا۔ دیکھیں ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی کا مقالہ "لکھنؤ کا دبستان شاعری"، صفحہ ۲۸۵ (علی گڑھ، ۱۹۴۴ء)۔

② مولانا عبد الرزاقؒ سے مولانا حسرت موہانی (ولادت ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء) نے سب سے پہلے بیعت کی تھی، پھر اُن کے صاحبزادے مولانا عبد الوہابؒ سے بیعت کی۔ دیکھیں پروفیسر عبد الشکور کی کتاب "حسرت موہانی" صفحہ ۳۵-۳۷ (آگرہ، ۱۹۴۶ء)۔

Marfat.com

رمضان ۱۲۹۹ھ بہ رونق انطباع برآراستہ گردید۔ فقط۔"

اس عبارت میں ہے کہ مولانا عبدالرزاق نے فرمایا کہ "حضرت خواجہ مصرع ثانی مطلع چنیں فرمودہ۔" میرا خیال ہے کہ یہاں "فرمودہ باشند" ہوگا۔ یعنی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ نے ایسا فرمایا ہوگا۔ بات دراصل یہ ہے اہل اللہ (حتی الامکان) کشف کی بات کا اظہار نہیں کرتے اور اگر کرتے ہیں تو اُسے خواب سے تعبیر کر دیتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ صوفیہ کو اور بالخصوص چشتی صوفیہ کو شاعری سے بہت مناسبت تھی۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کو بھی شعر سے مناسبت تھی بلکہ اُن کا وصال بھی احمد جامی (م ۵۳۶ھ) کی ایک غزل کے اِس شعر کے سماعت فرمانے پر ہوا تھا کہ:

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را — ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ (م ۶۳۳ھ) کی زبانِ مبارک سے جو اشعار ادا ہوئے تھے، اُن کا ذکر دلیل العارفین میں آتا ہے۔ فوائد السالکین میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کی زبانِ مبارک سے ادا ہونے والے اشعار میں ایک مثنوی کا ایک شعر ہے (صفحہ ۸) جو کسی درویش سے انھوں نے سُنا تھا اور ایک رباعی (صفحہ ۲۷) کا ذکر بھی آتا ہے۔ مثنوی کا وہ شعر یہ ہے:

ہر آں مُلکے کہ واپس می گذارم — دو صد مُلکے دگر در پیش دارم

اور رباعی یہ ہے:

ذکرِ خوش تو ز ہر دہنی می شنوم — شرحِ غمِ تو ز خویشتن می شنوم
گر ہیچ نہ باشد کہ یکے منشانم — تا نامِ تو می گوید و من می شنوم

اور راحت القلوب (صفحہ ۳۱) میں ہے کہ بابا فرید شکر گنج قدس سرہ (م ۶۶۸ھ) نے یہ شعر حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہ سے سُنا تھا:

گر نیک توام از ایشاں گیرند — ور بد باشم مرا بہ ایشاں بخشند

اسرار الاولیاء (صفحہ ۶) میں بھی ایک شعر ملتا ہے جو حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہ کی زبانی سُنا گیا تھا:

تا نفس من ز عشقِ دوست زدم — خاست از ما بسے دوئی جز دوست

صفحہ ۹ میں بھی چار اشعار اُن کی زبانی مروی ہیں۔ پہلا شعر یہ ہے:

من آں نیم کہ ز عشقِ تو پائے پس آرم
اگر بہ تیغ کشندم درِ تو نگزارم ...

صفحہ ۲۸ میں بھی ایک شعر کے اُن کی زبانِ مبارک سے سُنے جانے کا ذکر ہے:

دیدہ کو جمالِ دوست جوید — تا بود زندہ، مبتلا باشد ①

صفحہ ۵۵ میں ایک رباعی بھی ہے جو اُن سے سُنی گئی تھی:

---

① مطبوعہ دیوان میں ایک غزل اسی زمین میں ہے اور اس طرح شروع ہوتی ہے: ہر کہ از خویشتن فنا باشد — با خدائے خود آشنا باشد
اِس دیوان کی کئی غزلیں قوالوں نے حضرت قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ سے منسوب کر دی ہیں۔ یہ غزل بھی:
شب نیاید خواب اندر دیدہ بیدارِ من — شب ہمہ شب زانکہ باشد فکرِ عشقش کارِ من

اصل ہمہ عاشقی ز دیدار آید   چون دیدہ بدید آنگہ درکار آید
در دام بلا نہ مرغ بسیار آید   پروانہ بشمع نور در نار آید

ان اشعار کا ذکر صرف اس لیے کیا گیا ہے کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کو بھی اشعار سے خاص مناسبت تھی۔ لیکن مطبوعہ دیوان جو آپ سے منسوب کیا گیا ہے وہ آپ کا نہیں ہوگا۔ اس کے اسباب یہ ہیں :

اس مطبوعہ دیوان میں ۱۷۴ غزلیں اور ۸۹ رباعیاں ہیں۔ غزلیں بڑی تعداد میں حضرت حافظ شیرازیؒ (م ۷۹۱ھ) کے تتبع میں ملتی ہیں یا اُن کی زمینوں میں ہیں۔

(الف) حافظ فرماتے ہیں: دل میرود ز دستم صاحب دلاں خدارا
دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا

اس دیوان میں ہے: عقل از سرم رمیدہ مجنوں شدم خدارا
زنجیرِ زلفش آرید بر پا نہید مارا

(ب) حافظ کی ایک غزل اس طرح شروع ہوتی ہے:
ساقی بنورِ بادہ برافروز جامِ ما
مطرب بگو کہ کارِ جہاں شد بکامِ ما

دیوان میں ہے: تا عکسِ روئے یار در افتد بجامِ ما
ساقی بیار جامِ مئے لعلِ فامِ ما

(ج) حافظ فرماتے ہیں: صبح دولت می دمد کو جامِ ہمچوں آفتاب
فرصتے زیں بہ کجا یابم، بدہ جامِ شراب

دیوان میں ہے: گر ہمی خواہی براندازد نگار از رخ نقاب
از خودی بگریز تا بینی جمالِ بے حجاب ①

(د) حافظ فرماتے ہیں: روشن از پرتوِ رویت نظرے نیست کہ نیست
منتِ خاکِ درت بر بصرے نیست کہ نیست

دیوان میں ہے: خالی از نشۂ ذوقِ تو سرے نیست کہ نیست
کشتۂ عشقِ تو در رہ گذرے نیست کہ نیست ②

(ہ) حافظ فرماتے ہیں: کارم ز دورِ چرخ بہ سامان نمی رسد
خوں شد دلم ز درد بہ درماں نمی رسد

دیوان میں ہے: دردیست در دلم کہ بدرماں نمی رسد
راہیست پیشِ من کہ بہ پایاں نمی رسد

---

① حافظ کی غزل ہے: تعالی اللہ چہ دولت دارم امشب   کہ آمد ناگہاں دلدارم امشب
دیوان میں بحر تو مختلف ہے: بے خود از بادۂ یارم امشب   نیست آرام و قرارم امشب
② حافظ کی غزل ہے: دردِ ما را نیست درماں الغیاث   ہجر ما را نیست پایاں الغیاث
دیوان میں بحر مختلف ہے: سوخت جانم از غمت اے شاہِ خوباں الغیاث   الغیاث از آتشِ جاں سوزِ ہجراں الغیاث

Marfat.com

(و) حافظ فرماتے ہیں: ؎ ہر کرا با خطِ سبزت سرِ سودا باشد
پای ازیں دائرہ بیروں ننہد تا باشد

دیوان میں ہے: ؎ ہر کہ اورا بجہاں دیدۂ اعمیٰ باشد
نزدِ اہلِ سخناں ناقص و رسوا باشد

(ز) حافظ فرماتے ہیں: ؎ یوسفِ گم گشتہ باز آید بہ کنعاں غم مخور
کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور

دیوان میں ہے: ؎ اے دل ار دوری تو از دیدارِ جاناں غم مخور
دردِ تو شاید رسد روزے بہ درماں غم مخور

(ح) حافظ فرماتے ہیں: ؎ عید است و موسمِ گل و یاران در انتظار
ساقی بروئے شاہ ببیں ماہ و مے بیار

دیوان میں ہے: ؎ ساقی بیار بادۂ گلرنگ بے خمار
زاں مے کہ باشد او ز مئے جامِ عشقِ یار

(ط) حافظ فرماتے ہیں: ؎ بر نیاید از تمنای لبت کارم ہنوز
بر امیدِ جامِ لعلت دُردِ آشامم ہنوز

دیوان میں ہے: ؎ در ازل یک رہ ترا دیدم طلب گارم ہنوز
نیست ممکن کز جمالت دیدہ بردارم ہنوز

(ی) حافظ فرماتے ہیں: ؎ فکرِ بلبل ہمہ آنست کہ گل شد یارش
گل در اندیشہ کہ چوں عشوہ کند در کارش

دیوان میں ہے: ؎ ہر کرا از ستمِ یار بود آزارش
ذوق و شوقے نبود در دلِ او از یارش

اس طرح بکثرت غزلیں حافظ کی زمینوں میں موجود ہیں۔ اس لیے ظاہر ہے کہ دیوان کے مصنف ضرور حافظؒ کے بعد ہوں گے۔

- پھر بعض اشعار بھی حافظ شیرازیؒ وغیرہ کے مضامین سے قریب ہیں؛ مثلاً

حافظ فرماتے ہیں: ؎ ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

دیوان میں ہے: ؎ ہرگز نمیرد آنکہ شود مستِ جامِ عشق
آں کس کہ مستِ عشق بود جاوداں بود

حافظ فرماتے ہیں: ؎ آنہا کہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

دیوان میں ہے: ؎ صاحب دلے اگر نظرے سوی ما کند
مسِ وجودِ ما ز نظر کیمیا کند

حافظ کا ایک مشہور شعر ہے: ؎ مباش در پےِ آزار و ہرچہ خواہی کن
کہ در شریعتِ ما غیر ازیں گناہے نیست

Marfat.com

دیوان میں ہے: ؎ عزیزِ من بشنو یک سخن ز قطب الدین
مباش در پئے آزارِ بندگانِ خدا ؎ (1)

امیر خسرو (م ۷۲۵ھ) کا مشہور شعر ہے:
؎ از سرِ بالینِ من برخیز اے نادان طبیب
دردمندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست

دیوان میں ہے: ؎ رو طبیبا از سرِ بالینِ من، زحمت مکش
زانکہ بیمارِ غمِ اورا دوای دیگر است

امیر خسرو کا مشہور شعر ہے:
؎ جان ز تن بُردی و در جانی ہنوز
دردہا دادی و درمانی ہنوز

دیوان میں ہے: ؎ دلبرے دارم کہ رایم رای اوست
در میانِ جانِ شیرین جای اوست

کسی کا مشہور مصرع ہے: ع شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

دیوان میں ہے: ؎ در رہگذارِ جاناں ہر روز آیم از جاں
شاید کہ شاہِ خوباں بنوازد این گدا را

ناصر علی سرہندی (م ۱۱۰۸ھ) کی رباعی ہے:
؎ پیش از ہمہ شاہانِ غیور آمدہ، ہر چند کہ آخر بظہور آمدہ
اے ختمِ رسل، قرب تو معلوم شد دیر آمدہ، ز راہِ دور آمدہ

دیوان میں ہے: ؎ گرچہ بصورت آمدی بعد از ہمہ پیغمبراں
امّا بہ معنی بودہ، سرخیلِ جملہ انبیاء

لیکن اس شعر کا مضمون ایسا نہیں کہ تتبع یا توارد کہا جا سکے۔

حضرت سعدیؒ (م ۶۹۱ھ) کا مشہور شعر ہے:
؎ خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

اور بابر (م ۹۳۷ھ) کا شعر ہے:
؎ نوروز و نوبہار و مے و دلبرے خوش است
بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

دیوان میں ہے: ؎ پیش از اجل بکوش و غنیمت شمار عمر
عمرِ عزیز زانکہ کسے را دوبارہ نیست

---

(1) گلزارِ ابرار، غوثی (اردو ترجمہ، صفحہ ۳۱۳) میں اس سلسلے کا ایک اچھا شعر ملتا ہے:
؎ نیازارم ز خود ہرگز دلے را
کہ می ترسم درو جاے تو باشد

Marfat.com

کتاب دلیل العارفین میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ کے ملفوظات ہیں جو حضرت قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ نے جمع کیے ہیں۔ اس کتاب کی مجلس ہشتم میں جو اوراد ہیں وہ حضرت قدس سرہ کے قول کے مطابق ان کے خواجگانِ سلسلہ کے معمولات میں سے ہیں۔ اُن کی تفصیل ہے اور مجلس نہم میں یہ بھی ہے کہ "خواجگانِ چشت" کے خاندان میں بعض نے پندرہ درجے مقرر کیے ہیں جن میں پانچواں درجہ کشف و کرامت کا ہے۔ ہمارے خواجگان فرماتے ہیں کہ جب تک پندرھویں درجے تک نہ پہنچ جائے اپنے تئیں ظاہر نہ کرے، پھر کامل ہوگا۔

لیکن اس دیوان میں اس طرح ہے:

سالک بیا کہ رمزے گویم ز کار دانان — روشن کنم بیابان از راہِ اہلِ عرفان
این راہ را نشانے از ہر مقام گویم — توفیق گر ببخشد پروردگارِ خلقان
زین راہ آمدی تو اینست قدرتِ یار — لیکن بشد فراموش پُر نور راہِ ایشان
امروز گر نہ کردی زنہار عبور بے شک — فردای روزِ محشر حسرت بود بکیوان
آن گاہ طورِ دل دان گویم از و نشانے — گاہے شگوفہ بینی گہ میوہ ہای الوان
گاہے تو آب بینی گہ جانہای روشن — گاہے ستارہ باشد گہ مہر و مہ درخشان
پس بعد سرِّ طور است یعنی ز سرِّ باطن — یابی از و نشانہا از ہر چہ ہست پنہان
ہر چیز حضرتِ حق در عالم آفریدہ — باشد تمام آنہا در اندرونِ انسان
زانہا دگر نشانے در نفس خود بیابی — باید کہ ہمچو مردان دائم حذر کنی زان
گہ حالِ زندہ دانی گہ حالِ مردگان را — بے پرتوِ جمالے زینہا عبور نتوان
برشو دگر ببالا یک یک مقام میرو — سیرے بکن چو مردان بالای چرخ گردان
اندر مقامِ ہشتم کان را بود خفی نام — شاید خوری چو مردان جامے ز آبِ حیوان
در وے چو حفظ آری از خویشتن بمیری — وانگاہ زندہ گردی از اسمہاے جانان
طورِ خفی چو دیدی از خویش وا رہیدی — رنجے اگر کشیدی گشتی ز اہلِ عرفان
خاصیتش بگویم لیکن محال باشد — آنجا بشو چو مردان موصوفِ اسمِ رحمٰن
ہر اسم را مسمّیٰ آنجا پدید آید — اندر غلط نباشی از روی عقل می دان

ایسے تیس اشعار ہیں۔ ممکن ہے کہ اصل نسخے میں ان سے زیادہ رہے ہوں۔ اوپر کے بارھویں شعر میں سلوک کے مقامِ ہشتم کو خفی کہا گیا ہے۔ یہ بات دلیل العارفین یا چشتیہ سلسلے کی دوسری کتابوں میں نہیں ملتی، بلکہ دوسرے سلسلوں میں بھی خفی کا یہ مقام نہیں ہے۔ (۱)

دیوان میں تصوف کی بعض اصطلاحات بھی ملتی ہیں، مثلاً تنزلات کا ذکر ہے کہ:

اے قطبِ دیں تو تکیہ مکن بر سلوکِ خویش
می دار ترس در دلِ خویش از تنزلات

---

(۱) نقشبندی سلسلے میں یہ مقام چہارم ہے۔ دیکھیں مولانا زوّار حسین رح کی عمدۃ السلوک، حصہ دوم، صفحہ ۱۳۷ (کراچی، ۱۳۷۹ھ)۔

Marfat.com

تنزّلات یا نزولات در اصل توحیدِ وجودی کا ایک عنوان ہے۔(۱) دیوان میں اس توحیدِ وجودی (ہمہ اوست) کی تائید بھی ہے:

ہمہ اوست در دیدہ اہلِ دید — دگر نقشِ کون و مکاں چیست ہیچ

نقشبندیہ سلوک کی ایک اصطلاح "سفر در وطن"(۲) کا ذکر بھی دیوان میں ہے لیکن اس طرح ہے:

ہر کو سفر نہ کرد بملکِ وجودِ خویش — حالاتِ ملکِ باطن و لطفِ سفر مپرس

نقشبندی سلوک میں اندراج النہایت فی البدایت، سیر الی اللہ ہے جو حضرت بہاء الدین نقشبند بخاری قدس سرہٗ (م ۷۹۱ھ) سے شروع ہوا(۳) دیوان میں ہے:

صد سال اگر وصفِ جمالِ تو کند کس — ہرگز نہ رساند بدایت بہ نہایت

شاید اسی وجہ سے حسین بن منصور حلاجؒ (م ۳۰۹ھ) کے مسلک کے متعلق دیوان میں ہے:

خامے کہ زند دم از اناالحق — بر دار زنیش ہمچو حلاج

قطرۂ منصور در بحرِ تو گم ناگشتہ بود
زد اناالحق تا بری روزے ورا بردارِ خویش(۴)

صاحبِ دیوان کو اپنے سلسلے پر ناز ہے۔ فرماتے ہیں:

چوں ایں طریق خاص مسلسل بہ مصطفیٰؐ ست
عشاق چنگ در روشِ قطبِ دیں زنند

اور اس کے حصول کے لیے وہ ایک شیخ کامل کی نظرِ کرم پر یقین رکھتے ہیں:

در عمرِ خویش تجربہ کردیم ہیچ کس — بے لطفِ یک عزیز، عزیزِ خدا نہ رفت

اور اس عزیز ہی کے ذریعے عشق حاصل ہوتا ہے جو ہر چیز سے بے نیاز کر دیتا ہے:

ما را بغیرِ عشق، نہ مذہب نہ ملت است
داند کسے کہ گوش کند داستانِ ما

ما را مزن تو طعنہ بہ رندی و عاشقی
ما از برای عشقیم و عشق از برای ما(۵)

پیر کی تعلیم یہ تھی کہ: مرا ز پیرِ طریقت ہمیں سخن یاد است
کہ رست از دو جہاں ہر کہ از خود آزاد است

از علائق سربسر مہرِ دلِ خود را ببر
زانکہ در کوئش نیابد رہ کسے کو مرد نیست

اور اس مرد کی شان یہ ہے کہ: زمین و آسماں نبود حجابِ روی آں سالک
کہ از نعلینِ مردے گردِ او را بر جبیں باشد

---

(۱) توحیدِ وجودی کا ایک عنوان نزولات (یا تنزّلات) خمسہ (یا ستہ) ہے۔ یعنی ذاتِ احدیت اور انسان کے درمیان نزولاتِ ذات پانچ ہیں اور چھٹے مرتبے میں حضرتِ انسان ہے جو ان پانچوں مراتب کا مظہر ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں مولانا زوّار حسینؒ کی عمدۃ السلوک، حصہ دوم، صفحہ ۷۷ تا ۸۵ (کراچی ۱۳۷۹ھ)۔
(۲) یہ سلوکِ نقشبندیہ کی آٹھ اصطلاحات میں سے ایک ہے۔ یہ حضرت عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۱۷ھ) کی قائم کردہ اصطلاحات ہیں۔
(۳) دیکھیں مولانا زوّار حسینؒ کی کتاب (ایضاً)، صفحہ ۹۷-۹۹، نیز مکتوباتِ امام ربانی قدس سرہٗ ۲/۲م، ۴۳م۔
(۴) اکبر الٰہ آبادی کہتے ہیں: حضرت منصور انا بھی کہہ رہے ہیں حق کے ساتھ — دار تک تشریف لے آئیں گر اتنا ہوش ہے
(۵) عشق سے متعلق بہت اشعار اور متعدد غزلیں ہیں، مثلاً صفحہ ۲۷، ۷م، ۸م، ۵۱ وغیرہ۔ ایک شعر ہے:
عشق آمد و تیغ تیز در دست — بر ہر کہ زدش ز خویش وا رست

Marfat.com

"پندار" سے ان کو نفرت تھی ۔ جگہ جگہ اس کے خلاف لکھا ہے :

ع پردۂ پندار دور افگن ز سر گر طالبی — کآدمی را ہیچ چیزے بدتر از پندار نیست

ع از پئے پندار بردن آکہ بینی وصلِ دوست — پیشِ رویش قطبِ دیں این چہرۂ پندار نیست

ع عنکبوتے ست کہ بر روی خودش پردہ تند — ہر کجا در پئے پندارِ خودش بوالہوس است

اسی لیے وہ ایسے نمازی کو بھی نمازی نہیں سمجھتے جو پندار رکھتا ہو اور نیاز (خلوص) سے خالی ہو ۔ بارہا فرماتے ہیں :

ع زہّاد را نیاز نہ باشد، نماز چیست — فارغ ز دردِ عشق چہ داند نیاز چیست

ع نزدِ خدا چو تحفۂ بہ از نیاز نیست — پس ہر کرا نیاز نہ باشد نماز نیست

اے قطبِ دیں نیاز دریں راہ پیشہ کن — زیرا کہ قربِ حضرتِ حق از نماز نیست

ایک جگہ یوں ہے : ع با زاہدِ دہر خویشتن بیں — از روزہ و از نماز گویم

حاجی کہ در آید از درِ من — با او سخن از حجاز گویم

ریاکار اور خود بیں زاہدوں سے گریز چاہتے ہیں :

ع مرو بحلقۂ زہّادِ دہر قطب الدیں — کہ از دہانِ تو بوی شراب آید

وہ کعبۂ مقصود کے حصول کے لیے عشق اور نیاز مندی ہی کو ضروری سمجھتے ہیں :

ع جائے کہ ہست کعبۂ مقصود قطبِ دیں — حجاج را مشقتِ راہِ حجاز چیست

ع قطبِ دیں از کوی تو کے می رود جای دگر — کعبۂ مقصود او غیر از سر کوی تو نیست (۱)

ع گر ہوس داری رسی در کعبۂ مقصودِ خویش — در ہوا با تنش مثالِ مرغ طیران بایدت .

یہ شاعر پیر سال تھے جیسا کہ ایک شعر میں اشارہ ہے :

ع آفتابِ عمرِ من رو در زوال آوردہ است — با اجل دست و گریبانم خدایا دستگیر

اور معاشی تنگی بھی تھی ۔ فرماتے ہیں :

ع قطبِ دیں از مفلسی غمگیں مشو — چون صبوفِ قانع شو و پروانہ باش

ایک جگہ فرماتے ہیں : ع اے قطبِ دیں چو بار برند التجا بہم — تو در پناہِ شاہِ جہان آرمیدہ باش

• دیوان کی زبان صاف اور رواں ہے اور شروع سے آخر تک عشقِ حقیقی کی ترجمانی ہے ۔ لیکن بعض مقامات ایسے بھی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ " ملامتی " جماعت سے صاحبِ دیوان کا تعلق رہا ہوگا ۔

ایک جگہ یوں ہے : ع گر بظاہر نماز نگذارند — جانِ عشاق در نماز بود

زاہدان گر حجاز می طلبند — طالبِ عاشقان حجاز بود

ایک اور غزل ہے : ع تا مست و عاشقِ رخِ جانانہ گشتہ ام — با دردِ عشق ہمدم و ہم خانہ گشتہ ام

بیگانہ ہم ز خویش شدم ہم ز آشنا — رسوا میانِ خلق چو دیوانہ گشتہ ام

از عاقلانِ دہر گرفتہ کنارہ — مانندِ وحشی از ہمہ بیگانہ گشتہ ام

---

(۱) کعبۂ مقصود کی طرح صاحبِ دیوان کو "قابل" کا لفظ بھی بہت پسند ہے ، مثلاً :

ع قابلے نیست کہ عشق تو نہ دارد در دل — ہر کہ عشق تو نہ دارد بخدا قابل نیست

ع فانی ز خویش گشتہ و باقیش با خداست — آں قابلے کہ بارِ امانت کشیدہ است

ع در نمازِ عشق ہر جا دیدہ ام من قابلے — روی دل او را بجز در طاقِ ابروے تو نیست

ع از بادۂ بیخودی ہمہ از خود بریدہ اند — گر مردِ قابلی تو ہم از خود بریدہ باش

علی الدوام کی ترکیب بھی متعدد اشعار میں ہے ۔

Marfat.com

دنیا و آخرت ہمہ برباد دادہ ام — در عشقِ یار ساکنِ میخانہ گشتہ ام
سرحلقۂ ملامتیانِ جہاں شدم — در خانقاہ و مدرسہ افسانہ گشتہ ام
گنجِ نہانِ خویش بہ ویرانہ یافتم — ساکن ازاں بہ گوشۂ ویرانہ گشتہ ام
نبود عجب کہ سوختہ باشم چو قطبِ دیں — ..... ہر گردِ شمعِ وصل چو پروانہ گشتہ ام

ایک شعر اس طرح بھی ہے: ؎ قلندرانِ خراباتِ عشق را بنگر — کہ می دہند ز شوقِ وصالِ تو جاں را

نماز نہ گزارنا اور "سرحلقۂ ملامتیاں" بن جانا وغیرہ اگر استعارۃً نہیں ہے تو خیال ہوتا ہے کہ صاحبِ دیوان شاید "قلندر" رہے ہوں گے۔ تاہم وہ فرماتے ہیں:

؎ نیم شب برخیز و عرضِ حالِ خود کن پیشِ دوست
در دلِ شب خود علاجِ دردمنداں می کند

؎ دلا وقتِ سحر می باش بیدار — سر از بالینِ خوابِ ناز بردار
؎ بہ کنجِ خلوتِ تاریک بنشیں — گرت باید تجلّی از رخِ یار
ہمیشہ باش ساکن بر درِ دوست — مشو غافل زمانے بہرِ دیدار ... (۱)

ایک اور غزل میں پھر مقالات کا ذکر کرتے ہیں:

؎ در مقامے کہ دراں روز نماید شبِ تار — از تجلّیِ رُخش مرد شود برخوردار
عکسِ دلدار در آئینۂ جاں دریابد — محو گردد کہ ازو ہیچ نماند آثار
بعد ازاں چوں ببرندش بہ مقامے دیگر — بدرد پردہ و بینند بسے عاشقِ زار
چوں شود فانیِ آں نور شود عاشقِ مست — نامِ او گشت دریں کوی دگر عاشقِ یار
رویش از پرتوِ انوار شود، ہمچوں عشق — واں مقامے ست کہ باشد بہ مثل چوں گلزار
حالِ او گشت دگرگوں و ز خود بیخود شد — ظاہرش با من و تو باطنِ او با دلدار
عاشقانِ سرِ ایں کوی چنیں تا باشند — قطبِ دیں ما و منِ خویش دریں کو بگذار

دیوان کے شروع میں تین غزلیں حمد میں ہیں۔ پھر ایک نعت ۳۷ شعروں پر مشتمل ہے اور اس میں چاروں خلفائے راشدین (رضی اللہ عنہم) کی منقبت بھی ہے۔ وہ نعت اس طرح شروع ہوتی ہے:

؎ ای از شعاعِ روی تو خورشیدِ تاباں را ضیا — آنی کہ ہستی از شرف بالاتر از عرشِ علا

دوسری نعت اس طرح شروع ہوتی ہے:

؎ یا محمدؐ مہر و مہ را نور چوں روی تو نیست — کور بادا آنکہ او را چشمِ دل سوی تو نیست

مقطع یوں ہے: ؎ یا محمدؐ ہر کسے را کعبہ جای دیگر است — قطبِ دیں را کعبۂ مقصود جز کوی تو نیست

ایک اور نعت اس طرح شروع ہوتی ہے:

؎ آنجا کہ آفتاب لقای محمدؐ است — خورشید ذرّۂ ز ضیای محمدؐ است

---

(۱) ایک غزل میں ہے: ؎ اے ماندہ بخویشتن گرفتار — از راہِ حجابِ خویش بگذار
غافل منشیں ز خود زمانے — از ہستیِ خویش شو تو بیزار
ایک جگہ یہ ہے: ؎ تا نہ میری، بوصل او نہ رسی — وصل گر بایدت ز خویش بمیر
ایک شعر یہ ہے: ؎ جاں نثارِ یار کن گر بایدت دیدارِ او — تا کسے از خود نمیرد لائقِ دیدار نیست

Marfat.com

دیوان میں ایک غزل کا مطلع ہے:

> مجرّدانِ طریقت جماعتے دگرند ۔۔۔ کہ زندہ اند زیار و زخویش بے خبرند

محمد غوثی شطاری مانڈوی کی گلزارِ ابرار، جس کی تکمیل و تصحیح ۹۹۸ھ سے ۱۰۲۲ھ تک ہوئی اور جس کا اردو ترجمہ لاہور سے ۱۳۹۵ھ میں بھی شائع ہوا ہے، اُس کے صفحہ ۷۶ میں دیوان کا وہ شعر اس طرح ہے:

> مجرّدانِ طریقت جماعتے دگرند ۔۔۔ چناں صفت کہ تو داری بداں صفت نبرند

یہ شعر اس ذیل میں ہے کہ حضرت بدیع الدین شاہ مدارؒ (م ۸۰۰ھ) کے مقلدین نے "حالتِ تجرید" کی یہ گت بنا رکھی ہے کہ چار انگشت کی لنگوٹی پر اکتفا کیا ہے۔ اس شعر کا دوسرا مصرع، دیوان کے دوسرے مصرع سے مختلف ہے۔ یہی شعر اس تذکرے (گلزارِ ابرار) کے صفحہ ۶ لم ۵ میں بھی ہے، لیکن دوسرے مصرع میں صرف ایک لفظ میں فرق ہے، یعنی: ع بایں صفت کہ تو داری بداں صفت نبرند – اور وہاں اس شعر سے پہلے نزہت لکھا ہوا ہے یعنی یہ شعر نزہت کا ہے۔ پھر صفحہ ۱۲ لم میں بھی مُلک شیر خلوتیؒ (م ۱۰۰۵ھ) کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے نزہت کا ذکر اس طرح آتا ہے:

ع نزہت کہ وصال باد جانش

نزہت، غیر معروف شاعر ہیں لیکن صاحبِ تذکرہ سے قریب ہوں گے اور اُن کا زمانہ بھی اُن کے قریب رہا ہوگا – تاہم صحیح اندازہ نہیں کیا جاسکتا کہ شعر مذکور (جس کا پہلا مصرع بالکل وہی ہے جو اس دیوان میں ہے) کب لکھا گیا، یعنی صاحبِ دیوان نے پہلے لکھا، یا نزہت نے پہلے لکھا – بہرحال، اندازہ یہی کیا جاسکتا ہے کہ دونوں کا زمانہ قریب قریب کا ہوگا اور یہ دیوان گیارھویں صدی ہجری سے پہلے کا نہیں ہے۔

وَلِلّٰہِ غیبُ السمٰوات و الارض۔

(یہ مضمون پورا ہوا تو محترم ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کا فاضلانہ مقالہ اسی موضوع پر نظر افروز ہوا – تاہم اپنی اس حقیر کاوش کو بھی محفوظ رہنے دیتا ہوں کہ شاید کوئی بات قارئین کو مفید نظر آجائے۔)

Marfat.com

ڈاکٹر مولوی محمدؒ شفیع

کے

علمی مکتوبات

مخدومی قبلہ پرنسپل محمد شفیع صاحب مدظلہ میرے ان محسنوں میں سے ہیں جن سے میں نے بہت کچھ سیکھا اور جب تک زندہ رہوں گا انشاء اللہ ان سے استفادہ کرنے کا متمنّی رہوں گا۔ میں نے ۱۹۳۸ء سے ارادہ کیا تھا کہ سید حسن غزنوی پر تحقیقی مقالہ لکھوں لیکن کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی (برار) میں (جہاں میں لکچرر تھا) یا ناگپور یونیورسٹی میں ایسے کام کے مواقع کم تھے اور اپنے پرائے سبھی ہمت شکنی کر رہے تھے اس لئے یہ کام التوا میں پڑ گیا۔ پھر میرے شفیق بزرگ نواب صدر یار جنگ مولانا محمد حبیب الرحمان خان شروانی مرحوم و مغفور نے میری ہمت افزائی فرمائی اور فاضل اجل قبلہ محمد شفیع صاحب نے میری بعض دقتیں جلد جلد[1] حل فرمادیں اس لیے میری ڈھارس بندھ گئی اور اللہ کا نام لے کر کام کرنا شروع کر دیا جو بحمداللہ سنہ ۱۹۴۶ء میں پورا ہوکر رہا۔ اس تحقیقی مقالے کے سلسلے میں اور بعض دیگر علمی مسائل کے متعلق پرنسپل صاحب موصوف نے میرے خطوط کے جوابات ارسال فرمائے تھے۔ ان میں سے چند میرے پاس محفوظ رہے جو نذر ناظرین ہیں۔

۲۰ جولائی سنہ ۱۹۴۰ء والے خط میں موصوف نے لکھا ہے کہ ”مجھ کو امید ہے کہ آپ نے سید حسن غزنوی کے دیوان کے اچھے اچھے نسخے جمع کر لیے ہوں گے“۔ گویا ایک شاعر پر تحقیقی کام کرنے کے لیے سب سے مقدم یہ ہے کہ اس کے دیوان کے اچھے اچھے نسخے جمع کر لیے جائیں۔ اس کے بعد اس کا تحقیقی مطالعہ کیا جائے۔

۱- میں نے بکثرت علماء و فضلاء سے خط و کتابت کی۔ لیکن بے دریغ یہ کہنے کو تیار ہوں کہ پرنسپل صاحب موصوف ہی مجھے ایسے بزرگ ملے جنھوں نے ہفتہ عشرہ کے اندر علمی جوابات عنایت کئے۔ اس قسم کا اعتراف علامہ عبداللہ یوسف علی نے بھی اپنے انگریزی ترجمۂ قرآن پاک کے مقدمے میں کیا ہے۔ (م ۱۹۶۳ء)

ان خطوط سے میری تدریجی ترقی کا اندازہ بھی ہوسکتا ہے لیکن میری لاعلمی اور جہالت کا اندازہ زیادہ ہوتا ہے۔ بلکہ بعض موقعوں پر ہنسی بھی آئے گی کہ سائل کو اتنی معمولی سی بات بھی معلوم نہیں ہے۔ لیکن میرے نزدیک فضلاء کی یہ ہنسی ''خندۂ سحر'' سے کم نہیں جس سے شبستاں کی تمام ظلمت دور ہو جاتی ہے۔

پرنسپل صاحب اپنے اکثر خطوط ''مکرمی تسلیم'' سے شروع کرتے ہیں اور فوراً اصل مقصد کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور موضوع کے متعلق تمام اہم چیزوں کا حوالہ جامع اور مانع طریقے سے مرحمت فرماتے ہیں۔ غلط قراءت کی تصحیح میں اللہ پاک نے جو ملکہ جناب موصوف کو بخشا ہے اس کا عشر عشیر بھی دوسری جگہ بمشکل دیکھا گیا ہے۔ یہاں ایک لطیفہ یاد آیا کہ ایک مرتبہ سید حسن غزنوی کے دو عربی قصیدوں کی تصحیح کی ضرورت در پیش آئی۔ ملک کے بڑے بڑے عربی فضلاء سے رجوع کیا۔ میرے استاد قبلہ پروفیسر ضیاء احمد صاحب بدایونی نے تصحیح فرمادی لیکن ایک مصرع پھر بھی رہ گیا۔ پھر میں نے ایک بہت بڑے فاضل کو لکھا۔ جواب نہ آیا تو دوبارہ لکھا۔ پھر بھی جواب نہ آیا تو تیسری بار لکھا کہ وہ ایک مصرع درست فرما دیں۔ اس مراسلت میں تقریباً چھ ماہ گذر گئے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے دست مبارک سے مجھے خط لکھا کہ ''میری انگلی میں چوٹ لگ گئی ہے۔ جب درست ہوجائے گی تو اس مصرع کی صحیح قراءت، ضبط تحریر کے مطابق لکھ بھیجوں گا''۔ آخر مایوس ہو کر میں نے پرنسپل صاحب موصوف کو وہ مصرع لکھ بھیجا۔ آپ نے ماشاء اللہ فوراً اس مصرع کی تصحیح فرمادی۔ اس طرح :

مسمعات الطیر فی شدوبہ

یتبارین لدی الالحان

(خصوصاً دوسرا مصرع)

لیکن انڈیا آفس کے نسخے میں شعر اس طرح تھا :-

مسموت الطر فی بدو بہ

ملبارین لدی الالحان

اور برٹش میوزیم کے نسخے میں اس طرح تھا :-

مسمعات الظر فی بدو بہ

مسا رین الذی الا لحا ن

غرض کہ جلد از جلد اور مشکل سے مشکل علمی مسئلے کے حل کرنے میں مجھے پرنسپل صاحب[1] بطور رحمت کے ثابت ہوئے ہیں ۔ اللہ پاک سے دلی دعا ہے کہ انہیں سلامت رکھے اور قوم اور ملک کے افتخار کی خاطر انہیں ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے ۔ آمین

غلام مصطفی خان

کمار ہٹی ۔ ضلع شملہ　　　　مؤرخہ ۲۰ جولائی ۱۹۴۰ء

جناب مکرمی ، تسلیم

مجھکو امید ہے کہ آپ نے سید حسن غزنوی کے دیوان کے اچھے اچھے نسخے جمع کرلیے ہوں گے ، میں نے ان کا دیوان نہیں دیکھا ۔ کیا آپ اس دیوان کو مرتب کرنا چاہتے ہیں؟ یا اصل موضوع آپ کا سلطان بہرام شاہ کے عہد کی تاریخ ہے ؟ معلوم نہیں سوائے دیوان حسن کے اس عہد کے لئے کوئی اور مواد بھی آپ کے پاس سوائے مشہور تاریخوں کے ہے یا نہیں ۔ ان تاریخوں میں تو اتنا مواد نہیں کہ اس سے کتاب مرتب ہوسکے ۔

[illegible] Islamic Culture for April 1938 [illegible]
مضمون کا عنوان ہے Fresh Light on the Ghaznavids

قصیدہ میرے سامنے نہیں ہے تو میں کیا کہوں؟ لیکن آپ اس مضمون اور قصیدے کو ملا کر پڑھیں شاید مفید ہو ، ورنہ قصیدہ سارا سامنے ہو تو کچھ عرض کروں ۔

---

۱ - پرنسپل صاحب جیسے بزرگوں کی ہمت افزائی اور ذرہ نوازی سے سید حسن غزنوی پر میرا تحقیقی مقالہ (جو اورینٹل کالج میگزین میں شائع ہوچکا ہے) بعض فضلاء کے نزدیک ایک بیش قیمت علمی اضافہ ہے ۔ اس شاعر پر ابھی ایک ایرانی پروفیسر جناب تقی مدرس رضوی نے بھی تقریبا ساٹھ صفحات کا مقالہ لکھا ہے اور وہ بہت تشنہ ہے ۔

Marfat.com

لاھور میں کوئی قلعہ عہد غزنوی کا موجود نہیں - موجودہ قلعہ عہد اکبری کی یادگار ہے ممکن ہے اس کا محل قدیم ہو ، مگر یقینی نہیں -

پشتوارہ لغت میں = (۱) آن مقدار بار کہ بہ پشت توان کشید

= (۲) پشتیبان و آن چوبیست کہ بجہت استحکام دیوار یک سر آن را بدیوار و سر دیگر را بر زمین نصب کنند ، و چوب پشت در

= (۳) پشت و پناہ

= (۴) گاو تکیہ (فرہنگ آنند راج)

غرض یا پشتوارہ سے مراد یہ ہے کہ اس کی دیواروں کو پشتی بانوں سے محکم اور مضبوط کیا گیا تھا ، ان چیزوں کو آج لاھور میں کیسے ڈھونڈا جا سکتا ہے؟

پنجاب کا مفصل نقشہ تو Survey of India کا نقشہ ہے - مگر سوالک اور اچ ھر نقشے میں ملے گا - کوئی اچھی سی اٹلس دیکھ لیں ، منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز کے ھاں سے تین چار روپے میں پنجاب کا دیواری نقشہ ملتا ہے - مگر اس کو کیا کیجئے گا ، اٹلس آپ کا کام دے گی ، سوالک کے متعلق بہت جھگڑا ہے ، اس کے قدیم اور موجودہ استعمال میں فرق ہے ، حافظ محمود شیرانی نے اس کے متعلق اورینٹل کالج میگزین میں کچھ لکھا تھا ، اس کا حوالہ زبانی نہیں دے سکتا - میں یہاں پہاڑ پر بیٹھا ھوں اور شیرانی کالج کے بند ھونے کی وجہ سے معلوم نہیں کہاں ھیں -

افغانستان اور پنجاب دونوں کے لئے Bartholomews, Hand Atlas شاید آپ کا کام دے جائے - مفصل ترین نقشہ افغانستان کا بھی Survey of India والا نقشہ ہے - رسالہ کابل کے سالانہ نمبروں میں بھی متعدد دفعہ افغانستان کا نقشہ چھپا ہے -

بہرام شاہ کی قبر اگر لاھور میں ہے تو کسی کو معلوم نہیں ، میں نے کبھی نہیں سنا کہ فلاں قبر بہرام شاہ کی ہے -

والسلام

محمد شفیع

(اس خط میں سید حسن غزنوی کے ایک قصیدے کے اشعار کی تصحیح فرمائی ہے) -

Marfat.com

قصیدہ ہ

اجل زان خدنگ .... سوے جان خصم تو رہبر گرفته ؟

ز پیلان چون کوه تازان بھیجا ؟

تو بر خنگ دولت چو خورشید تابان ؟

(رہ آن جہان گرفته میں کوئی لفظ رہ گیا ہے)

بانصاف دجال با خر گرفته (نه انصاف الخ)

بحمد الله اکنوں نه بینم الخ (نه به بینم الخ)

بمنزل گه شیر آهو نشسته (یا کوئی اور ایسا هی لفظ)

گیائے نوان (نه کیائے نوان) بمعنی گیا ہے

چو زد پیرهن (بظاهر چو زر یا شاید چو زو)

بحمد الله اکنون نه بینم (بجای به بینم)

پدان پاے و سر (بجای بران پاے و سر)

چو خورشید جامی که کوئی حبابش (بجاے حیاتش) - دوسرا مصرعه غیر واضح

به تیر تو آورد و حنجر گرفته (بجاے خنجر)

نہالی چنان (بجائے نہال جہان)

هم از نہروان تاقہستان (بجای تاقہان)

کمار هٹی - ضلع شمله

۲۷ اگست سنه ۱۹۳۰ء

مکرمی ، تسلیم عنایت نامه ملا -

همارے هاں کالج میں سروے آف انڈیا کا نقشه' افغانستان ہے ، آپ جن مقامات کو دیکھنا چاهتے هیں ان کی فہرست مجھ کو بھیجدیں میں واپسی پر انشاء الله دیکھوں گا -

آداب الحرب اب تک نہیں چھپی ، اس کا کچھ حصه (بعض اقتباسات ، میں نے اورینٹل کالج میگزین لاهور میں چھاپے تھے اور مس اقبال شفیع نے غزنویوں کے متعلق تمام اقتباسات (جن کا ترجمه آپ نے Islamic Culture میں

ملاحظہ کیا ہے) اسی میگزین میں چھپوائے تھے ، گویا ساٹھ ستر صفحے اس طرح سے چھپ گئے ، شاید کہ اس سے زیادہ ہوں ، برٹش میوزیم والے نسخہ کے عکس پنجاب یونیورسٹی لائبریری کی ملکیت ہیں ، انہی کے پاس موجود ہیں ۔ شجرۂ انساب ناپید ہے ، مجھکو معلوم نہیں وہ کیا ہوا ، البتہ Sir Denison Ross نے تاریخ مبارک شاہی (؟) کے نام سے اسی مصنف کی ایک تالیف کے بعض اجزاء چھاپے تھے ۔ اس میں اقوام اتراک کا ذکر کیا تھا ، پہلے انہوں نے عجب نامہ میں اس پر مضمون لکھا تھا پھر اس رسالہ کے بعض اجزا اور ترجمہ چھاپا تھا اس میں سید حسن غزنوی کا ذکر نہ تھا ۔

والسلام

محمد شفیع

مورخہ ۱۳ ستمبر ۱۹۴۰ء

مکرمی ، تسلیم

رشید الدین وطواط کے رسائل (خطوط) مصر میں دو حصوں میں طبع ہوچکے ہیں ۔ کمیاب ہیں ، میرے کتابخانے میں ایک نسخہ ہے مجھکو یاد نہیں کہ ہمارے ہاں پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں یہ نسخہ ہے یا نہیں ۔ وطواط کا حال صاحب دمیۃ القصر نے مفصل دیا ہے ، ہالینڈ میں اس کا نسخہ ہے ، فوٹو منگوا کر میں نے اورینٹل کالج میگزین میں اکثر حصہ چھپوایا ، اس میں بھی بعض خطوط کے اقتباسات دئے ہیں ، مگر یہ سب کے سب خطوط مطبوعہ رسائل میں موجود ہیں ، اگر گیلان اور کرمان افغانستان میں ہیں تو مجھکو معلوم نہیں ، آپ کس طرح سے یہ نتیجہ نکال رہے ہیں کہ وہ افغانستان میں ہیں ۔ آب گرم قندھار کی طرف کوئی جگہ سرحد ہندوستان پر تھی جس کا ذکر کتاب الحرب والشجاعہ میں ہے ، رحج نہیں رُخّج ہے جو سیستان کا ایک شہر تھا ۔

محمد شفیع

مکرمی ، تسلیم عنایت نامہ ملا ۔

کَرمَان کے متعلق یاقوت نے معجم البلدان طبع یورپ ج ۴ ص ۲۶۶ پر لکھا ہے : کرمان ایضاً مدینہ بین غزنہ و بلاد الهند من اعمال غزنہ بینهما اربعة ایام او نحوها ۔

Marfat.com

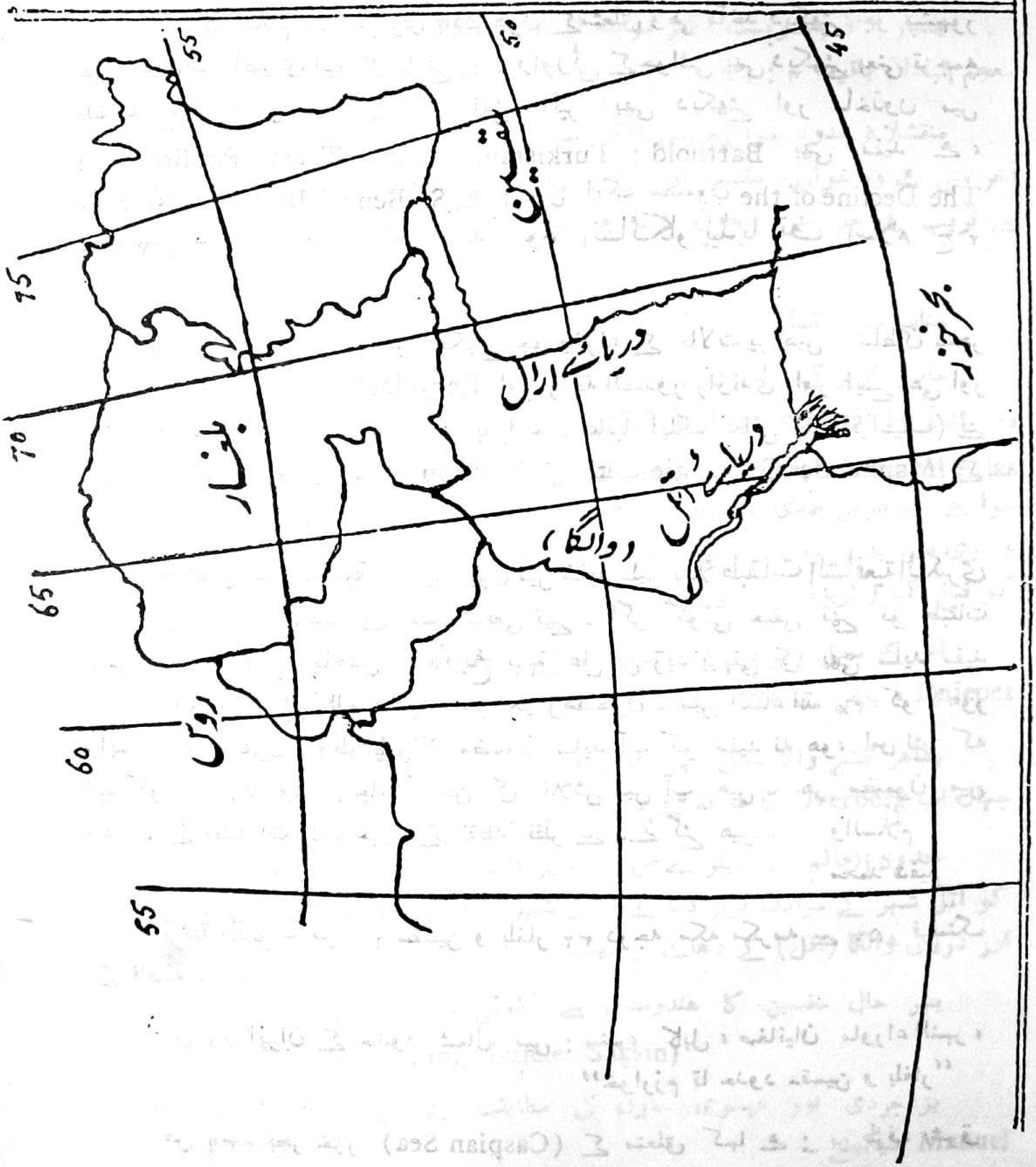

نقشہ مقابل صفحہ ۷

Marfat.com

کیلان کا پتہ نہیں ۔

فہرست اعلام میں غزنوی بادشاہوں کے متعلق وہی ماخذ دیکھئے جو مشہور ہیں، طبقات ناصری آپ کے سامنے ہے۔ راورٹی کے حواشی بھی دیکھئے یعنی ترجمہ طبقات ج ۱ ص ٦۷ تا ۱۱۵، ابن اثیر بھی دیکھئے اور ماخذوں میں Barthold : Turkistan, Gibb Trust Publication : بھی مفید ہے، The Decline of the ایک مضمون میں J. A. S. Bengal 1886 LV. 1st part Jawanis پر بھی شاید کچھ مفید ہو، انسائکلوپیڈیا آف اسلام ج ۲ ص ۱٦۳ بھی دیکھئے ۔

وزراء کے لئے وہ کتابیں دیکھئے جو وزراء کے حالات پر ہیں ۔ سلطان سنجر کے لئے Encyclopaedia of Islam اور راحۃ الصدور راوندی اور ایسے ہی اور ماخذ دیکھئے ۔ محمود بن محمد بن بغرا خان غالباً ایلک خانی (آل افراسیاب) سے ہے ۔ ان کا شجرہ اور سنین Zambour کی کتاب Manuel de Genalogie کے ص ۲۰٦ پر دیکھئے ۔

علماء کے حالات طبقات کی کتابوں میں شاید ملیں مثلاً طبقات الشافعیۃ الکبری وغیرہ میں ۔ اگر ان میں سے بعض شافعی تھے ۔ اگر کوئی حنفی تھے تو طبقات حنفیہ میں دیکھنے چاہئیں ۔ تاریخ بیہق علی بن زید بیہقی کی بھی شاید مفید ہو، رسالوں کے لئے کالج والوں کو لکھ رہا ہوں ۔ میں انشاء اللہ ۲۷ کو لاہور واپس جا رہا ہوں، وطواط والا مضمون شاید آپ کو مفید نہ ہو، اس لئے کہ آپ کو تو صرف وہ نام چاہئیں جن کی تلاش میں آپ ہیں ۔ ہر مضمون میں خطوں کے اقتباسات ادب عربی کے نقطہ نظر سے دئے گئے ہیں ۔ والسلام

محمد شفیع

نزھۃ القلوب ص ۱۰ سقسین و بلغار ۳۲ درجہ مکہ مکرمہ سے ۵۰۷ فرسنگ کے فاصلہ پر ۔

ص ۲۱ ایران کے حدود شمال میں : سند، کابل، صغانیان ماوراء النہر، "خوارزم تا حدود سقسین و بلغار"

ص ۲۳۹ بحر خزر (Caspian Sea) کے متعلق کہا ہے : بر طرف شرق این دریا خوارزم و سقسین و بلغار است و بر شمال دشت خزر و بر غرب الان کرہ و کوہ لگزی و اران و بر جنوب جیلان و مازندران ۔

Marfat.com

ص ۲۵۹ سقسین و بلغار دو شہر کوچک است از اقلیم ۶ ، صحاری و ولایات بسیار بدان منسوبست اکثر موینه از آنجا آورند ۔
معجم البلدان یاقوت ۳ : ۶۷

منقشلاغ حدود خوارزم میں ایک مضبوط قلعه ہے جو حدود خوارزم کے آخر میں ہے وہ خوارزم سقسین اور نواحی روس کے درمیان واقع ہے اور اس بحر سے قریب ہے جس میں جیحون گرتا ہے یعنی بحر طبرستان ۔

جناب من ، تسلیم

حاصل اوپر کی عبارتوں کا یہ ہے کہ ایک شہر جس کو سقسین کہتے تھے وہ 67° E. long. and 53° N. Lat. پر دریای ییق (ارال) کے کنارے تھا ، Sprümer-Menke, Historical Atlas میں علاقہ سقسین اسی نواح میں دکھایا ہوا ہے (بارھویں صدی عیسوی) دیکھیں اس کی منسلکہ نقل ، پندرھویں صدی عیسوی میں یہ وجوہ ہیں ۔ حملہ ھای مغول میں وہ موجود تھا چنگیز خان نے اس کو فتح کیا (گزیدہ ۱ : ۵۷۲) ۔

اس کے محل وقوع کے متعلق اختلاف ہے ۔ بعض مصنفین نے اس کو Dnieper ، بعض نے Volga کے کنارے بھی اس کا محل وقوع متعین کیا ہے ۔

بظاہر نقشے والا محل زیادہ قرین قیاس ہے ، یہ علاقہ تقریباً وھاں ہوگا جہاں اب Overberg کا علاقہ ہے ۔

حدود العالم کے اڈیٹر نے ص ۴۵۳ پر ایک نوٹ لکھا ہے جس میں سقسین کو اتل شہر کے مرادف قرار دیا ہے ، اس شہر کا محل وقوع استر خان سے اوپر اور دریای والگا (اتل) کے دھانے پر تھا ۔

بہر حال سقسین کا ھندوستان سے کوئی علاقہ نہیں ۔
- (Encyclopaedia of Islam, Article: Saḳsin)

یزدجردی اور عیسوی سنوں کی مطابقت کے لئے Snokvis کی کتاب Manuel دیکھئے ۔

والسلام

محمد شفیع

Marfat.com

مکرمی ، تسلیم　　　　　　　　　　　　　　مورخہ ۷ اپریل ۱۹۴۳ء

آپ کا خط ملا ۔ ''شیر عَلَم'' کے متعلق جو اشعار آپ نے نقل کئے ھیں وہ استعارے نہیں ھیں بلکہ حقیقت میں ''علم'' پر شیر بنا ھوتا تھا ۔ دیکھیں ۔ دیوان مسعود سعد سلمان (مرتبہ' رشید یاسمی ، تہران ، ۱۳۱۸ ۔ صفحہ ۵۶۳) :

خشت او بس کہ کرد شیران کم
شیر گردون بماند و شیر علم

مسلمانوں کے ''علم'' کے متعلق دیکھیں :

Hasting's Encyclopaedia of Religion and Ethics XII, 145 S. V. Symbolism (Muslim).

محمد شفیع

مکرمی ، تسلیم　　　　　　　　　　　　　　۶ مئی ۱۹۴۳ء

میں آپ کو شیر علم کے متعلق لکھ چکا ھوں ۔ آپ کسروی کا مضمون ''تاریخچہ' شیر و خورشید'' ارمغان (تہران کا ماھنامہ = XI 542 Sqq.) میں دیکھیں ۔ یہ ماہ نامہ ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ھے ۔

محمد شفیع

Marfat.com

علامہ سیوطیؒ اور علمِ لغت

علامہ جلال الدین سیوطیؒ (۸۴۹ - ۹۱۱ ھ / ۱۴۴۵ - ۱۵۰۵ ع) علمی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں - انہوں نے قرآن، حدیث، فقہ، قانون، فلسفہ، تاریخ، لسانیات، بدیعیات وغیرہ پر کم و بیش پانچ سو ساٹھ کتابیں لکھی ھیں - فن لغت کے سلسلے میں "المزہر" میں ان کی فاضلانہ بحث بہت اھمیت رکھتی ہے - ایک مرتبہ مولانا حالی نے اس کے مطالعے کا بہت اشتیاق ظاہر کیا تھا - ایک مکتوب میں لکھتے ھیں :-

"مجھ کو قاضی صاحب مرحوم کے کتب خانے میں سے ایک کتاب مطلوب ہے جس کا نام مزہر ہے - مصر کی چھپی ہوئی ہے اور اصول علم لغت میں جلال الدین سیوطیؒ نے لکھی ہے - اس کی ضخامت شرح وقایہ سے کچھ زیادہ ہوگی - مجھ کو اس کی نہایت ضرورت ہے - میں کہتا ہوں کہ میرے گھر میں جتنی کتابیں موجود ھیں وہ سب نواب (فضل احمد خان) صاحب اس کی ضمانت اور کفالت میں لے لیویں اور آٹھ دس روز کے واسطے وہ کتاب دے دیں - میں ایک لمبا چوڑا مضمون مسلمانوں کی شاعری پر لکھنا چاھتا ہوں جس میں زمانۂ جاھلیت سے لے کر آج تک ان کی شاعری کی حقیقت لکھی جائے گی اور عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں کی شاعری پر بحث کی جائے گی - مقصود اس سے یہ ہے کہ اردو شاعری جو نہایت خراب اور مضر ہو گئی ہے اس کی اصلاح کے طریقے بتائے جائیں اور یہ ظاہر کیا جائے کہ شاعری اگر عمدہ اصول پر مبنی ہو تو کس قدر قوم اور وطن کو فائدہ پہنچا سکتی ہے"۔(۱)

گویا مقدمۂ شعر و شاعری کی ترتیب کے لئے مولانا حالی اس کتاب کے مشتاق تھے، لیکن بعد میں انہوں نے ابن رشیق سے زیادہ استفادہ کیا ہے - بہرحال المزہر (جلد اول) کے ابتدائی پچاس صفحات کا یہ ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

پہلی قسم

صحیح کی شناخت جس کو ثابت اور محفوظ بھی کہتے ھیں - اس میں کئی مسائل ھیں -

---

(۱) مکتوبات حالی - حصہ اول، صفحہ ۱۳۱ : مکتوب مورخہ ۹ جنوری سنہ ۱۸۸۲ ع -

Marfat.com

لغت کی تعریف اور اس کے صرفی تغیرات

پہلا مسئلہ لغت کی تعریف اور اس کے صرفی تغیرات کا ھے۔

ابن جنی نے اپنی کتاب خصائص میں تعریف لغت کے سلسلے میں کہا ھے کہ لغت ان آوازوں کا نام ھے جن سے ھر قوم اپنے اغراض و مقاصد ظاھر کرتی ھے۔

اس کے صرفی تغیرات کے ذیل میں کہا کہ یہ فُعَلَة کے وزن پر ھے، بولنے کے معنی دیتا ھے۔ کہتے ھیں لَغَوتُ یعنی میں نے کلام کیا۔ اس کی اصل لَغْوٌ ھے، تعلیل کے بعد لُغَةٌ ھوا جیسے کُرَةٌ = گیند، قُلَةٌ = گلی ڈنڈا، ثُبَةٌ = جماعت۔ ان سب میں لام کلمہ واؤ ھے کیونکہ کہتے ھیں کروت بالکرة = میں گیند سے کھیلا، قلوت بالقلة = میں گلی ڈنڈا کھیلا۔ "ثبة" ثبوا یثبی ثبیاً سے ھے گویا ثاب یثوب کا الثا۔ لغة کی جمع آتی ھے لغات و لُغون جیسے ثبة کی جمع ثُبات و ثُبوت۔ بعض نے کہا کہ لغی یلغی اسی سے ھے یعنی بکواس کی۔ اَللَّغاء بیہودہ کلام، بکواس۔ ایک شاعر کا قول ھے :-

وربّ اسرابَ حجیجٍ کَظَّمٍ

عن اللغا ورفثِ التّکلّمِ

یعنی حاجیوں کی بہت سی جماعتیں اپنے کو بیہودہ کلام اور گندی بات چیت سے روکتی ھیں۔ لفظ لغو بھی یہی معنی دیتا ھے فرمایا اللہ تعالیٰ نے "واذا مرّوا باللغو مرّوا کراماً" یعنی جب ان کا گذر کسی بیہودہ بات کے پاس سے ھوتا ھے تو شرافت سے گذر جاتے ھیں۔ حدیث پاک میں ھے "من قال فی الجمعة صه فقد لغا" ۔ یعنی جس نے جمعہ میں بوقت خطبہ "صه" کہا (خاموش رہ) تو اس نے بھی گویا کلام کیا۔ امام الحرمین برھان میں کہتے ھیں کہ لغة لَغِی یلغی رضی یرضیٰ کے باب سے ھے یعنی کلام کیا۔ ابن حاجب نے لغت کی تعریف کے سلسلے میں کہا ھے کہ لغت وہ لفظ ھے جو کسی معنی کے لئے وضع ھوا ھو۔ اور اسنوی نے شرح منہاج الاصول میں اس طرح کہا ھے کہ لغات وہ الفاظ ھیں جو معانی کے لئے وضع ھوں۔

واضع لغت — ابن فارس کا خیال

دوسرا مسئلہ لغت بنانے والے کا ھے۔ اور حل طلب امر یہ ھے کہ آیا لغت الہامی چیز ھے یا اصطلاحی اور سمجھوتے کی چیز یا اس کا پتہ وحی سے چلتا ھے۔ ابوالحسن احمد بن فارس نے اپنی کتاب فقہ اللغة میں بیان کیا ھے کہ عرب کا لغت الہامی ھے اور اس کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت ھے۔ "وعلم آدم الاسماء کلہا" یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو سارے نام سکھا دیئے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رض سے منقول ھے کہ یہ نام جو حضرت آدم کو سکھائے وہ یہی ھیں جن کو لوگ جانتے پہچانتے ھیں جیسے چوپایہ، زمین ھموار اور پہاڑی زمین، اونٹ، گدھا اور اسی طرح قوموں کے نام وغیرہ۔ خصیف حضرت مجاھد سے نقل کرتے ھیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو ھر چیز کا نام سکھا دیا۔ ان دونوں بزرگوں کے علاوہ بعض

کہتے ہیں کہ فرشتوں کے نام سکھادیئے بعض کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی ساری اولاد کے نام ان کو بتا دیئے تھے۔

حضرت ابن عباس رض کے کلام کی ترجیح

ابن فارس کہتے ہیں کہ ان تفسیروں میں ہمارے نزدیک صحیح تفسیر وہی ہے جو حضرت ابن عباس رض سے منقول ہے۔ اس صورت میں اگر کوئی یہ شک ظاہر کرے کہ اس تفسیر کی بنا پر "عرضہن یا عرضہا" ہونا چاہئے تھا حالانکہ فرمایا ہے "عرضہم" اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اولاد آدم یا فرشتوں کے نام مراد ہیں۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ ذی عقل کے لئے "ہم" کی ضمیر استعمال ہوتی ہے اور غیر ذی عقل کے لئے "ہا" یا "ہن" کی ضمیر، تو اگر غیر ذی عقل مراد ہوتے تو "عرضہا" ہوتا یا "عرضہن"۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہاں ذی عقل اور غیر ذی عقل دونوں مراد ہیں اور ضمیر سے اشارہ کرنے میں ذی عقل کی رعایت رکھی ہے اور یہ عربوں کی عادت ہے جس کو تغلیب کی اصطلاح سے یاد کرتے ہیں۔ مثلاً فرمایا "واللہ خلق کل دابۃ من ما٫ فمنہم من یمشی علی بطنہ ومنہم من یمشی علی رجلین ومنہم من یمشی علی اربع"۔ یہاں سب شامل ہیں لیکن صرف ذی عقل کی رعایت کرتے ہوئے سب کی طرف ہم کی ضمیر سے اشارہ کیا، گویا "من یمشی علی رجلین" کا لحاظ رکھا جن سے انسان مراد ہیں۔ یہاں اگر کوئی یہ سوال اٹھائے کہ لغت کے الہامی ہونے کی شکل میں مثال کے طور پر تلوار کے سارے صفاتی نام مثلاً سیف، حسام، عضب وغیرہ سب الہامی ہوں گے ان میں ایک بھی اصطلاحی نہ ہوگا۔ اس سوال کے جواب میں ہم کہیں گے کہ بیشک یہ سب الہامی ہیں اور اس پر دلیل یہ ہے کہ جب کسی لفظ کے بارے میں اختلاف رائے ہو تو سارے علما کا اتفاق ہے کہ ایسے موقع پر ملک اور قوم کے لغت سے دلیل پیش کرنا صحیح ہے۔ اختلاف اور اتفاق ہر صورت میں قوم کا لغت معیار ہے۔ اسی طرح اشعار سے بھی دلیل لائی جاسکتی ہے۔ اگر قوم کا لغت اصطلاحی ہوتا تو ہم موجودہ نسل پچھلے لغت کو کیوں دلیل میں لاتے، ہم خود ہی آج اپنی اصطلاح مقرر کرتے اور اس کو اپنی دلیل بناتے، ہم میں اُن میں کیا فرق ہے۔

یہاں یہ خیال کرنا خلاف واقع ہے کہ یہ الہامی لغت بیک وقت پورا کا پورا وجود میں آیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ع کو اسی قدر علم نصیب فرمایا جس قدر ان کے زمانے میں ان کو حاجت تھی پھر اس کو جس قدر چاہا پھیلایا۔ پھر حضرت آدم ع کے بعد ہر نبی کو جتنا چاہا علم بخشا یہاں تک کہ معاملہ پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ کچھ عطا فرمایا جو اگلوں کو بھی نہ مل سکا۔ مکمل اور سب سے بہتر علم نصیب فرمایا اور بس تعلیم کا سلسلہ آپ پر بند ہوگیا۔ ہم نہیں جانتے کہ آپ کے بعد کوئی لغت بھی بنا ہو۔ اگر آج کوئی لغت بنانے بیٹھے تو ناقدین علم اس کو ٹھکرا دیں۔

ابی الاسود دؤلی کے بارے میں ہم نے سنا ہے کہ ان سے کسی شخص نے نامانوس الفاظ سے گفتگو کی تو انہوں نے اس شخص سے ان الفاظ کے بارے میں پوچھا۔ کہنے لگا

Marfat.com

کہ یہ لغت آپ کے علم میں اب تک نہیں
آیا ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: بھتیجے
جو بات میرے علم میں نہیں آئی اس میں
تمہارے لئے کوئی بھلائی نہیں ہے۔ پھر
راستی میں اس کو سمجھایا کہ اس کی گفتگو
محض گھڑی ہوئی ہے۔ دوسرے ہماری عام
عادت ہے کہ جب دلیل پیش کرتے ہیں تو
اگلوں کی اصطلاحات سے دلیل دیتے ہیں۔ یہ
صرف اس لئے کہ ہمارے زمانے کے قریب
زمانے میں عرب کی کوئی قوم ایسی نہیں
گذری جس نے کسی چیز پر بھی اپنی جدا
اصطلاح مقرر کی ہو۔ صحابہ کرام کو
دیکھ لیجئے کہ ان کی بلاغت و فصاحت میں
کس کو شک ہوسکتا ہے اور علوم میں جو
گہری نظر ان کو نصیب تھی وہ بھی سب کو
معلوم ہے۔ اس کے باوجود ہمارے علم میں
نہیں کہ انہوں نے کوئی لغت بنایا ہو یا
کوئی لفظ وضع کیا ہو جو ان کے اگلوں سے
ان کو نہ پہنچا ہو۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ
حوادث عالم کا سلسلہ ختم ہونے والا نہیں
یہ تو عالم ہی کے ختم ہونے سے ختم ہوں گے
اور اس کے زوال سے زائل ہوں گے۔ لہذا یہ
سارے حقائق ہماری رائے اور ہمارے خیال
کی کھلی تصدیق کرتے ہیں۔ یہ سارا کلام
ابن فارس کا تھا جو اہل سنت میں سے تھا۔

ابن جنی کا بیان

ابن جنی نے خصائص میں کہا ہے کہ
ابن فارس اور اس کا استاد ابو علی فارسی یہ
دونوں معتزلی تھے (باب) اس میں اصل لغت
پر بحث ہے کہ آیا وہ الہام ہے یا اصطلاح۔
یہ بہت غور طلب مسئلہ ہے۔ زیادہ اہل
نظر اسی طرف گئے ہیں کہ لغت دراصل
اصطلاحی چیز ہے، نہ الہامی ہے نہ وحی کو
اس میں دخل ہے۔ لیکن ابو علی رحمہ اللہ نے
مجھ سے ایک بار فرمایا کہ لغت اللہ تعالی
کی جانب سے ہے۔ اور اس آیت سے دلیل پیش
کی "وعلم آدم الاسماء کلہا۔" حالانکہ یہ آیت
اختلاف کو دور نہیں کرتی کیونکہ جائز ہے
کہ اس کے معنی یہ ہوں کہ اللہ تعالی نے
حضرت آدم کو نام وضع کرنے کی طاقت
بخش دی۔ یہ امر بھی اللہ ہی کی جانب سے
ہے۔ جب یہ احتمال بغیر کسی قباحت کے
نکل سکتا ہے تو اس سے دلیل لانا بیکار رہا۔
نیز ابو علی رحمہ اللہ کے بعض کلام سے اسی
احتمال کا پتہ بھی چلتا ہے۔ ابوالحسن کی بھی
یہی رائے ہے، گویا اس تفسیر کے پیش نظر
یہ آیت ان لوگوں کے خیال کی تردید نہیں
کرتی جو لغت کو اصطلاحی مانتے ہیں۔ اور
کھلے الفاظ میں اس آیت کی تفسیر یوں بھی
آئی ہے کہ حضرت آدم کو تمام مخلوقات کے
ناموں کے سارے لغات سکھا دیئے جیسے عربی،
فارسی، سریانی، عبرانی، رومی وغیرہ وغیرہ۔
چنانچہ حضرت آدم اور ان کی اولاد ان میں
بات چیت کرتے رہے۔ پھر جب ان کی اولاد
دنیا میں پھیل گئی تو ہر ایک نے اپنا الگ
لغت لے لیا اور اسی کو ایسا اپنایا کہ
دوسروں کو بھلا دیا کیونکہ صرف ایک سے
وابستگی کو زمانہ طویل گذر گیا۔ جب
صحیح حدیث بھی اس حقیقت کا پتہ دیتی ہو
تو اس کو اعتقاد سے قبول کرنا اور زبان سے
اس کا قائل ہونا ہر شخص پر واجب ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ لغت
میں اسماء و افعال بھی ہوتے ہیں اور حروف

بھی پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ ان تین میں سے حضرت آدم کو صرف اسماء سکھائے افعال و حروف نہیں بتائے اسماء کی تخصیص کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اسماء افعال و حروف سے قوی تر ہیں اور ان کی حاجت جملہ کو بقیہ اقسام سے بیشتر ہے چنانچہ ہر مفید اور مستقل جملہ میں اسم کا ہونا لازم و لابدی ہے اور بعض مستقل جملہ فعل و حرف کا حاجتمند نہیں ہوتا۔ لہذا اسی شرف و بزرگی کی بناء پر جو اسماء کو باعتبار ذات اور مرتبہ کے حاصل ہے محض اسماء کے ذکر پر کفایت کرلی گئی اور ان افعال و حروف کے ذکر کو ترک کر دیا جو اسماء کے ذیل میں آتے ہیں اور ان کے دست نگر ہیں۔

کہا ابن جنی نے کہ اب ہم پھر ان لوگوں کے خیال کی وجہ بیان کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ لغت وحی نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ لغت کے لئے بہر حال وضع کی ضرورت ہے اور اس کی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ دو تین یا اس سے زائد حکماء جمع ہوکر ضرورت محسوس کریں کہ معلوم شدہ اشیاء کے اظہار کا کیا طریقہ نکالا جائے۔ پھر اس حاجت کو حل کرنے کے لئے وہ کوئی نشانی یا لفظ ڈھونڈیں کہ جب بھی وہ لفظ بولا جائے تو وہ چیز سمجھ لی جائے اور وہ دوسری چیزوں سے ممتاز ہوجائے۔ نیز اس صورت میں اس کی حاجت بھی نہ رہے کہ اس چیز کو نظر کے سامنے لایا جائے۔ بلکہ وضع کا یہ طریقہ چیز کی حالت بیان کرنے کے لئے اور مقصد کو پورا کرنے کے لئے نزدیک تر آسان تر اور سہل تر طریقہ ہے جس سے چیز کو حاضر کرنے سے پوری بے نیازی ہوجاتی ہے۔ اور بعض اوقات ایسی چیز کے ذکر کی حاجت ہوتی ہے جس کا آنکھوں کے سامنے یا قریب کرنا ممکن ہی نہیں ہوتا، جیسے ایک غیر موجود چیز کا ذکر یا دو ضد اور مخالف چیزوں کا ایک جگہ جمع نہ ہونے کا حال۔ اگر حاضر کرنے کی ضرورت ہو تو ان دو چیزوں کو کس طرح کوئی حاضر کرے۔ اسی طرح اور غیر ممکن چیزوں کا ذکر ہے۔ اس کی گویا ایسی صورت ہوسکتی ہے کہ عقلمند حضرات ایک خاص انسان کی طرف اشارہ کر کے کہیں کہ ”یہ انسان ہے“۔ اب جب بھی یہ لفظ بولا جائے یا سنا جائے تو اس سے یہ مخلوق سمجھی جائے۔ اور اگر وہ آنکھ یا ہاتھ کے لئے کوئی لفظ وضع کریں تو آنکھ یا ہاتھ وغیرہ کی طرف اشارہ کرکے کہیں کہ ان کے لئے یہ یہ الفاظ ہیں یعنی جب یہ الفاظ سنے جائیں تو ان سے یہ مخصوص اعضا سمجھے جائیں۔ بس اسی نہج سے دوسرے اسماء افعال اور حروف کی وضع ہوتی چلی جائے۔ پھر ایک زبان میں جب اس طرح وضع ہوجائے تو انہیں الفاظ کے مقابلہ میں دوسری زبانوں میں دوسرے الفاظ وضع ہوسکتے ہیں مثال کے طور پر انسان کے مقابلہ میں (مرد) کا لفظ اور رأس کے مقابلہ میں (سر) کا لفظ وضع ہو کر فارسی زبان بنائی جا سکتی ہے۔ اگر فارسی لغت پہلے ایجاد ہو اور اسکے لئے الفاظ وضع ہوں تو انکے مقابلہ میں رومی زنجی وغیرہ زبانوں کے الفاظ وضع ہوسکتے ہیں۔ یہی حال ہنرمند لوگوں کا ہے مثلاً بڑھئی، سنار، جولاہا، معمار، کشتی کھینے والا کہ انہوں نے اپنے پیشوں اور ہنروں کے لئے الفاظ بنا رکھے ہیں، لیکن

Marfat.com

غالباً ان الفاظ کی ابتداء مذکورہ اشارہ کے طریقہ پر ہوئی ہوگی۔

لغت پر بحث کرنے والوں نے پھر کہا کہ وضع لغت کی مذکورہ صورت اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس میں متصور ہونا غیر ممکن ہے۔ وہ اشارہ کر کے الفاظ کیسے وضع کر سکتا ہے۔ اسکا کوئی ہاتھ نہیں کہ وہ اس سے اشارہ کر کے لغت ایجاد کرے کیونکہ وہ جسم اور جسمانیت سے پاک ہے۔ ہاں اسکی ذات میں یہ صورت ہو سکتی ہے کہ لغت کی ایجاد تو مذکورہ طریقہ سے لوگوں میں پہلے ہوجائے اور پھر اللہ تعالیٰ فرمائے کہ اے انسانو جس چیز کو تم اس لفظ سے تعبیر کرتے ہو اس کو اس لفظ سے تعبیر کرو اور جس شئے کو تم اس لفظ سے سمجھاتے ہو اسکو اس لفظ سے سمجھاؤ۔ بالکل جس طرح جو انسان ایک لغت سے دوسرا لغت بنا لیتے ہیں۔ اور اسی تبدیلی کی صورت سے حروف تہجی کو مختلف شکلوں سے جوڑ جوڑ کر مختلف آوازوں کے الفاظ مختلف زبانوں میں نکال لیتے ہیں جو مختلف چیزوں کی تصویریں ہمارے سامنے کھینچتے رہتے ہیں اس لئے زبانیں آپس میں نوشت و خواند میں مختلف ہوگئیں: ہر ایک کی لکھائی الگ اور ہر ایک کی آواز اپنی اپنی وضع کے لحاظ سے جدا جدا۔ یہ وہ منظر ہے جو ہم رات دن دیکھتے رہتے ہیں۔

میں نے ایک روز کسی صاحب علم سے سوال کیا اور کہا کہ کیا آپکو اللہ تعالیٰ کی ذات میں وضع کی اس صورت سے انکار ہے کہ اگرچہ اسکا ہاتھ نہیں لیکن وہ کسی جسم میں لکڑی یا رسی جیسی کوئی چیز پیدا کر دے اور وہ کسی خاص انسان کی طرف اشارہ کر کے ہلتی جائے اور آواز سنا سنا کر ہر ایک عضو کے لئے الفاظ وضع کرتی جائے۔ اسی طرح لکڑی کی مختلف حرکتوں سے مختلف الفاظ وضع ہوجائیں۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ ایک ہی دفعہ سب الفاظ وضع کرنے پر بھی قادر ہے۔ تو گویا اس صورت میں لکڑی آدمی کے ہاتھ کی جگہ کام دے گی کہ اشارہ کر کے وضع الفاظ کو مفید ہوگی۔ جس طرح ایک آدمی بجائے ہاتھ کے لکڑی سے اشارہ کر کر کے الفاظ وضع کر سکتا ہے۔ اس سوال کا جواب ان صاحب کے پاس کچھ نہ تھا سوائے اس کے کہ ان کو تسلیم کرنا پڑا کہ ایسا ہونا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ اسے کوئی جواب بن نہ آیا۔ اور ظاہر ہے ہم آپ سب جانتے ہیں کہ اگر یہ نہ مانا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں خود بخود لغت نئے سرے سے وضع کیا ہے تو اس کے علاوہ اور کیا صورت ہو سکتی ہے۔ آپ خود ہی غور کریں۔

لغت کی اصل آوازیں

بعض کا خیال ہے کہ لغات کی اصل وہ آوازیں ہیں جو سنائی دیتی ہیں جیسے ہوا کی سرسراہٹ بادل کی گرج۔ پانی کے بہنے کی آواز۔ گدھے کا رینکنا۔ کوے کی کائیں کائیں گھوڑے کا ہنہنانا۔ ہرنی کی آواز۔ وغیرہ وغیرہ بس اس طرح لغات نکلتے چلے گئے۔

ابن جنی کا خیال

میرے نزدیک وضع لغت کی یہ صورت قرین قیاس ہے اور قابل قبول۔ اس کے بعد یوں سمجھئے کہ اکثر اوقات میں بڑی وضع لغت

Marfat.com

کے مسئلہ پر گہری سوچ بچار اور غور پرداخت کرتا رہا اور مختلف خیالات و نظریات نے میری فکری طاقت پر مختلف حیثیات سے اثر ڈالا۔ پھر میں نے اس شریف برگزیدہ اور لطیف لغت پر جب اپنا دھیان لگایا تو اس میں عجیب حکمت و باریکی، تیزی اور نرمی پائی جس میں میری قوت فکریہ گم ہو کر رہ گئی، یہاں تک کہ میں تقریباً مسحور سا ہو گیا۔ نیز اسی سلسلہ میں ساتھیوں سے کچھ اشارے بھی ملے اور میں نے انہیں جیسوں سے اور تحقیقات بہم پہنچائیں۔ غرض اسی کدو محنت کے بعد اور ان کی ہر بات پر گہری سوچ بچار کے بعد میں لا محالہ اسی نتیجہ پر پہنچا کہ جو کچھ ان بزرگوں کو سمجھنے کی توفیق نصیب ہوئی وہ بالکل حق اور صحیح ہے اور اس سلسلہ میں جو کچھ ان کو سعادت نصیب ہوئی ہے اس میں عجیب لطف و مزہ ہے۔ پھر اسی تحقیق کے ساتھ اس حقیقت کا اضافہ بھی ہو گیا کہ صحیح روایات بھی اس سلسلہ میں مل گئیں، جن سے پتہ چلا کہ لغت کی وضع اور بناوٹ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ لہذا ان سب واقعات نے مل کر میرے اس اعتقاد کو پختہ کردیا کہ وضع لغت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تلقین شدہ چیز ہے اور عین وحی من اللہ ہے۔

یہ تحقیق کا ایک رخ ہے اور اس کا ایک مخالف رخ بھی ہے جس کی طرف ہماری اور ہمارے اصحاب کی توجہ مبذول ہوئی اور یہ عجیب عمدہ روشن حکمت پر غور کے بعد؛ اور اس سے آپ کو بھی غالباً انکار نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے پہلے گو بہت مدت پہلے ایسی مخلوق پیدا کردی ہو جن کا ذہن ہم سے زیادہ تیز اور جن کا خیال ہم سے زیادہ دور رس اور جن کا دل ہم سے زیادہ جرأت رکھتا ہو اور انہوں نے لغت کی داغ بیل ڈالی ہو۔ لہذا ہم خیالات اور تحقیقات کے ان دونوں رخوں میں ٹھٹک کر رہ جاتے ہیں اور مغلوب ہو کر بیٹھ رہتے ہیں۔ اب اس کے بعد اگر کوئی ایسا خیال پیدا ہوا جس نے ایک رخ کو مضبوط کرکے دوسرے کو کمزور ثابت کیا تو ہم اس کے قائل ہوجائیں گے۔ اور مدد کا مطالبہ اللہ ہی سے ہے۔ یہ سارا کلام ابن جنی کا ہے۔

امام فخرالدین رازی کا خیال

امام فخرالدین رازی نے اپنی کتاب محصول میں اور ان کی پیروی میں تاج الدین ارموی نے کتاب حاصل میں اور سراج الدین ارموی نے کتاب تحصیل میں اسپر بحث کی ہے اور ان کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے:-

دوسری بحث لغت بنانے والے کے سلسلے میں۔ الفاظ یا تو خود بخود معانی کو بتلائیں گے یا بسبب وضع کے پھر وضع یا اللہ تعالےٰ کی جانب سے ہوگی یا لوگوں کی طرف سے یا بعض کی وضع اللہ تعالےٰ کی جانب سے اور بعض لوگوں کی طرف سے۔ پہلا خیال عباد بن سلیمان کا ہے دوسرا شیخ ابوالحسن اشعری اور ابن فورک کا، تیسرا ابوہاشم کا۔ چوتھے میں پھر دو صورتیں ہیں یا تو وضع کی ابتدا لوگوں سے ہوئی ہو اور اختتام اللہ سے یہ خیال قوم کا ہے یا اس کا الٹا ہوا ہو کہ ابتدا اللہ سے ہوئی اور اختتام لوگوں سے یہ خیال ابواسحق اسفرائینی کا ہے۔ محقق لوگ ساری صورتوں میں فیصلہ سے

خاموش ھیں ، البتہ عباد بن سلیمان کو کھلے الفاظ میں باطل کیا ہے ، اور وہ اس صورت سے کہ اس کے خیال پر ہر شخص ساری زبانوں کو سمجھنے لگے گا کیونکہ بدیں صورت الفاظ خود بخود معنی کو سمجھائیں گے اس میں کسی کی کوشش کو کوئی دخل نہیں ہوگا۔ حالانکہ یہ ہو نہیں سکتا کہ ہر شخص سارے لغات کو بیک وقت جانے ۔ عباد بن سلیمان کی دلیل اپنے مذہب پر یہ ہے کہ اگر الفاظ کی دلالت معانی پر خود بخود نہ ہو تو کسی کو کیا حق ہے کہ خاص خاص الفاظ کو خاص خاص معانی کے لئے بلا سبب خاص وضع کرے۔ اس دلیل کی تردید بدیں الفاظ کی گئی ہے کہ اگر واضع لغت اللہ تعالیٰ ہے تو اس کو حق ہے کہ بعض الفاظ کو بعض معانی کے لئے مخصوص کرے جس طرح اس نے عالم کو پیدا کرنے کے لئے تمام اوقات میں بعض وقت کو مخصوص کیا۔ اور اگر واضع لوگوں کو مانا جائے تو دل میں آنا بس یہی تخصیص کے لئے کافی ہے۔ فیصلہ سے خاموش رہنے والے دو برابر کے احتمالات کو صحیح پاتے ھیں یعنی یہ احتمال بھی صحیح ہوسکتا ھے کہ اللہ تعالیٰ نے الفاظ کو پیدا فرما کر ان کو خاص معانی کے لئے مخصوص فرمایا ہو اور پھر لوگوں میں ساتھ ساتھ یہ علم پیدا کردیا ہو کہ فلاں الفاظ فلاں معانی کے لئے وضع کئے گئے ھیں ۔ اور ممکن ہے اس میں اصطلاح کا ھاتھ ہو کہ کسی ایک نے یا کسی جماعت نے الفاظ کو معانی کے لئے وضع کیا ہو پھر دوسروں کو اسی طرح سمجھا دیا ہو جس طرح والدین اپنے بچوں کو سمجھا دیتے ھیں اور اس میں اشارے سے کام لیتے ھیں ۔ اور ممکن ھے بعض الفاظ کے ساتھ ایک صورت ہوئی ہو اور بعض کے ساتھ دوسری اور دونوں صورتوں کے لئے یہ دو دلیلیں ھیں ۔

لغت کو الہامی ماننے والوں کی دلیل

جو لوگ لغت کی وضع کو الہامی مانتے ھیں وہ اپنے خیال پر کئی وجہوں سے دلیل لاتے ھیں اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ۔

یہ قطعی دلیل ھے کہ اسماء سارے کے سارے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے ھیں ۔ یہی حال افعال و حروف کا ھے کیونکہ اس معاملہ میں کسی نے یہ تمیز پیدا نہیں کی ۔ اور یہ بھی ھے کہ اسماء میں افعال و حروف بھی آگئے کیونکہ وہ بھی اسماء ھیں ۔ اسم کے معنی در اصل نشانی کے ھیں اور یہ معنی افعال و حروف کو بھی شامل ھیں ۔ نحویوں نے بیشک تمیز کی ہے ، لیکن ہماری بحث لغت کے اعتبار سے ہے ۔ پھر یہ بھی ساتھ ساتھ ہے کہ خالی اسماء بولے نہیں جا سکتے تو وہ صرف مراد کیوں ہوں گے ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے اس قوم کی مذمت فرمائی ہے جو غیر الہامی اسماء کو بولتے ھیں ۔ فرمایا "ان ھی الاسماء سمیتموھا" ۔ اس سے صاف پتہ چلا کہ قوم کے گھڑے ہوئے اسماء کے علاوہ سب الہامی ھیں ۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے "ومن آیاتہ خلق السموات والارض واختلاف السنتکم والوانکم" یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمانا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف ہے ۔ یہاں زبانوں سے یہ گوشت کے ٹکڑے

مراد نہیں کیونکہ یہ تو سب کو ایک ملے ہیں اور دوسرے ان میں اللہ تعالیٰ کی کاریگری کا مظاہرہ ایسا نہیں جیسا کہ لغات میں ہے - لہٰذا یہاں لغات مراد ہیں - چوتھی وجہ عقلی ہے وہ یہ کہ اگر لغت اصطلاحی ہوتا تو وضع کے وقت بات چیت کیلئے کسی اور زبان کی ضرورت پڑتی یا لکھائی کی پھر اس زبان کی وضع پر بحث چلے گی لامحالہ یا تو دوری شکل ہوگی کہ یہ زبان اسپر موقوف ہوا اور وہ اس پر ، یا سلسلہ غیر متنا ہی چلے گا اور یہ دونوں صورتیں باطل ہین - ضرور نتیجہ یہی نکلنا پڑتا ہے کہ لغت کی وضع الہامی ہے -

لغت کو اصطلاحی ماننے والوں کی دلیل

وضع لغت کو اصطلاحی ماننے والوں کی دو دلیلیں ہیں : پہلی دلیل یہ ہے کہ لغت اگر الہامی ہو تو لازم آتا ہے کہ لغت کی وضع سے پہلے بعثت ہونی چاہئے ، کیونکہ الہامی ہونے کی شکل میں لغت کی تلقین کیلئے نبی کی ذات ہوگی ؛ ہر ایک سے اللہ تعالیٰ کا خطاب ممکن نہیں - حالانکہ لغت کی وضع بعثت سے پہلے ہوتی ہے نہ بعد میں - دلیل یہ ہے کہ ارشاد ہے : "وما أرسلنا من رسول الا بلسان قومه" یعنی ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر انہین کی قوم کی زبان میں - لہذا یہ آیت کھلی دلیل ہے کہ لغت کی وضع بعثت سے پہلے ہوتی ہے -

دوسری دلیل یہ ہے کہ لغت اگر الہامی ہوگا تو یا تو یہ صورت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ہر عقلمند کو صاف اور کھلا علم دیدیگا کہ فلاں فلاں الفاظ فلاں فلاں معانی کے لئے وضع کئے گئے ہین ، یا اس قسم کا علم غیر عاقل کو بخشے گا - یا کسی کو سرے سے علم ہی نہیں دیگا - اول صورت باطل ہے کیونکہ پھر ہر عقلمند اللہ کو صاف اور کھلے علم سے جان لیگا - جب وہ یہ جانے گا کہ فلاں الفاظ فلاں معانی کیلئے ہیں تو اسی علم سے وہ اللہ کی ذات کو بھی جانے گا - اس صورت میں تکلیف کا دروازہ بند ہوتا ہے - دوسری صورت میں یعنی غیر عاقل کو علم بخشا جائے یہ بھی ممکن نہیں اسکو ان الفاظ کا علم کیسے ہو سکتا ہے - تیسری صورت بھی باطل ہے ، کیونکہ جب ایک لغت کا علم نہیں بخشا جائے گا تو دوسرے کسی الہامی لغت کی ضرورت پیش آئے گی اور اس میں کسی اور کی اسطرح سلسلہ غیر متنا ہی چلے گا جو سراسر باطل ہے -

الہامی ماننے والوں کے دلائل کا جواب

انکی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آیت میں تعلیم اسماء کے معنی یہ نہیں کہ اسماء سکھا دیئے بلکہ اسماء کی وضع سکھائی - اگر یہ کہیں کہ تعلیم کے معنی علم پیدا کرنے کے ہیں تو ہم اسکو تسلیم نہیں کرتے - تعلیم تو محض ایک فعل ہے جس پر کبھی علم نصیب ہوتا ہے اور کبھی نہیں - اسلئے کہتے ہیں علمته فلم يتعلم - کہ میں نے اسکو تعلیم دی لیکن اسنے علم نہیں سیکھا - اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ تعلیم علم پیدا کرنے کے معنی ہیں تو علم کلام میں یہ بات طے پا چکی ہے کہ بندوں کے کام اللہ کے مخلوق کے تو اسپر جو علم حاصل ہوگا وہ اللہ ہی کا پیدا کردہ ہوگا - نیز اسماء کی تعلیم تسلیم کرلینے کے بعد اسکی یہی گنجائش ہے کہ اسماء نام ہو

اشیاء کی نشانیوں اور علامات کا ، مثلاً حضرت آدم ع کو اسکی تعلیم دی کہ گھوڑے دوڑنے کے لئے ہیں اور اونٹ بوجھ لادنے کے لئے اور بیل زمین پھاڑنے کے لئے۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ معنی مراد نہیں۔ اگر آپ اسماء محض الفاظ کا نام رکھیں تو یہ بالکل نئی اصطلاح ہے۔ پھر اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ اسماء نام انہیں الفاظ کا ہے لیکن یہ ہم کیوں نہ مانیں کہ ان الفاظ کو کسی قوم نے آدم ع سے پہلے وضع کرلیا اور وہی اللہ تعالیٰ نے آدم ع کو سکھا دیئے ہوں۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس لئے مذمت فرمائی کہ انہوں نے بتوں کا نام الٰہ رکھا تھا اور اسی کا اعتقاد رکھتے تھے۔ تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ زبان اسی گوشت کے ٹکڑے کا نام ہے۔ یہ تو بہرحال باتفاق رائے یہاں مراد نہیں لیکن وہ مجازی معنی زبان کے جو تم نے ذکر کئے ہیں اس کو دوسرے مجازی معنی روکتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ مخارج حروف مراد ہوں یا ان پر قدرت مراد ہو۔ اس کی کوئی وجہ نہیں کہ وہی مجازی معنی مراد ہوں جو اس مذہب والے مانتے ہیں۔ چوتھی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اصطلاح نہیں چاہتی کہ اس سے پہلے دوسری اصطلاح ہوچکی ہو چنانچہ والدین بچہ کو تعلیم دیتے ہیں حالانکہ وہاں کوئی دوسری اصطلاح نہیں ہوتی۔

لغت کو اصطلاحی ماننے والوں کی دونوں دلیلوں کا جواب

پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ الہامی ہونا بعثت پر موقوف ہو۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں علم ضروری پیدا فرمادے کہ فلاں فلاں الفاظ فلاں فلاں معنی کے لئے ہیں۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ عقلمندوں کو یہ ضروری علم عطا فرمائے کہ واضع نے ان الفاظ کو ان معانی کے لئے وضع کیا ہے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا علم ضروری حاصل ہونا لازم نہیں آتا۔ پھر اگر یہ بھی تسلیم کرلیں تو کیا یہ ممکن نہیں کہ بعض عقلمندوں کو اللہ کا موجود ہونا پہلے سے معلوم ہو اور اس پر جو انہوں نے کہا کہ بدیں صورت تکلیف ختم ہوجائے گی تو تکلیف معرفت کی ختم ہوجائے گی باقی تکالیف بدستور رہیں گی۔

لغت کا ثبوت

ابوالفتح بن برہان نے کتاب الوصول الی الاصول میں بیان کیا کہ لغت کے بارے میں علما کا اختلاف ہے کہ آیا وہ الہامی ہے یا اصطلاحی۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ لغات سب کے سب اصطلاح سے ثابت ہوتے ہیں اور ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ وہ الہام سے ثابت ہوتے ہیں۔ استاد ابواسحق اسفرائینی کا یہ خیال ہے کہ زبان کی اس قدر مقدار جس سے ایک انسان دوسرے انسان کو لغت وضع کرنے کے لئے بتلائے یہ تو الہامی ہے اور اس کے علاوہ حصہ ممکن ہے آپس کی وضع سے ثابت ہو۔ قاضی ابو بکر کا کہنا ہے کہ لغت ممکن ہے الہامی ہو اور ممکن ہے اصطلاحی۔ اور اس کا بھی امکان ہے کہ کچھ حصہ الہامی ہو اور کچھ اصطلاحی۔

سب صورتیں ممکن ہیں۔

قاضی موصوف کی دلیل یہ ہے کہ ممکن وہ ہوتا ہے کہ اگر اس کو موجود تصور کیا جائے تو اس سے کوئی محال بات لازم نہ آئے۔ اور لغت کے بارے میں یہ ممکن صورتیں سب اسی طرح کی ہیں کہ اگر یہ وجود کا جامہ پہن لیں تو کوئی محال لازم نہیں آتا۔ اس لئے ہم نے ان کو ممکن مانا ہے۔ معتزلہ کی دلیل یہ ہے کہ لغات اپنے معانی کو محض عقل کے ذریعہ نہیں سمجھاتے ورنہ پھر لغات میں اختلاف کیوں ہوتا۔ لغات کو اگر الہامی مانا جائے تو صورت یہی ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اول صرف الفاظ کا علم بخشے پھر ان کے معنی کا، پھر اس بات کا علم دے کہ فلاں لفظ فلاں معنی کو بتلاتا ہے۔ اگر وہ اپنی صفات کا علم بخشے تو ممکن ہوگا کہ وہ اپنی ذات کا علم بھی عطا کرے اور اگر وہ اپنی ذات کا علم عطا کرے گا تو تکلیف ختم ہوجائے گی اور محنت و تکلیف کا دروازہ بند ہوجائے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ اس بحث کی بنیاد در اصل فاسد پر رکھی گئی ہے۔ ہمیں یہ کہنے کا مجاز ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی ذات کا علم ضروری بخشے اور یہ مسئلہ در اصل اسی اصل کا نتیجہ ہے۔

استاد ابواسحق اسفرائینی کی دلیل یہ ہے کہ زبان کا وہ حصہ جس سے ایک انسان دوسرے انسان کو لغت واضع کرنے کے لئے بلائے اگر اصطلاحی ہو تو اس میں کسی اور اصطلاح کی ضرورت ہوگی جو اس سے پہلے ہوچکی ہو اور اسی طرح سلسلہ غیر متناہی حد تک چلے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ خیال باطل ہے، کیوں کہ انسان کے لئے ممکن ہے کہ دوسرے کو اسماء کے معانی سمجھائے جیسے بچہ کہ الفاظ کے معانی سے نا واقف پیدا ہوتا ہے پھر اپنے ماں باپ سے سیکھ لیتا ہے حالاں کہ کوئی دوسری اصطلاح نہیں ہوتی۔ جو لوگ لغت کو الہامی مانتے ہیں وہ اپنی دلیل آیت عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا سے پیش کرتے ہیں لیکن یہ کوئی قطعی دلیل نہیں کیوں کہ اس میں صراحت و وضاحت نہیں۔ اس میں عموم ہے اور عموم استغراق کو مفید ہے۔ قاضی ابوبکر کہتے ہیں کہ مذکورہ دلیل سے لغت کا الہامی ہونا قطعی طور سے ثابت ہے، لیکن کس طرح سے یہ الہام وقوع میں آیا اس پر اس وقت کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا جب تک کوئی نقلی دلیل نہ مل جائے۔

امام الحرمین کی رائے

امام الحرمین نے برھان میں بیان کیا کہ اصولی لوگ اصل لغت میں اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ الہامی چیز ہے جو محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ لغت اصطلاح اور اتفاق رائے سے ثابت ہوا ہے

استاد ابو اسحٰق اسفرائینی مع اپنے شاگردوں کے اس خیال کے حامی ہیں کہ لغت کی اس قدر مقدار جس سے آپس میں بات طے ہوسکے لامحالہ ماننا پڑے گا کہ الہامی ہے۔ ہمارے نزدیک پسندیدہ خیال یہ ہے کہ عقل کی رو سے یہ ساری صورتیں جائز ہیں

الہامی ماننے کی صورت میں تو دلیل پیش کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ الہامی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے سینوں میں کھلا علم ودیعت فرمادے جس سے وہ خاص خاص الفاظ کو خاص خاص معانی کے لئے خود بخود سمجھ لیں اور اسکا پورا انکشاف ہو جائے اور پھر اسی الہامی اثر سے وہ اپنے ارادے اور اختیار سے الفاظ وضع کرتے جائیں اور اصطلاحی ہونے کی صورت یہ ہوسکتی ہے اور یہ دائرہ امکان میں ہے کہ اللہ تعالی عقلمندوں کے دل میں وضع لغت کا داعیہ پیدا کرے اور پھر بعض کو بعض کا مقصد سمجھا دے۔ اس کے بعد وہ اپنے اختیار سے صیغے بنائیں اور اپنے حالات کے پیش نظر ان کے معانی تجویز کرلیں اور یہ بالکل قرین قیاس ہے۔ اور اسی طریقہ سے بچہ بولتا ہے کہ اپنی سنی سنائی بات دُہرا دُہرا کر جیسا چاہتا ہے سمجھاتا اور بتاتا جاتا ہے۔ اب جب یہ دونوں مذکورہ صورتیں جائز اور ممکن ہوئیں تو استاد ابو اسحٰق کے خیال کی صحت کی کوئی وجہ نہیں رہی۔ الہامی اور اصطلاحی دونوں صورتوں کی بنا اُن علوم پر ہے جو دلوں میں اللہ کی طرف سے جاگزیں ہوجاتے ہیں۔ اور ان کے ثبوت سے کسی کو مجال انکار نہیں تو پھر ان دونوں صورتوں کے جواز و امکان کو روکنے کا کس کو حق حاصل ہے۔ اگر یہاں یہ سوال پیدا ہو کہ تم نے بدیں تقریر دونوں صورتیں جائز مانیں لیکن تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ ان میں سے کون سی صورت وقوع پذیر ہوئی۔ تو ہم اس کا یہ جواب دیں گے کہ وقوع کا مسئلہ عقلی راستوں سے حل ہونے والا نہیں ایک جائز الوقوع امر کے وقوع پذیر ہونے کا علم تو نقل اور سننے سنانے سے حاصل ہوسکتا ہے اور اس باب میں ہمیں کوئی نقل نہیں ملتی کہ ہم اس میں کچھ لب کشائی کرسکیں۔

رہا معاملہ آیت شریف عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کا تو اس سے کسی ایک صورت پر دلیل نہیں لائی جاسکتی۔ اس سے نہ اس کے جواز میں کوئی فرق آتا ہے کہ حضرت آدمؑ کو لغات کا بالکل پتہ نہ ہو اور اللہ تعالیٰ آپ کو سب کے سب سکھادے نہ اس صورت کے امکان میں کوئی قباحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آپ کے دل میں جاگزیں کر دیا ہو اور پھر ان کے معانی بتا دئے ہوں۔

علامہ غزالی کا بیان

علامہ غزالی نے کتاب منخول میں بیان کیا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ لغات سب کے سب اصطلاحی ہیں کیونکہ الہام کا ثبوت رسول کے قول سے ہو سکتا ہے اور رسول کا قول بغیر وجود لغت کے سمجھا نہیں جاسکتا (اسلئے الہامی ماننے پر بھی اصطلاح کو تسلیم کرنا پڑے گا)۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ لغات الہامی ہیں کیونکہ اصطلاح کی شکل میں ایک دوسرے کو اصطلاح بنانے کے لئے بلانا پڑتا ہے اپنا مقصد سمجھانا پڑتا ہے اور اسکے لئے پھر اصطلاح کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ بعض نے کچھ تفریق کی ہے اور کہا ہے کہ جسقدر زبان سے لغت وضع کرنے کا ارادہ ظاہر ہو وہ تو الہامی ہے اور باقی اصطلاحی۔ ہم لغت کا اصطلاحی ہونا جائز سمجھتے ہیں اس طرح کہ اللہ تعالیٰ

ایک شخص کے دماغ میں کوئی بات پیدا کرے اور وہ وہی بات ادا کرے اور دوسرا یہ سمجھ لے کہ یہ اصطلاحی لفظ ہے۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ لغت الہامی ہو اسطرح کہ اللہ تعالیٰ بعض خطوط اور نشانیاں ایسی پیدا فرمائے جس سے دیکھنے والا ایک عبارت پڑھ لے پھر وہ دوسرے کو سمجھادے پھر اسی طرح ایک دوسرے سے سلسلہ چل پڑے۔ عقل ان سب صورتوں کے جواز میں کوئی قباحت نہیں جانتی — بچہ کو دیکھئے کہ وہ ماں باپ کی بات سن سن کر بات کرتا ہے اور کچھ آثار سے بات کا پتہ لگالیتا ہے۔ لہذا یہ سب صورتیں جائز ٹھہریں۔ رہا یہ معاملہ کہ ان صورتوں میں سے کونسی صورت واقع ہوئی تو اسکا علم عقل سے حاصل کرنا مشکل ہے — اور نقل کا سراغ نہیں لگتا۔ البتہ آیت "وعلم آدم الاسماء کلھا" سے بظاہر الہامی ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن کوئی یقینی بات نہیں کیونکہ یہاں یہ بھی احتمال ہے کہ جو اسماء حضرت آدم ع کو سکھائے وہ کسی اور قوم کی اصطلاح ہو جو حضرت آدم ع سے پہلے پیدا ہو گئی ہو۔

ابن حاجب کا بیان

ابن حاجب نے اپنی کتاب مختصر میں بیان کیا سارے اقوال میں ابوالحسن اشعری کا قول زیادہ قرین قیاس ہے۔ قاضی تاج الدین سبکی نے شرح منہاج البیضاوی میں لکھا ہے کہ ابن حاجب کے مذکورہ قول کا یہ مطلب ہے کہ لغت کے سلسلہ میں کسی ایک احتمال پر قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا البتہ زیادہ گمان بتاتا ہے کہ اشعری کا خیال ٹھیک ہے۔

پھر تاج الدین نے کہا کہ بعض ناسمجھ معترض ہوتے ہیں کہ ابن حاجب نے ایک نرالا مذہب اور خیال نکالا ہے۔ اس مسئلہ میں علما یا تو کسی خاص صورت پر فیصلہ کرنے سے خاموش رہے ہیں یا پھر انہوں نے کسی ایک جانب پر یقین کیا ہے، لیکن یہ کہنا کہ زیادہ گمان یہ ہے یہ بالکل نیا خیال ہے۔ تاج الدین نے کہا کہ یہ بات لچر ہے۔ کیونکہ بعض وقت فیصلہ نہ کرنیکی صورت میں بھی ایک طرف گمان غالب ہوتا ہے۔ اب اگر مسئلہ ظنی ہوتا ہے تو یہ ظن غالب عمل کے لئے کافی ہوتا ہے اور اگر مسئلہ یقینی ہوتا ہے تو عمل رکا رہتا ہے۔ پھر کہا کہ انصاف تو اسی کا حامی ہے کہ اشعری کا قول بروئے دلائل صحیح ہو۔ فیصلہ نہ کرنے والا اگر اسلئے خاموش ہے کہ یقین کے اسباب نہیں۔ تو وہ بھی حق بجانب ہے۔ اگر وہ یہ کہتا ہے کہ کسی طرف ظن غالب بھی نہیں تو اسکا یہ قول قابل تسلیم نہیں۔ یہ وہ حق فیصلہ ہے جو علمائے متاخرین نے اس بحث پر کیا ہے۔ ان میں سے شیخ تقی الدین محمد بن علی ہیں جو ابن دقیق کے نام سے مشہور ہیں اور انکا یہ خیال کتاب "شرح عنوان" میں مذکور ہے۔ رفع الحاجب میں ہے کہ مسئلہ کی دو صورتیں ہیں ایک جواز کی اور اس میں دو خیال ہیں ایک یہ کہ لغت صرف الہامی ہی ہوسکتا ہے دوسرا یہ کہ لغت صرف اصطلاحی ہی ہوسکتا ہے۔ دوسری صورت وقوع کی ہے کہ دونوں خیالات کو جائز قرار دیتے ہوئے کون سی صورت واقع ہوئی۔ پہلی صورت میں تیسرا خیال یہ ہے کہ دونوں خیالات مذکورہ ممکن اور جائز ہیں۔ انکار کسی ایک سے

Marfat.com

نہیں کر سکتے۔ محققین علماء اسی تیسرے خیال کے حامی ھیں اور یہی قول اشعری کا بھی ھے میں جہاں تک جانتا ھوں اشعری نے وقوع پر بحث کی ھے ، باقی اس کے نزدیک لغت کا اصطلاحی ھونا جائز ھے۔ اگر اس کا مذھب اس کے خلاف ھوتا تو قاضی وغیرہ جو اس کے کلام کے محقق ھیں ضرور نقل کرتے، حالانکہ انہوں نے اس کو کہیں نقل نہیں کیا بلکہ قاضی کے کلام میں اس کا ذکر تک نہیں ۔ نہ امام الحرمین اور ابن قشیری اشعری نے اس کو چھیڑا ھے ، جہاں وہ لغت کی ابتداء کا مسئلہ اٹھاتے ھیں۔ امام الحرمین نے جواز کی صورت میں اختلاف کو نقل کیا ھے پھر کہا ھے کہ وقوع کسی سے ثابت نہیں۔ قشیری وغیرہ بھی اسی کی تائید کرتے ھیں۔

تنبیہات ــ لغات کے علم کا راستہ

(۱) اشعری کے قول کے مطابق اگر لغت کو الہامی مانیں تو اسکا علم حاصل کرنے میں مختلف خیالات ھیں۔ ابن حاجب نے انکو نقل کیا ھے۔ ایک یہ کہ حضرات انبیاء کی وحی اسکا ذریعہ ھو۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی جسم میں آوازیں پیدا فرمادے۔ تیسرا یہ کہ بعض میں علم پیدا ھو جائے جس سے لفظوں کے معنی کا پتہ چل سکے ۔ ابن سبکی نے رفع الحاجب میں کہا ھے کہ ان تینوں صورتوں میں قرین قیاس پہلی صورت ھے۔ کیونکہ علم کا کھلا راستہ وحی ھے ۔

(۲) امام رازی کا مذکورہ قول کہ ممکن ھے حضرت آدمؑ کو سکھائے ھوئے الفاظ کسی اور قوم کی اصطلاح ھوں جو ان سے پہلے پیدا ھو گئی ھو۔ رفع الحاجب میں ھے کہ ھم یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ حضرت آدمؑ سے پہلے جن یا بن تھے ۔ کیونکہ اسکا کوئی ثبوت نہیں ملتا ۔ بلکہ قاضی نے تقریب میں کہا ھے کہ ممکن ھے فرشتوں نے یہ الفاظ وضع کر رکھے ھوں جو حضرت آدمؑ سے پہلے پیدا ھو چکے تھے ۔ ابن قشیری نے کہا ھے کہ حضرت آدمؑ سے پہلے فرشتے انہیں الفاظ میں بات چیت کرتے اور سمجھتے سمجھاتے تھے۔

(۳) لغت کو اصطلاحی ماننے والوں کا یہ قول کہ اگر لغت الہامی ھوتا تو بعثت الہام سے پہلے ھوتی زیادہ بہتر ھے اس جواب سے جو امام نے ابن حاجب کے قول کا دیا ھے کہ کہا اگر حضرت آدمؑ نے اسکی تعلیم دی ھو تو دوسری شکل پیدا نہیں ھوگی۔ رفع الحاجب میں ھے یہ اس لئے کہ حضرت آدمؑ کی دو حالتیں ھیں ایک نبوت کی حالت اور یہی پہلی حالت ھے اور اسی میں آپ وحی سے سرفراز ھوئے اور آپ نے لغات کی تعلیم حاصل کی۔ اور پھر وھی مخلوق کو سکھائے پھر اس حالت کے بعد آپ مبعوث ھوئے ۔ تو گویا آپکی بعثت اس وقت ھوئی کہ لوگ لغت کی تعلیم حضرت آدمؑ سے حاصل کر چکے تھے اور اسلئے آپ اپنی قوم کی زبان میں مبعوث ھوئے ۔ اور آپ کی نبوت رسالت پر مقدم ھے ۔ اور تعلیم لغت اسکے درمیانی وقفہ میں ھوئی ۔ بس یہ صورت دور باطل ھونے کی ھے ۔

لغت کی تبدیلی کا امکان

رفع الحاجب میں ھے میرے نزدیک صحیح یہ ھے کہ اس بحث میں کوئی فائدہ نہیں ھے۔ ابن الانباری وغیرہ کا بھی یہی خیال ھے اور اسی وجہ سے کہا گیا ھے کہ اصول کی بحث میں اسکو لانا فضول ھے ۔ بعض نے کہا

Marfat.com

ہے کہ اس بحث سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ لغت کی تبدیلی جائز ہے یا نہیں۔

اب جو لوگ لغت کو الہامی مانتے ہیں انھوں نے تبدیلی سے قطعاً روکا ہے گویا انکے نزدیک جائز نہیں کہ کپڑے کو گھوڑا کہنے لگیں یا گھوڑے کو کپڑا۔ اور لغت کو اصطلاحی ماننے والوں نے اسکو جائز رکھا ہے۔ البتہ جو کسی صورت کا فیصلہ نہیں کر سکے تو وہ جیسا کہ مارزی نے کہا ہے مختلف الخیال ہیں۔ بعض اسکو جائز سمجھتے ہیں جیسے اصطلاحی ماننے والے۔ ابوالقاسم عبدالجلیل صابونی نے اس سے منع کیا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے الہام اس طرح ہوا ہو کہ بس صرف یہی الفاظ بولے جائیں ان کے خلاف نہیں۔ ابن سبکی نے کہا کہ میرے نزدیک حق یہ ہے اور مارزی کا کلام بھی اسی کی طرف مشیر ہے کہ اس مسئلہ میں اصل سابق کو کوئی دخل نہیں کیونکہ اگر الہامی ہونا ثابت ہو جائے تو ہم پر کوئی پابندی نہیں لگتی کہ مخصوص الفاظ کے علاوہ نہ بولے جائیں۔ اگر پابندی اور رکاوٹ لگ بھی جائے تو یہ صرف امر خارجی ہے۔ اور شریعت نازل ہونے سے پہلے تابع چیزوں کا وہی حکم ہوتا ہے جو اصل اشیاء کا ہے اور شریعت میں ایسی ممانعت بھی ثابت نہیں۔ باقی صابونی کا صرف احتمال ظاہر کرنا قابل تسلیم نہیں۔

مارزی نے کہا ہے کہ یہ بات محققین علماء کے نزدیک ثابت ہوچکی ہے کہ چیز محض اس احتمال سے حرام نہیں ہوتی کہ ممکن ہے شریعت نے اس کو حرام کیا ہو بلکہ جب تک حرمت کی دلیل ثابت نہ ہوجائے کوئی اس کی حرمت کا حکم نہیں لگاتا۔

پھر کہا کہ حرمت کی نسبت اگر احتیاط کی طرف کی جائے تو وہ مسئلہ پر بحث دوسری حیثیت ہے۔ پھر ساری گفتگو اس صورت میں ہے کہ لغت کی تبدیلی نظام کی ابتری کا باعث نہ ہو اور احکام کو گڑ بڑ نہ کردے ورنہ اگر ایسی صورت ہو تو بموجب قول مارزی کے اس کی ممانعت میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اوو یہ ممانعت بھی محض لغت کے پیش نظر نہیں بلکہ اُن برے نتائج کے باعث ہے جو اس سے پیدا ہوتے ہیں۔

شرح منہاج میں ہے کہ مسئلہ کی بنیاد اس اصل پر رکھنا صحیح نہیں کیونکہ یہ اصل جو بنائے بحث ہے وہ یہ ہے کہ یہ لغات جو ہم میں شائع و ذائع ہیں یہ اصطلاحی ہیں یا الہامی کسی خاص شخص کے بارے میں بحث نہیں جو اپنے ساتھی کے ساتھ مل کر اصطلاح بنالے کہ مثلاً گھوڑے کو کپڑا کہا کریں گے۔

الہام کب ہوا

زرکشی نے بحر میں کہا ہے کہ استاد ابو منصور ایک قول نقل کرتے ہیں جس کے بموجب طوفان نوح ع سے پہلے الہام ایک ھی لغت کے لئے ہوا تھا اور باقی لغات کے لئے الہام طوفان کے بعد ہوا جب کہ حضرت نوح ع کی اولاد اطراف زمین میں پھیل گئی۔ اس نے حضرت ابن عباس رض سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ اصل عربی جس میں قرآن نازل ہوا اس میں سب سے پہلے حضرت اسماعیل ع نے کلام فرمایا اور رہی قحطان اور حمیر کی عربی تو وہ حضرت اسماعیل ع سے پہلے رائج تھی۔ شرح اسماء میں ہے کہ

Marfat.com

مفسرین صحابہ اور تابعین کی اکثر جماعت کا خیال ہے کہ سارے لغات الہامی ہیں اور ہمارے محقق حضرات کی رائے ہے کہ اصل ایک لغت کا الہامی ہونا لابدی ہے کیونکہ سارے لغات پر اول ہی سے اصطلاح مقرر کرنا محال ہے جبکہ اصطلاح مقرر کرنے والوں کو یہ پتہ نہ ہو کہ وہ کس چیز پر اصطلاح مقرر کر رہے ہیں البتہ جب ایک لغت پر الہام ہوجائے تو پھر ممکن ہے کہ دوسرے لغات پر اصطلاح مقرر کریں یا پھر وہ بھی الہامی ہو۔ بہر حال اس پر دلیل ملنی چاہئے۔ بغیر دلیل کے کسی ایک صورت پر فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ پھر کہا کہ لغت عرب کے بارے میں اختلاف ہے۔ جن کا یہ خیال ہے کہ لغات سارے کے سارے اصطلاحی ہیں تو وہ لغت عرب کو بھی اصطلاحی مانتے ہیں اور جو یہ کہتے ہیں کہ صرف ایک لغت پر پہلے الہام ہوا اور بعد کے لغات پر اصطلاح مقرر ہوئی تو وہ بھی لغت عرب کے متعلق مختلف القول ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ لغت عرب اول لغت ہے، اور لغات اس کے بعد کے ہیں خواہ الہامی ہوں یا اصطلاحی۔ اور اس خیال کی دلیل یہ لاتے ہیں کہ قرآن مجید عربی ہے تو لامحالہ عرب کا لغت سب سے پہلے وجود میں آیا ہوگا۔ بعض کا خیال ہے کہ لغت عرب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حمیر کی عربی جو حضرت ھود علیہ السلام کے زمانہ میں یا آپ سے پہلے بولا جاتا تھا یا اب بھی کچھ بولا جاتا ہے، اور دوسرا خالص عربی لغت جس میں قرآن مجید نازل ہوا اور جس میں سب سے پہلے حضرت اسماعیل ع نے گفتگو فرمائی۔ پھر اس صورت میں بھی دو احتمال نکلتے ہیں اول یہ کہ حضرت اسماعیل نے جرہم کے ساتھ مل کر اصطلاح مقرر کرلی ہو اور عربی لغت بنا لیا ہو جو اس وقت وہیں فروکش تھے، یا اس لغت کا حضرت اسماعیل ع پر الہام ہوا ہو، اور یہی صورت ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔

اللہ تعالی کی طرف سے حضرت آدم ع کو لغات کی تعلیم

اس سلسلہ میں احادیث وارد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ع کو لغات کی تعلیم فرمائی۔ وکیع نے اپنی تفسیر میں تین واسطوں سے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے اور آیت علم آدم الاسماء کلھا کے ذیل میں لکھا ہے کہ اللہ تعالی نے آپ کو ہرشئی کی تعلیم دی یہاں تک کہ پیالہ اور دبر سے خارج ہونے والی ہوا تک کا نام بتایا۔ ابن جریر ابن ابی حاتم اور ابن منذر حضرات نے بھی اپنی اپنی تفاسیر میں حضرت ابن عباس رض کی یہی روایت بیان کی ہے اور ان کے الفاظ یہ ہیں : ''یہاں تک کہ بڑا پیالہ اور دیگچی اور ہرچیز یہاں تک کہ دبر سے خارج ہونے والی ہوا کا نام بتایا''۔ وکیع نے سعید بن جبیر رض سے بھی روایت کی ہے اور یوں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ع کو ہر شئی کا نام بتایا یہاں تک کہ اونٹ گائے اور بکری کا بھی۔ وکیع اور عبد بن حمید نے اپنی اپنی تفاسیر میں مجاھد رح سے روایت کی ہے اور آیت مذکورہ کے ذیل میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ع کو ہر شئی کی تعلیم دی اور عبد بن حمید کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ جو کچھ اللہ نے پیدا فرمایا سب کی

Marfat.com

تعلیم دی۔ اسی طرح عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی تفاسیر میں ابن عباس رضؓ سے آیت مذکورہ کے ذیل میں روایت کی ہے اور الفاظ یہ ہیں کہ اللہ تعالی نے حضرت آدم ؑ کو ان کی اولاد میں سے ایک ایک انسان کا اور جانوروں میں سے ایک ایک چوپائے کا نام بتایا، مثلاً کہا، یہ گدھا ہے یہ اونٹ ہے اور یہ گھوڑا ہے۔ ابن جریر نے ضحاک کے واسطے سے ابن عباس رضؓ سے روایت بیان کی ہے اور آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ یہ وہی نام ہیں جن کو لوگ جانتے پہچانتے ہیں جیسے انسان چوپایہ زمین، ہموار زمین، سمندر پہاڑ گدھا اور اسی قسم کی مخلوقات اور جنسوں اور قوموں کے نام۔ عبد بن حمید نے آیت مذکورہ کے ذیل میں سعید بن جبیر رضؓ سے روایت کی ہے کہ ہر چیز کا نام بتایا مثلاً انسان کا چوپایہ کا اور ہر شئی کا نام۔ اور عبد نے قتادہ رضؓ سے آیت کے ذیل میں روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کو اپنی مخلوقات کے وہ نام بتائے جن کو فرشتے نہیں جانتے تھے۔ پس ہر چیز کو اس کے نام سے پکارا اور ہر ایک کو اپنی جنس سے ملا دیا۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضؓ سے آیت مذکورہ کے ذیل میں روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کو پیالہ اور دبر سے خارج ہونے والی ہوا تک کا نام بتایا۔ اسحق بن بشر نے کتاب المبتدأ میں اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں عطار سے روایت نقل کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا آدم انبئهم باسمائهم، تو آدم ؑ نے فرمایا یہ اونٹنی ہے یہ اونٹ ہے یہ گائے ہے یہ بھیڑ ہے یہ بکری ہے یہ گھوڑا ہے۔ فرمایا یہ میرے رب کی مخلوق ہے پس حضرت آدم ؑ نے جس شئی کا جو نام لے دیا وہ اس کا نام ہے قیامت تک۔ آپ چیز کو اس کے نام سے پکارتے اور وہ چیز آپ کے سامنے سے گذرتی جاتی تب فرشتے جان گئے کہ حضرت آدم اللہ کے نزدیک ان سے زیادہ بزرگ اور زیادہ باعلم ہیں۔ میرے نزدیک ان بیانات و روایات سے علم لغت کی زبردست فضیلت اور بے پناہ برتری ثابت ہوتی ہے۔ دیلمی نے مسندالفردوس عطیہ بن بشر سے مرفوع روایت بیان کی ہے اور آیت مذکورہ کے ذیل میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو ان سب اسماء میں ہزار پیشے بھی سکھائے۔ ابن جریر نے ابن زید سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت آدم ؑ کو آپ کی ساری ذریت کے نام جتادئے گئے تھے۔ اور ربیع بن انس رحؒ سے روایت بدیں معنی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کو فرشتوں کے نام سکھائے۔ ابن ابی حاتم نے حمید شامی سے روایت نقل کی ہے اور اس میں ہے کہ حضرت آدم ؑ کو ستاروں کے نام بتائے گئے۔

وہ زبان جس کو لیکر حضرت آدم ؑ جنت سے اترے

ابن عساکر نے تاریخ میں ابن عباس رضؓ سے روایت بیان کی ہے کہ جنت میں آدم ؑ کی زبان عربی تھی۔ پھر جب آپ سے لغزش ہوئی تو آپ کی زبان سریانی ہوگئی۔ اسکے بعد جب توبہ کی تو دوبارہ عربی ہوگئی۔ عبدالملک بن جیب کا قول ہے کہ جنت سے اترنے کے بعد حضرت آدم ؑ کی زبان عربی تھی۔ پھر جب عرصہ دراز گزرا اور مدت لمبی ہوگئی تو اس میں تبدیلی ہوگئی اور اس نے

Marfat.com

سریانی زبان کی شکل اختیار کرلی جس کی نسبت سوری یا سوریانہ زمین کی طرف ہے اور یہ اس قطعہ زمین کا نام ہے جس پر حضرت نوح ع کی قوم غرق سے پہلے آباد تھی ۔ یہ زبان عربی سے ملتی جلتی تھی اور اس میں تحریف کر دی گئی تھی ۔ حضرت نوح ع کی کشتی میں بیٹھنے والوں کی زبان یہی تھی البتہ ایک شخص کی زبان یہ نہیں تھی جس کا نام جرہم تھا ۔ اس کی زبان اصل عربی تھی ۔ جب کشتی سے اترے تو ارم بن سام نے جرہم کی لڑکی سے شادی کرلی اس لئے اس کی اولاد میں غوص ، ابی عاد ، عبیل ، جائز ، ابی ثمود اور جدیس کی عربی رہی ۔ اور عاد کو جرہم کہا گیا کیونکہ وہ اس کا نانا تھا ۔ ارفخشذ بن سام کی اولاد کی زبان سریانی رہی یہاں تک کہ یشجب ابن قحطان کی اولاد میں جو یمن میں آباد تھی یہی زبان چلتی رہی ۔ وہیں حضرت اسماعیل ع کی اولاد آباد ہوئی تو آپ کی اولاد سے قحطان کی اولاد نے عربی سیکھ لی ۔

عرب کے اقسام

اول قسم عاربۃ و عرباء کی ہے اور یہی خالص عرب ہیں ان میں نو قبیلے ہیں ۔ عاد ثمود آمیم عبیل طسم جد ، تمین عملیق جرہم اوروبار ۔ انہیں سے اسماعیل ع نے عربی سیکھی ۔ دوسری قسم متعربہ کی ہے ۔ صحاح میں کہا ہے کہ یہ قحطان کی اولاد ہیں اور یہ خالص عرب نہیں ۔ تیسری قسم مستعربہ کی ہے یہ بھی خالص عرب نہیں جب کہ صحاح میں ابن وجیہ کا کہنا ہے کہ یہی اولاد اسماعیل ع ہیں جو معد بن عدنان بن اد کی اولاد ہیں ۔ ابن درید نے جمہرہ میں کہا ہے کہ عرب عاربہ کے سات قبیلے ہیں : عاد ثمود عملیق طسم جدیس امیم و جاسم ۔ ان کے اکثر تو مٹ مٹا گئے اور جو باقی ہیں وہ بکھر بکھرا گئے اور قبیلوں میں بٹ گئے ۔ اور قحطان کا بیٹا محصرزم اس کو یعرب کے لقب سے اس لئے یاد کیا گیا کہ اسی کی زبان سب سے پہلے سریانی سے عربی ہوئی اور بدیں وجہ صحاح میں ہے کہ سب سے پہلے عربی یعرب بن قحطان نے بولی ۔

مخلوق کا بابل میں جمع ہونا

ابن عساکر نے تاریخ میں اپنی سند سے حضرت انس بن مالک سے موقوف حدیث نقل کی ہے کہ جب مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے بابل میں جمع فرمایا تو ان پر ہوا بھیجی اور سب انتظار میں رہے کہ ان کو کس لئے جمع کیا ہے ۔ کسی پکارنے والے نے پکار کر کہا کہ جو شخص مغرب کی جانب کو اپنی داھنی جانب اور مشرق کو اپنی بائیں جانب کرے اور اپنے چہرہ کو بیت حرام کی طرف ، تو اس کی زبان وہی ہوگی جو آسمان والوں کی ہے ۔ اس پر یعرب بن قحطان کھڑا ہوا تو اس سے کہا گیا کہ اے یعرب بن قحطان بن ہود تم ہی وہ آدمی ہو لہذا یعرب ہی پہلا وہ آدمی ہے جس نے عربی خالص میں کلام کیا ۔ اس کے بعد پکارنے والا کہتا رہا جس نے ایسا اور ایسا کیا اس کے لئے ایسا اور ایسا ہے ۔ اس طرح بہتر زبانیں بن گئیں پکارنے والے کی پکار بند ہو گئی اور زبانیں ایک دوسرے سے مل جل گئیں اور اس لئے اس مقام کا نام بابل پڑا ۔ اس زمانے میں بابلی زبان رائج تھی ۔

Marfat.com

حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت بریدہ رض سے روایت نقل ہے اور حاکم نے اس کی تصحیح بھی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول بلسانٍ عربیٍ مبینٍ میں جرہم کی زبان مراد ہے ۔

سب سے پہلا وہ شخص جس نے عربی میں کلام کیا

محمد بن سلام جمحی نے کتاب طبقات الشعراءُ میں کہا ہے کہ یونس بن جیب کا قول ہے کہ اول وہ شخص جو عربی بولا اسماعیل ابراہیم ع ہیں ۔ پھر کہا کہ مجھکو خبر دی مسمع بن عبدالملک نے اور انہوں نے محمد بن علی کو یہ کہتے سنا کہ جس نے سب سے پہلے عربی بولی وہ اسماعیلؑ ہیں جو اپنے والد کی زبان بھول گئے اور انہوں نے عربی کی بنیاد ڈالی ۔ محمد بن سلام یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ یہ حدیث مرفوع ہے یا نہیں ان کا زیادہ تر خیال یہی ہے کہ مرفوع ہے حاکم نے مستدرک میں تصحیح کے ساتھ اور بیہقی نے شعب الایمان میں سفیان ثوری کے طریق سے حضرت جابر رض سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی الہ علیہ وسلم نے قرآناعربیا لقوم یعلمون کی آیت تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا کہ حضرت اسماعیل ع کو اللہ تعالیٰ نے عربی زبان کا الہام فرمایا ۔ محمد بن سلام یونس کے واسطہ سے ابی عمر بن علاءُ کا کلام نقل کیا ہے کہ عرب سب کے سب حضرت اسماعیلؑ کی اولاد ہیں مگر حمیر اور جرہم کی باقی ماندہ نسل ۔ اس طرح یہ بھی بروایت ثابت ہے کہ اسماعیل ع انہیں کے پڑوس میں بسے اور ان سے شادی برات کا رشتہ کیا ۔ لیکن محمدؒ بن علی نے جو عربی مراد لی ہے وہ ہے جس میں قرآن مجید آترا اور جو عرب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بولتے تھے اور یہ عربی وہ نہیں ہے جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں ۔ حافظ عمادالدین بن کثیر نے اپنی تاریخ میں کہا ہے کہ تمام عرب کو حضرت اسماعیل بن ابراہیم ع کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ، حالانکہ صحیح اور مشہور بات یہ ہے کہ خالص عرب (عرب عاربۃ) حضرت اسماعیل ع سے پہلے تھے ۔ ہم یہ پہلے بیان کر آئے ہیں کہ عرب عاربہ حسب ذیل قبیلے ہیں عاد ۔ ثمود طسم جدیس امیم جرہم عمالیق اور دوسرے خاندان جنکو خدا ہی جانتا ہے ۔ یہ حضرت ابراہیم ع سے پہلے بھی تھے اور آپ کے زمانہ میں بھی البتہ عرب مستعربہ عرب حجاز کہلاتے ہیں جو حضرت اسماعیل ع کی اولاد ہیں ۔ یمن اور حمیر کے عرب قحطان کی طرف منسوب ہیں جس کا نام مہزم تھا ۔ ابن ماکولا کی تحقیق بھی یہی ہے ۔ مورخین کی تحقیق ہے کہ یہ چار بھائی تھے قحطان قاحط مقحط اور فالغ ۔ یہ قحطان بن ہود ہے ۔ بعض کے نزدیک وہ ہود ہے اور بعض کا خیال ہے کہ ہود اس کا بھائی ہے ، چند کہتے ہیں کہ ہود اس کی اولاد میں سے تھا ۔ بعض کا خیال ہے کہ قحطان حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے ہے ۔ ابن اسحاق وغیرہ نے یہی لکھا ہے ۔ عام طور سے علماءُ حضرات اسی کے قائل ہیں کہ عرب قحطانیہ عرب یمن ہیں اور انکے علاوہ عرب حضرات اسماعیل ع کی اولاد نہیں ہیں ۔ شیرازی نے کتاب الالقاب میں کئی واسطوں سے نبی صلے الہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کی ہے کہ سب سے پہلے عربی لغت کیلئے جس نے

Marfat.com

زبان کھولی وہ حضرت اسماعیل ع ہیں جب کہ آپ کی عمر صرف چودہ برس کی تھی یونس بن جیب نے شیرازی سے کہا کہ تم نے سچ کہا اسی طرح ابوجزی نے حدیث بیان کی ہے۔ دراصل اس سلسلہ سند میں جمحی کی بیان کردہ سند کا اتصال ہے۔

نبی ص تک لغت کا بذریعہ وحی پہنچنا

حضرت نبی علیہ السلام تک لغت کا بذریعہ وحی پہنچنا۔ ابواحمد غطریف نے اپنے سلسلہ سند سے اور کئی واسطوں سے حضرت عمر بن الخطاب رض سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ آپ ہم سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہیں حالانکہ آپ ہمارے پاس سے کہیں باہر تشریف نہیں لے گئے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت اسماعیل ع کی زبان مٹ مٹا چکی تھی حضرت جبریل ع تشریف لائے اور انہوں نے مجھکو یہ زبان یاد کرادی اورمیں نے یاد کرلی۔ ابن عساکر نے بھی اپنی تاریخ میں اسی حدیث کی روایت کی ہے۔ بیہقی نے شعب الایمان میں یونس بن محمد کے واسطہ سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کی ہے کہ ایک تاریک رات میں آپ نے اپنے اصحاب کو خطاب فرما کر کہا کہ تم اس صاف بادل کو کس طرح دیکھ رہے ہو۔ سب نے عرض کیا، کیا خوب ہے اور کیا اچھا ہے اس کا پرت در پرت ہونا! پھر سوال فرمایا کہ اس کی بنیادوں کو تم کس طرح پاتے ہو عرض کیا بہت خوب ہے اور بڑی مضبوط ہے۔ پھر سوال فرمایا کہ اس کی بنیادوں کو تم کس طرح پاتے ہو۔ عرض کیا بہت خوب ہے اور بڑی مضبوط ہے۔ پھر سوال فرمایا کہ اس کی سیاہی کو کیسا پاتے ہو عرض کیا خوب ہے اور کتنی گہری ہے اس کی سیاہی! پھر سوال فرمایا اس کی چمک کو کس طرح پاتے ہو۔ کیا چھپی ہے یا کوند رہی ہے یا بیچ میں سے پھٹ کر چمک رہی ہے۔ سب نے عرض کیا بیچ میں سے پھٹکر چمک رہی ہے۔ پھر فرمایا الحیاء یعنی اب یہی سرسبزی اور شادابی کی پیشین گوئی ہے۔ ایک صحابی بول اٹھے یا رسول اللہ آپ میں کسقدر فصاحت و بلاغت ہے آپ سے زیادہ فصیح عربی بولنے والا ہم نے کسی کو نہیں پایا۔ آپنے فرمایا بیشک مجھے ایسا ہی ہونا چاہیئے کیونکہ مجھ پر صاف اور کھلی عربی زبان میں قران مجید نازل ہوا ہے۔ دیلمی نے مسند فردوس میں حضرت ابو رافع سے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو میری امت کی شکل اسی وقت دکھادی گئی تھی جب کہ وہ پانی اور مٹی میں تھی۔ اور مجھ کو وہ سارے اسماء سکھائے گئے جو حضرت آدم کو سکھائے گئے تھے۔

کونسی مصلحت وضع لغت کا سبب بنی

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ وہ کون سی مصلحت تھی جس کی بناء پر وضع لغت کی ضرورت پیش آئی۔ کیاؔ ہراسی نے اصول فقہ میں اپنی تعلیق میں کہا کہ انسان اپنی معاشی ضروریات اور حوائج روزگار میں خود اپنے لئے کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے لابدی ہے کہ اس سلسلے میں غیر سے مدد حاصل کرے اور اسی لئے لوگوں نے شہر آباد کئے تاکہ مل جل کر اور ایک دوسرے کی مدد سے زندگی گذاریں۔ کہا گیا ہے کہ

Marfat.com

انسان فطرتاً اجتماعی زندگی بسر کرنے کا عادی ہے کیونکہ تنہائی درندوں کی خصلت ہے اور اسی بناء پر ہنر لوگوں میں بٹ گئے اور پیشے مخلوق میں تقسیم ہوگئے۔ ہر ایک نے اپنا پورا وقت اسی پیشہ کے نذر کر دیا جس میں وہ لگ گیا۔ کیونکہ مخلوق میں سے ہر شخص اپنے سارے مقاصد کو خود بخود پورا کرنے سے عاجز ہے۔ اب ان حالات میں دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو اس کی ضرورت و حاجت کی جگیں اس کے پاس موجود ہوں جن کی طرف وہ اشارہ کرکے اپنا مقصد حل کرلے یا وہ غائب ہوں اور اس سے دور ہوں تو اس وقت ضرورت پیش آئے گی کہ وہ اپنے مقصود کو کسی ذریعہ سے سمجھائے اور اپنی حاجت روائی کرے۔ بس اسی ضرورت کی بنا پر بول چال نکالی گئی اور لغت کی ایجاد ہوئی پھر سب سے زیادہ تیز حرکت کرنے والا عضو بدن زبان تھی جو تیزی ہے الٹ پلٹ ہوسکتی ہے، چنانچہ اس سے یہ کام لیا گیا۔

اب یہ کلام دو چیزوں سے بنا حرف سے اور آواز سے۔ آواز کو اگر غفلت سے جاری چھوڑ دو تو لمبی ہوجائے گی اور بے معنی ہو جائیگی اور کاٹیں تو کٹ جائے گی لہذا اس کو کاٹا گیا اور ان اعضاء بدنی کی حرکات کے مطابق اس کے ٹکڑے کئے گئے جن سے آواز نکلتی ہے اور وہ آواز پھیپھڑے کے انتہائی حصہ سے شروع ہوکر منہ کے انتہائی حصہ تک آتی ہے۔ کلام کے لئے حروف بلا کم و کاست ۲۹ طے ہائے۔ پھر ان حروف کو حلق سینہ ہونٹ مسوڑوں پر تقسیم کیا گیا پھر یہ محسوس کیا گیا کہ یہ ۲۹ حروف انفرادی حیثیت سے مقصود کو حل نہیں کرسکتے اس لئے اسے کلام بنایا اور دو دو تین تین چار چار پانچ پانچ حرفوں کو ملا کر کلام مرکب کیا بس اصل ترکیب یہیں تک ہے۔ اگر پانچ حروف سے زائد حرف ہو تو وہ کلمہ کو ثقیل اور بھاری کردے گا اس لئے کوئی کلمہ اصل پانچ حرف سے زائد نہیں ہوگا۔ مگر بطور الحاق یا کسی خاص ضرورت کی بناء پر۔ اب عقلی تقاضا تو یہ تھا کہ ہر مطلب کے لئے جدا عبارت ہوتی لیکن یہ دائرۂ امکان سے باہر ہے کیونکہ کلمات گنے چنے ہیں اور کیوں نہ ہوں مواقع استعمال اور ان کے جائے صدور گنے چنے ہیں لہذا مجبوری پیدا ہوئی کہ ایک اسم کو کئی کئی معنی کے لئے وضع کیا جائے گویا عبارت ایک ہی ہو اور مطلب جدا جدا۔ ہوں، جیسے لفظ عین۔ آنکھ کے لئے، حرف تہجی کے لئے عمدہ شئی کے لئے؛ جاسوس کے لئے چشمہ کے لئے۔ یا جیسے لفظ جون۔ اس گھاس کے لئے جو سبز سیاہی مائل ہو؛ جو سفید ہو؛ جو سیاہ ہو؛ جو خالص سرخ ہو۔ یا جیسے لَوْن۔ جو ایک چیز کو دوسرے سے ممتاز کردے؛ رنگ؛ قسم وغیرہ کے لئے؛ اسی قسم کے مقابلہ میں ایسے الفاظ بھی وضع کئے جو سب کے سب ایک ہی معنی کو سمجھائیں، کیونکہ بعض وقت معنی کی تاکید کے لئے یا آسانی اور بھڑکانے کے لئے ایسے لفظوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اگر ایک ہی لفظ کو بار بار لائیں تو کانوں کو سخت نا گوار ہو اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب ایک چیز بار بار آتی ہے تو بگڑ جاتی ہے انسان کی طبیعت و سرشت میں اس چیز کی نفرت ہے جو بار بار لوٹائی جائے۔ اسی لئے بعض وقت الفاظ بدل دیئے جاتے ہیں اور

Marfat.com

معنی ایک ہی رکھے جاتے ہیں۔

ہم معنی اور قریب قریب معنی کے الفاظ

پھر بعض الفاظ ہم معنی ایجاد ہوئے اور بعض قریب قریب معنی کے۔ ہم معنی کی مثال جیسے شراب کے لئے عقار صہباء قہوہ اور سلسال اور درندہ کے لئے لیث۔ اسد۔ ضرغام۔ قریب قریب معنی کے الفاظ جیسے اصلح الفاسد بگڑے ہوئے کی درستی کی۔ لَمّ الشعث بکھرے ہوئے اور پراگندہ کو درست کیا اور جمع کیا۔ رَتَق الفتق۔ ٹوٹے ہوئے کو جوڑا اور درست کیا۔ ان جملوں میں اصلح لم اور رتق قریب قریب معنی کے الفاظ ہیں۔ ان ایجادات کی بلیغ آدمی کو ضرورت پڑتی ہے اور اس کی بلاغت کا انہیں سے مظاہرہ ہوتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں خَطِیْبٌ مُصْقَعٌ وَ شَاعِرٌ مُفْلِقٌ۔ مقرر بلیغ ہے اور بلند آواز اور شاعر خوش کلام ہے۔ لہذا الفاظ کی تبدیلی اور معنی کے اتحاد سے عبارت میں رنگینی پیدا ہوتی ہے اور دلوں میں معانی خوش اسلوبی سے اترتے ہیں۔ کلام کا حسن معنی کی چاشنی مطلب کی پاکیزگی دوبالا ہوجاتی ہے یہ سارا کرشمہ مختلف الفاظ اور تشبیہات کا ہے۔ شعراء مقررین اور فصیح کلام لوگوں کو اکثر اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔ پھر ایک طرف حقیقت و مجاز کا باب کھلا کیونکہ ہر جگہ حقیقت کا استعمال زیب نہیں دیتا، بعض جگہ مجاز ہی مناسب ہوتا ہے، اس لئے مجاز اور استعارہ کی حاجت محسوس ہوئی۔

وضع الفاظ کا سبب

امام فخرالدین اور ان کے متبعین کا بیان ہے کہ وضع الفاظ کا سبب اس ح پیدا ہوا کہ انسان خود اپنی حاجتوں کو پورا نہیں کر سکتا بلکہ مدد کا محتاج ہے اور مدد کا مدار شناسائی پر ہے اور شناسائی بغیر اسباب کے ہو نہیں سکتی۔ مثلاً حرکتوں سے اشاروں سے تصاویر سے یا الفاظ سے جو مختلف مقاصد کے لئے وضع ہوں ان میں سب سے آسان مفید اور عام سبب الفاظ کا ہے۔ آسان اس لئے کہ حروف اُن کیفیات کا نام ہے جو ہوا سے پیدا ہونے والی آوازوں سے وجود میں آتی ہیں اور یہ ہوا بلاتکلف فطری طور سے نفس کے ساتھ خارج ہوتی ہے، لہذا الفاظ کا وجود آسان ہوا۔ مفید اس لئے کہ حاجت کے وقت کام میں آتے ہیں بغیر حاجت کے غائب ہوجاتے ہیں۔ عام اس لئے کہ بعض جگہ اور صورتیں کام نہیں دیتیں سوائے الفاظ کے۔ مثلاً اللہ تعالی کی ذات اور علوم کے لئے تصویر سے کام نہیں لے سکتے غائب اشیاء کے لئے اشارہ غیر ممکن ہے البتہ الفاظ سب جگہ کام دیتے ہیں۔ لہذا مطالب و مقاصد کے لئے الفاظ وضع ہوئے۔

وضع کی تعریف

تاج الدین سبکی نے شرح منہاج البیضاوی میں بیان کیا کہ وضع کے معنی ہیں کہ ایک شئی کو ایک شئی کے لئے مخصوص کرنا اس طرح کہ جب شئی اول بولی جائے تو اس سے شئی ثانی سمجھ لی جائے۔ پھر کہا کہ یہ تعریف نہایت مناسب ہے۔ کیونکہ مثلاً جب کہتے ہیں "قام زید" کھڑا ہوا زید

Marfat.com

تو اس سے زید کا کھڑا ہونا سمجھا جاتا ہے۔ یہاں اگر یہ سوال پیدا ہو کہ ''قام زید'' سے زید کا کھڑا ہونا سمجھاتا ہے خواہ اس کو بولیں یا نہ بولیں پھر بولنے کی قید کیوں لگائی جاتی ہے، تو جواب یہ ہوگا کہ کلام بعض وقت کلام کی حیثیت سے نکل جاتا ہے اور بعض وقت مختلف قیدوں سے اس کے معنی بدل جاتے ہیں مثلاً جب کہا قامَ النّاسُ۔ لوگ کھڑے ہوئے تو اس کلام سے سب کا کھڑا ہونا سمجھا گیا۔ لیکن اسی کے شروع میں (اِن) کی قید لگا کر اگر بولیں اور کہیں اِنْ قامَ النّاسُ تو یہ جملہ کلام کی حیثیت سے نکل گیا اور بے معنی ہوگیا؛ اور اگر قید بعد میں لگائیں اور کہیں قامَ النّاسُ الّا زیداً۔ کہ لوگ کھڑے ہوئے مگر زید۔ تو کلام نے معنی تو دئیے مگر سب کے آنے کو ظاہر نہیں کیا، بلکہ زید کو ان میں سے نکال دیا۔ لہذا اس بحث سے پتہ چلا کہ قام الناس سب کے آنے کی خبر اسی وقت دے گا جب کہ اس کے آگے پیچھے کوئی قید نہ ہو۔ بلکہ ایک تیسری شرط بھی ہے وہ یہ کہ کلام قصد و ارادہ سے نکلا ہو کیونکہ اگر سونے کی حالت میں یا بھول چوک سے کلام کیا تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ بس یہ تین شرطیں کلام کو با معنی کرتی ہیں۔ سننے والا بھی ان شرطوں سے باخبر رہے اس پوری تحقیق سے معلوم ہوا کہ قام الناس سب کے آنے کو جب ہی بتائے گا جب کہ یہ اسی طرح بولا جائے اور اسی لئے ہم نے بولنے کی قید لگائی۔ اگر یہ شک کریں کہ بولنے کی شرط کیوں لگائی جاتی ہے جب کہ لفظ خود بخود مطلب سمجھانے میں کافی ہے واضع نے اس کو وضع اسی لئے کیا ہے۔ تو اس شک کا جواب یہ ہوگا کہ وضع کے معنی یہ ہیں کہ واضع نے لفظ کو خاص معنی کے لئے اس لئے وضع کیا ہے کہ جب بھی متکلم اس کو استعمال میں لائے وہ اس معنی کا فائدہ دے تو فائدہ پہنچانے والا در حقیقت متکلم ہے اور لفظ تو محض اس کا ایک اوزار ہے۔ اگر پھر سوال پیدا ہو کہ اگر ہم کسی سے یہ سنیں ''قام الناس'' اور یہ نہ جانیں کہ متکلم کا قصد و ارادہ ہے یا نہیں اور نہ یہ پتہ چلے کہ اس کی ابتدا یا اس کا خاتمہ کس طرح ہوا تو کیا ہم خبر دے سکتے ہیں کہ فلاں متکلم نے ایسا کہا کہ سب لوگ کھڑے ہوئے۔ ہم جواب میں کہیں گے کہ مقام غور طلب ہے۔ ایسا کہنا ٹھیک بھی ہے، کیونکہ بظاہر تو اس کی ابتداء اور انتہاء کا کچھ پتہ نہیں؛ اور ٹھیک نہیں بھی کیونکہ لفظ اصل کلام نہیں بلکہ کلام در حقیقت وہ ہے جو متکلم کے دل میں چھپا ہے لفظ تو اس پر ایک نشانی ہے اور اس نشانی کی شرطیں ہیں جو بدیں صورت نہیں پائی گئیں۔ پھر یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ متکلم کے قصد کا پتہ لگانا تو ضروری ہے کیونکہ وہ شرط ہے اور شرط میں جب شک ہو تو وہ شک اس شئی پر بھی اثر انداز ہوتا ہے جس کے لیے وہ شرط ہے البتہ ابتداء انتہاء کا عام نہ ہونا کوئی ایسی مخل شرط نہیں کیونکہ یہ دونوں باتیں کلام کو صحت سے روکتی ہیں اور اگر روکنے والی چیزوں میں شک ہو تو اس سے اصل حکم میں شک نہیں پیدا ہوتا۔ کیونکہ بظاہر تو کوئی مانع نہیں۔ میرے والد بزرگوار کا قول تھا کہ تینوں شرطوں کا علم ہونا ضروری ہے۔

Marfat.com

سبکی کا کلام ختم ھوا۔

واضع نے کیا وضع کیا

پانچواں مسئلہ۔ اس میں اختلاف ھے کہ واضع نے محض مفرد الفاظ کو وضع کیا ھے یا ان کے مرکبات اسنادیہ کو بھی رازی ابن حاجب ابن مالک وغیرہ کا خیال ھے کہ صرف صرف مفردات وضع ھوئے ھیں ورنہ مفردات کی طرح عرب سے مرکبات کے نقل کی حاجت رھے گی اور تاوقتیکہ نقل نہ مل جائے مرکبات استعمال نہیں کرسکیں گے۔ اور قراقی اور تاج الدین سبکی نے جمع الجوامع میں اور ان کے علاوہ اصولی علما' نے مرکبات کو موضوع قرار دیا ھے کیونکہ عرب نے جس طرح مفردات پر پابندیاں لگائی ھیں اسی طرح مرکبات پر بھی پابندیاں لگائی ھیں۔ ابن ایار نے شرح الفصول میں کہا ھے کہ کلام وہ لفظ ھے جو بذریعہ وضع فائدہ بخشے۔ جزولی نے بھی اسی طرح کہا ھے مگر شیخ سعد الدین کا قول اس کے خلاف ھے۔ انہوں نے کہا کہ واضع نے جملوں کو اس طرح وضع نہیں کیا جس طرح مفردات کو وضع کیا بلکہ جملوں کو متکلم کی صوا بد ید پر چھوڑا۔ اور اس کی دلیل یہ ھے کہ اگر جملوں کا حال مفردات کی طرح ھوتا تو مفردات کی طرح جملوں کا استعمال اور ان کے معانی کا سمجھنا بھی عرب سے نقل پر موقوف ھوتا۔ اھل لغت پر بھی ذمہ داری آتی کہ مفردات کی طرح اپنی کتابوں میں جملوں کو بھی ضبط کرتے اور عرب کے کلام سے ان کا پتہ لگاتے۔ حالانکہ ایسا نہیں ھے۔

کیا ھر معنی کے لئے لفظ کا ھونا ضروری ھے

چھٹا مسئلہ۔ امام فخرالدین رازی نے کہا کہ یہ ضروری نہیں کہ ھر معنی کے لئے لفظ ھو کیونکہ عقل میں آنے والے معانی تو بے گنتی ھیں اور الفاظ گنے چنے۔ ظاھر ھے الفاظ حروف سے بنے ھیں اور حروف گنے ھوئے ھیں اور جو چیز بے گنتی اشیا' سے بنے گی وہ بھی بے گنتی ھوگی اور گنی ھوئی شئی بے گنتی شئی کو ادا نہیں کرسکتی۔ ورنہ ادا شدہ چیز کا گنا ھوا ھونا ثابت ھوگا۔ اس لئے علما' نے کہا ھے کہ حاجت میں آنے والے مطالب کے لئے تو الفاظ کا ھونا ضروری ھے بغیر اس کے چارہ نہیں، کیونکہ ضرورت مجبور کر رھی ھے اور کوئی رکاوٹ بھی نہیں ھے، البتہ بلا ضرورت یا نادر ضرورت کے لئے الفاظ کا وضع ھونا اور نہ ھونا دونوں ممکن ھیں۔

وضع سے غرض کیا ھے

ساتواں مسئلہ۔ وضع سے یہ غرض نہیں ھوتی کہ محض مفردات معانی سمجھ میں آجائیں بلکہ مرکبات اور ان کی نسبتوں کی فہمائش مقصود ھوتی ھے، مثلاً حالت فاعلیت حالت مفعولیت وغیرہ وغیرہ ورنہ اس کے خلاف صورت میں دور لازم آئے گا۔ یہ اس طرح کہ الفاظ مفردہ سے معانی کا سمجھنا اس پر موقوف ھے کہ ان الفاظ کا معانی کے لئے موضوع ھونا معلوم ھو اور یہ موقوف ھے اس پر ان معانی کا علم ھو تو معانی کا علم وضع کے علم سے پہلے ھوگا۔ پس اس صورت پر اگر ھم معانی کا علم وضع سے حاصل کریں تو علم معانی لامحالہ علم وضع سے پیچھے ھوگا۔ اور بھی

Marfat.com

دوری شکل ھے۔ اگر یہاں یہ شک ھو کہ یہی دوری شکل مرکبات میں بھی نکل سکتی ھے اس صورت سے کہ مرکب اپنے مطلب کو نہیں سمجھا سکتا جب تک کہ اس کے موضوع ھونے کا اس مطلب کے لئے معلوم نہ ھو اور یہ علم چاھتا ھے کہ پہلے مطلب کا علم ھو۔ پس اگر ھم اسی مرکب سے اس مطلب کا علم حاصل کرنا چاھیں تو لا محالہ دور لازم آئے گا۔ اس کا جواب ھم یہ دیں گے کہ ھم تسلیم نہیں کرتے کہ مرکب سے اسکے مطلب کو سمجھنا اسکے موضوع ھونے کے علم پر موقوف ھے بلکہ صرف اسقدر علم پر موقوف ھے کہ الفاظ مفردہ معانی مفردہ کے لئے موضوع ھیں یہاں تک کہ جب الفاظ مفردہ پڑھے جائیں تو ان سے معانی مفردہ سمجھ لئے جائیں اور ان الفاظ کی حرکت سے جو آپس کا تناسب ھے اس کا بھی پتہ لگ جائے۔ لہذا اب مفردات و مرکبات کا فرق خوب واضح ھو گیا۔

کیا الفاظ ذھنی صورتوں کے مقابلہ میں

قریب آنے پر جب درخت سمجھا تو درخت کہا اور نزدیک ھونے پر جب گھوڑا سمجھا تو اس کا نام گھوڑا رکھا اور جب اس کی تحقیق ھو گئی کہ یہ تو انسان ھے تو اس نے اس کو انسان کا نام دیا۔ اس سے صاف معلوم ھوا کہ ذھنی صورت بدلنے سے الفاظ بدل جاتے ھیں خارجی اشیاء کے بدلنے سے نہیں بدلتے اور اس سے یہ نتیجہ برآمد ھوا کہ وضع ذھنی معنی کے لئے ھے نہ خارجی اشیاء کے لئے۔ صاحب تحصیل نے اس دلیل کا جواب یہ دیا ھے کہ صورذھنیہ کے بدلنے سے الفاظ اسلئے بدلے کہ وہ واقع میں ان کو اسی طرح سمجھتا چلا گیا نہ اس سبب سے کہ اس کے ذھن میں یہ چیزیں ایسی آتی چلی گیئں۔ اسنوی نے شرح منہاج البیضاوی میں کہا ھے کہ مذکورہ جواب ظاھر ھے اور اس کا بظاھر یہ بھی جواب دیا جا سکتا ھے کہ لفظ صرف معنی کے لئے بلا قید وصفت وضع ھوتا ھے، ذھنی یا خارجی کا لحاظ نہین ھوتا کیونکہ یہ تو معنی کی زائد صفتیں ھیں جو وضع میں غیر ملحوظ ھوتی ھیں۔ اسکے علاوہ کبھی ایسا بھی ھوتا ھے کہ موضوع (معنی) صرف ذھن ھی میں پایا جاتا ھے جیسے علم وغیرہ

لئے بنا ہے اور علم لغت امور جزئیہ کے لئے لیکن وضع کے دونوں محتاج ہیں ۔ ابوحیان کا کلام ختم ہوا ۔

زرکشی نے بحرالمحیط میں کہا ہے کہ اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ مفردات سارے موضوع ہیں جیسے لفظ انسان حیوان ناطق کے لئے قام خاص زمانہ میں وقوع قیام کے لئے ۔ معل امید و آرزو کیلئے وغیرہ وغیرہ ۔ البتہ مرکبات کے بارے میں اختلاف ہے جیسے قام زید یا عمر منطلق ۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ موضوع نہیں اور اس لئے اہل لغت نے مرکبات اور ان کی تالیف سے کوئی بحث نہیں کی انہوں نے اپنی بحث کا دار و مدار وضع مفردات پر رکھا یہ صرف اس حقیقت کے ماتحت کہ اس امر کو متکلم کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ۔ فخرالدین رازی نے اسی خیال کو صحیح مانا ہے اور بظاہر ابن مالک کا خیال بھی یہی ہے، کیونکہ کہا کہ کلام کی دلالت عقلی ہے وضعی نہیں ۔ اور اپنی کتاب الفیصل علی المفصل میں دو وجہوں سے اس پر دلیل پیش کی ۔ ایک یہ کہ جو شخص کلام عربی کے صرف دو لفظ مفرد جانتا ہو جو ایک دوسرے کی طرف اسناد کی صلاحیت رکھتے ہیں تو وہ شخص جب ان کو مع اسناد کے سنے گا اس کے سمجھ لینے میں اس کو کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی خود بخود سمجھ لے گا ۔ دوسرے یہ کہ موضوع الفاظ کا شمار رکھنا ضروری ہے اور کسی لفظ کی ان میں زیادتی منع ہے جیسا کہ مفردات اور ان مرکبات کا حال ہے جو مفردات کی جگہ قائم ہوتے ہیں اب اگر پورا مرکب کلام بھی وضع سے تعلق رکھے گا تو یہ بات اس میں بھی ہونی چاہئے اور اس صورت میں ہمارے لئے روا نہیں ہوگا کہ ہم کوئی ایسا کلام بولیں جو پہلے نہ بولا گیا ہو ۔ جس طرح مفردات الفاظ میں ہم وہی بول سکتے ہیں جو پہلے بولے جا چکے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہم رات و دن نئے کلام بناتے ہیں اس حقیقت سے صاف پتہ چلا کہ وضع کو کلام میں دخل نہیں ۔ کلام زرکشی ختم ہوا ۔ ابن ایاز نے اپنے شیخ سے یہ کلام نقل کیا ہے کہ اگر جملوں کا حال وضع میں مفردات کی طرح ہوتا تو جملوں کے استعمال اور ان کے سمجھنے میں عرب سے کلام نقل کرنے کی حاجت ہوتی جس طرح مفردات میں ہے اور اہل لغت کے لئے ضروری ہوتا کہ تمام جملوں کا پتہ کلام عرب سے لگاتے اور پھر ان کو اپنی کتابوں میں درج کرتے جس طرح انہوں نے مفردات کے ساتھ عمل کیا نیز مرکبات کی دلالت اپنے معنیٔ ترکیبی پر عقلی ہے وضعی نہیں ۔ مثلاً جس نے زید کے معنی جان لئے اور قائم کے معنی بھی سمجھ لئے اور پھر کلام زید قائم سنا اپنے مخصوص اعراب کے ساتھ تو وہ خود بخود اس کلام کو سمجھ گیا اور قیام کی نسبت کا بھی اس کو علم ہوگیا جو زید کی طرف ہے البتہ کلام کو اس لحاظ سے موضوع کہہ سکتے ہیں کہ وہ ان مفردات کی معرفت پر موقوف ہے جو محض وضع سے سمجھے جاسکتے ہیں ۔ پھر یہ بھی ہے کہ کلام کے لئے ایک تو اجزاء مادی ہیں جن سے وہ بنا ہے اور دوسرا جز صوری جس سے اس نے شکل پائی ہے جس کا دوسرا نام تالیف ہے اسی طرح اس کے معنی کے بھی مادی اجزاء ہیں اور ایک جزء صوری، اب لفظ کے مادی اجزاء

بالوضع دلالت کرتے ھیں معنی کے مادی اجزاء پر اور لفظ کا جزء صوری دلالت کرتا ھے بالوضع معنی کے جزء صوری پر۔ مرکبات کے بارے میں دوسرا خیال یہ ھے کہ یہ موضوع ھیں مثلاً "زید قائم" محض اسناد اور نسبت کے لئے وضع ھوا ھے اور اس کے مفردات میں تاکیدی پھلو مد نظر نہیں اور اس میں کوئی منافات بھی نہیں کہ مرکب کی وضع تقویت کے ساتھ ھو یا اسناد کے لئے، بلا لحاظ تقویت مفردات۔ اور اختلاف لغات سے مرکب کی وضع میں کوئی اختلاف رونما نہیں ھوتا بعض زبانوں میں مضاف مضاف الیه سے پھلے آتا ھے اور بعض میں بعد میں، اگر مرکبات وضعی نہ ھوتے بلکہ عقلی ھوتے تو معنی ایک ھی سمجھے جاتے خواہ مضاف مضاف الیه سے پھلے آئے یا بعد میں - ابن حاجب کا ظاھری کلام اسی تحقیق کو ثابت کرتا ھے جھاں اس نے کہا ھے کہ کلمات مفرد بھی ھوتے ھیں اور مرکب بھی۔ قرافی نے مذکورہ تحقیق کو صحیح بتایا ھے اور دوسروں نے اس کو جمھور علماء کا مذھب بتایا ھے دلیل اس کی وھی ھے جو سطور بالا میں ذکر ھوئی کہ عرب نے مرکبات پر بھی وھی پابندی لگائی ھے جو مفردات پر لگائی ھے۔ مثلاً انھوں نے کہا ھے کہ "ان قائم زیداً" عربی کلام نہیں ھے البتہ "ان زیداً قائم" عربی کلام ھے اسی طرح انھوں نے کہا ھے کہ "فی الدار رجل" عربی کلام ھے اور "رجل فی الدار" عربی کلام نہیں ھے - ھمیں طور عرب مرکبات پر پابندی لگاتے چلے گئے ھیں - اس سے صاف پتہ چلتا ھے کہ مرکبات میں وضع کو دخل ھے۔

زرکشی نے کہا ھے کہ عرب نے انواع مرکبات کو وضع کیا ھے اور جزئیات انواع کو نہیں مثلاً فاعل کے سلسلہ میں انھوں نے ایک جامع تعریف کردی کہ فعل کی نسبت اس کی طرف کرنا جس سے فعل صادر ھوا ھے۔ رھے خاص خاص فاعل تو اس کے بارے میں وضع کو دخل نہیں۔ یا مثلاً انّ و اخوات کے احکام بتا دیے لیکن یہ کہ ان کے اسماء کیا ھوں گے تو وضع اس سے سروکار نہیں رکھتی اسی طرح ساری نوعی ترکیبوں کا یھی حال ھے، گویا عرب نے معنی سے متعلق چیزوں کو متکلم کی صوابدید پر چھوڑا ھے۔ اگر وضع کا قائل مذکورہ حقیقت مراد لیتا ھے تو وہ اپنے خیال میں حق بجانب ھے اور اگر کوئی اور حقیقت تو ھم اس کو نہیں مانتے۔ مثنیٰ اور جمع کے بارے میں کوئی حوالہ نہیں ملتا مگر بظاھر معلوم ھوتا ھے کہ یہ دونوں موضوع ھیں کیونکہ یہ مفرد ھیں اور مفرد کی تعریف میں شامل ھیں۔ چنانچہ جمع تکسیر کے وھی احکام ھیں جو مفرد کے ھوتے ھیں - البتہ ابن مالک نے صاف کہا ھے کہ یہ دونوں موضوع نہیں ھیں اس کی وجہ یہ بیان کرنا بعید از عقل ھے کہ ابن مالک کے نزدیک چونکہ مرکبات موضوع نہیں اس لئے اس نے مثنیٰ اور مجموع کو بھی غیر وضعی بتا دیا۔ کیونکہ ان دونوں میں تو ترکیب ھے ھی نہیں۔ مرکب میں اسناد ھوتی ھے اور یھاں اسناد کھاں۔ یھی حال اسم جمع اور جنس کا ھے جو چند چیزوں پر دلالت کرتے ھیں ان کو بھی غیر موضوع بتانا

Marfat.com

عجیب بات ہے کیونکہ یہ تو اکثر سماعی ہیں جو لامحالہ وضع کو چاہتے ہیں اور ابن نے صاف کہا ہے کہ جو اسم دو پر دلالت کرے وہ موضوع ہے۔ جوینی کا بیان ہے کہ جمع کے لئے وضع پہلے ہوئی ہے کیونکہ اس کی ضرورت بہت پڑتی ہے اور تثنیہ کی بعد میں۔ اس لئے بعض زبانوں میں تثنیہ نہیں ہے اور بعض میں ہے اور جمع سب میں ہے۔ چنانچہ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ جمع کم از کم دو ہوتی ہے۔ گویا واضع نے شروع سے اس طرح کہا ہے کہ چیز یا تو ایک ہے یا زیادہ اور زیادتی میں تثنیہ اور جمع دونوں کو لے لیا۔ کلام جوینی ختم۔

لفظ کیوں وضع ہوتا ہے

نواں مسئلہ۔ امام عضدالدین ایجی اپنے اس رسالہ میں رقمطراز ہیں جو انہوں نے وضع کے مضمون پر لکھا ہے کہ لفظ کبھی وضع کیا جاتا ہے شخص معین کے لئے اور کبھی شخص معین کے لئے وضع ہوتا ہے، لیکن اس میں ایک امر عام ملحوظ ہوتا ہے یعنی وہ امر جو کئی مشخص چیزوں میں شریک ہوتا ہے۔ پھر کہا کہ آخری قسم میں جدا جدا مشخص چیزیں آتی ہین جو جدا جدا سمجھ میں اتی ہیں اور فائدہ بھی اُن کا علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے ان میں امر مشترک کا لحاظ نہیں ہوتا۔ یہ امر مشترک محض وضع کا ذریعہ بنتا ہے لفظ اس کے لئے وضع نہیں ہوتا تو گویا وضع کلی ہوئی اور موضوع مشخص۔ مثلاً اسم اشارہ (ھذا) بمعنی (یہ) کہ یہ مشخص چیز کے لئے وضع ہوا ہے اس قسم کا موضوع اپنے معنی پر بغیر کسی خاص علامت کے دلالت نہیں کرتا کیونکہ اس کے لئے سارے جدا جدا مشخصات برابر ہوتے ہیں بغیر کسی خاص وجہہ کے کسی ایک پر کیوں دلالت کرے۔ پھر امام نے کہا کہ لفظ کے معنی کلی ہوتے ہیں یا جزی مشخص۔ اول یعنی کلی اگر ذات ہو تو اسم جنس کہلاتی ہے اگر حدیث ہو تو اسکا لام مصدر ہوتا ہے۔ یا ان دونوں کے درمیان نسبت ہو اگر اس نسبت کا اعتبار ذات کیطرف سے ہے تو وہ مشق ہے اگر حدیث کی طرف سے ہے وہ فعل ہے اگر لفظ کے معنی جزی ہوں تو وہ علم ہے پھر وضع اسکی یا کلی کے لئے ہوگی یا مشخص کے لئے، پہلی صورت میں اگر اس کے معنی غیر میں پائے جائیں اور بغیر اس کے اسکے معنی متعین نہ ہوں تو وہ حرف ہے اگر ایسا نہ ہو تو وہ ضمیر ہے۔ اگر اس کے معنی غیر میں پائے جائیں تو وہ اگر حسی ہیں تو (اسم اشارہ) ہے اگر عقلی ہوں، تو موصول ہے۔ بس تین مشترک ہیں ان کے معنی غیر میں نہیں پائے جاتے اور اگر معنی غیر کے ساتھ ملکر پیدا ہوں تو وہ اسماء ہیں۔

لفظ اور معنی میں مناسبت

دسواں مسئلہ۔ علماے اصول فقہ نے اس سلسلہ میں عباد بن سلیمان ضمیری معتزلی کا کلام نقل کیا ہے جس نے کہا کہ لفظ اور اس کے معنی میں فطرتی مناسبت ہوتی ہے کسی مناسبت واضع کو وضع پر مجبور کرتی ہے ورنہ اگر ایسا نہ ہو تو سارے معانی میں سے صرف ایک ایک معنی کو کیوں چنا جائے۔ ایک شخص نے کہا جو اسی کے خیال کا حامی تھا

Marfat.com

که لفظ اور معنی میں مناسبت صاف نظر آتی ہے۔ اس سے سوال کیا گیا کہ اچھا بتاؤ (اذغاغ) (فارسی میں پتھر کو کہتے ہیں) اس کے کیا معنی ہیں؟ اس نے کہا کہ اس لفظ سے انتہائی خشکی کا پتہ چلتا ہے جو صرف پتھر ہی میں ہو سکتی ہے۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ اس کے معنی پتھر کے ہیں۔

عام علماء نے اس بحث کو لغو بتایا ہے اور کہا ہے کہ یہ بات سچ ہوتی تو ہر شخص ہر زبان کا پتہ لگا لیتا اور پھر دو متضاد چیزوں کے لئے ایک لفظ وضع نہیں ہوتا۔ جیسے (قرء) عربی میں حیض کو بھی کہتے ہیں اور طہر کو بھی۔ اور اسی طرح (جون) سفید شئے کو بھی کہتے ہیں اور سیاہ کو بھی۔

عباد کی طرف سے جمہور کو جواب دیا گیا کہ معانی کی تخصیص واضع کی طرف سے ہوتی ہے اور اسکا ارادہ باعث ترجیح ہوتا ہے کیونکہ وہ اس میں مختار ہے، خصوصاً جبکہ ہم واضع اللہ تعالیٰ کو مانیں جس طرح اس نے عالم کی پیدائش کے لئے اوقات میں سے ایک وقت متعین کر لیا۔ اہل لغت اور ادیب حضرات اسی پر اتفاق کرتے ہیں کہ لفظ اور معنی میں مناسبت ہوتی ہے۔ لیکن عباد اور ان کے مذہب میں فرق ہے۔ عباد اس مناسبت کو ذاتی مانتا ہے اور اہل لغت اس کو ذاتی نہیں مانتے۔ یہ فرق بالکل اس طرح ہے کہ جس طرح معتزلہ اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے واجب ہے کہ اپنے افعال میں اصلح کا لحاظ رکھے۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ اصلح کا لحاظ فرماتا ہے لیکن یہ اس کے لئے واجب نہیں۔ محض اس

کے فضل و احسان کا تقاضا ہے۔ اگر چاہے تو اس کے خلاف بھی کر سکتا ہے۔

الفاظ اور معانی میں مناسبت

ابن جنی نے خصائص میں ایک باب جدا باندھا ہے، جس میں اس نے الفاظ کی مناسبت معانی کے ساتھ ثابت کی ہے۔ کہا ہے کہ یہ موضوع بحث بڑا پاکیزہ اور پر لطف ہے۔ خلیل اور سیبویہ نے بھی اس پر بحث کی ہے اور اکثر علماء نے مناسبت کو مانا ہے۔ خلیل نے کہا ہے کہ عرب نے (جندب) بمعنی (ٹڈی) کی آواز میں ایک درازی اور تسلسل پایا تو اس مناسبت سے اس کی آواز کے لئے (صرّ) کا لفظ وضع کیا اور (باز) کی آواز میں رکاوٹیں پائیں تو اس کے لئے (صرصر) وضع کیا۔ سیبویہ نے کہا کہ جو مصادر فَعَلان کے وزن پر آتے ہیں وہ بے چینی اور حرکت کے لئے آتے ہیں۔ (النَقَزان) کودنا۔ (الغَلَيان و الغَشَيان) ابلنا اور جوش کھانا۔ گویا انہوں نے ایک جیسی پے در پے حرکتیں پائیں تو افعال میں بھی پے در پے حرکتیں لائیں۔ ابن جنی نے کہا ہے کہ میں نے اس قسم کے بہت سے چار حرفی مصدر پائے جو تکرار فعل کے لئے آتے ہیں۔ جیسے (زَعزَعَة) ہانکنا، حرکت دینا۔ (قَلقَله) آواز کو مخرج حرف پر حرکت دینا۔ (صَلصَلَة) زیور وغیرہ کی آپس میں ٹکرانے کی آواز۔ (قعقعه) ہتیار وغیرہ کی جھنکار۔ (جرجرة) پانی کو حلق میں گڑگڑانا۔ (قرقرہ) ٹھٹھا مار مار کر ہنسنا۔ جس طرح (فعلی) وزن پر مصادر اور صفات تیزی کے لئے آتے ہیں۔ جیسے

(لبشکی) تیز دست عورت - (جمزی) تیز رو جانور - (ولقی) تیز رفتار جانور - استفعل کا باب بھی ایسی طرح ہے کہ اس میں طلب فعل کے معنی نکلتے ہیں، کیونکہ اس میں حروف اصلیہ سے پہلے حروف زائد ہوتے ہیں جس طرح فعل سے پہلے طلب ہوتی ہے اور جو افعال حروف اصلیہ سے شروع ہوتے ہیں یا جو صیغہ میں مشابہ ہوتے ہیں، افعال اصلیہ کے ان میں طلب کے معنی نہیں ہوتے - پہلے کی مثال جیسے (طعم) کھانا کھایا - (وھب) بخشا - (دخل) اندر آیا - (خرج) نکلا (صعد) چڑھا (نزل) اترا - ان افعال میں محض ایک خبر کی اطلاع ہے، کسی فعل کی طلب نہیں ہے - یہی حال ان افعال کا ہے جن کے شروع میں حروف اصلیہ پر کچھ زیادتی ہو اور جو صیغہ میں رباعی مجرد سے ملتے جلتے ہوں جیسے (أحسن أکرم اعطی) وغیرہ احسان کیا، عزت کی، عطا کیا - کہ یہ مشابہ ہیں دحرج اور سرھف کے - اس طرح جس فعل میں عین کلمہ مکرر آئے اس کو قوت اور شدت کے معنی کے لئے رکھا، جیسے (فرح) بہت خوش کیا - (بشر) بڑی خوشخبری سنائی - لفظ کی قوت سے معنی کی شدت اور قوت کی طرف اشارہ کیا اور اس کے لئے حرف عین کو چنا کیونکہ یہ ف اور ل سے زیادہ قوت والا ہے، ان دونوں حرفوں میں یہ گھرا ہوا اور محفوظ ہے اور یہ دونوں حرف اس کے لئے ایک دیوار اور باڑ کا کام کر رہے ہیں اور تمام عوارض و تعلیلات کو انہوں نے اپنے اوپر لے رکھا ہے اور حرف عین ان سے محفوظ ہے -

الفاظ کا بمقابلہ ان ہم شکل الفاظ سے جو وجود اور صفت میں ان سے ملتے جلتے ہوں، اس بحث کا بڑا وسیع میدان ہے اور ایک مضبوط بنیاد پر یہ قائم ہے جو اس کو جانتا ہے وہ اس میں خوب دل لگاتا ہے - اسکی یہ صورت ہے کہ ایسے حروف، الفاظ میں لاتے ہیں جن کی آوازیں ان کے معانی پیدا ہونے کی حقیقت کو کھولتی ہیں اور طریق وجود کا پتہ دیتی ہیں - جیسے (خضم و قضم) ہم شکل ہیں اور معنی بھی قریب قریب مگر ممتاز - پہلا تر چیز جیسے خربوزہ، ککڑی وغیرہ کھانے کے لئے مستعمل ہوتا ہے اور دوسرا خشک چیز کھانے کے لئے کہتے ہیں، (قضمت الدابتہ شعیر ھا) چوپائے نے اپنا دانہ چبایا - حدیث میں ہے قدیدرث الخضم بالقضم یعنی نرمی سختی سے پہچانی جاتی ہے اور ملائمت درشتی سے - حضرت ابوالدرداء نے بھی اسی طرح کا کلام فرمایا یخضمون و نقضم والموعداللہ - کہ وہ نرمی کرتے ہیں اور ہم سختی اور وعدہ اللہ کا ہے - تو ان ہر دو الفاظ میں پہلے لفظ (خضم) میں نرمی ملحوظ تھی اس لئے خ لائے جس کی صفت رخاوت (نرمی) ہے اور دوسرے لفظ (قضم) میں چونکہ سختی اور درشتی مراد تھی اس لئے ق لائے جس کی صفت (صلابت) سختی ہے اور سنی ہوئی آوازوں کو مرادی معانی کے لئے نشانی بنایا - اسی قسم کے دوسرے دو الفاظ نضح اور نضخ ہیں کہ دو لفظ پانی چھڑکنے کے لئے ہیں - پہلے میں ہلکا چھڑکاؤ اور دوسرے میں گہرا اور تیز - قرآن پاک میں ہے فیھما عینان نضختان - حرف (ح) چونکہ باعتبار صفت کے رقیق کہلاتی

Marfat.com

ہے اس لئے اس نے خفیف شئے کی طرف اشارہ کیا اور (خ) چونکہ باعتبار صفت کے غلیظ ہے اس لئے اس نے معنی کی شدت کو بتایا۔ اس طرح کی تیسری مثال قد اور قط ہیں کہ دونوں کے معنی کاٹنے کے ہیں پہلا لمبائی میں چیز کاٹنے کے لئے آتا ہے اور دوسرا چوڑائی میں کاٹنے کے لئے اور ان دو مختلف معانی کی طرف دو حروف (د) اور (ط) اشارہ کر رہے ہیں۔ (ط) آواز میں ہلکی اور جلد ادا ہو جانے والی ہے۔ اسی طرح عرض میں چیز بھی جلد اور سہولت سے کٹ جاتی ہے اور (د) آواز میں درازی رکھتی ہے اور اس لئے مستطیلہ کہلاتی ہے۔ اسی طرح چیز لمبائی، میں دیر سے کٹتی ہے اور دقت چاہتی ہے۔ غرض یہ بحث اسقدر بڑی ہے کہ اسکا احاطہ کرنا بہت دشوار ہے۔

ابن درید جمہرا میں اسی قسم کی مثالیں اور بھی جمع کی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

الخنن۔ سخت بد کلامی۔ اسی سے ہے الخنة

الغنن۔ ہلکی ہجو۔ اسی سے ہے الغنة

الانیت۔ بیمار کی سخت کراہٹ۔

الانین۔ بیمار کی ہلکی کراہٹ۔

الونین۔ بہت زیادہ مشتاق

الحنین۔ کم مشتاق

ابن السکیت کی (الابدال) میں ہے قبضہ چھوٹا ہے قبضة سے۔ جمہرہ میں ہے القبص، کسی چیز کو انگلیوں کے پوروں سے پکڑنا۔

اور القبض ہاتھ کی پوری ہتیلی سے پکڑنا۔ اور ابوعمرو کی کتاب (الغریب) میں ہے کہتے ہیں ہذا صوغ ہذا۔ یعنی یہ اسی سانچہ کا آدمی ہے۔ اور کہتے ہیں ہذا سوغ ہذا۔ یہ اس کے بعد ہی پیدا ہونے والا ہے۔ یعنی بیچ میں کسی اور بھائی کا فاصلہ نہیں ہے۔ نقب ینقب نقابة سے نقیب قوم کا چودھری یا سردار۔ اور نکب ینکب نکابة سے المنکب چودھری کا مددگار۔ کسائی نے کہا ہے القضم گھوڑے کے لئے اور الخضم انسان کے لئے ہے۔ بعضوں نے یہ فرق کیا ہے کہ (القضم) دانتوں کے سروں سے کاٹنا۔ اور (الخضم) آخری داڑھوں سے کاٹنا۔ ابوعمرو نے کہا کہ النضح بغیر سیرابی کے پانی پینا اور النضح سیرابی کے ساتھ پانی پینا۔ اور انشح النضح سے بھی کمی کے معنی دیتا ہے۔ اصمعی نے گھوڑے کی آوازوں کی قسمیں بتاتے ہوئے کہا (الشخیر) منہ سے آواز نکالنا۔ (انخیر) نتھنوں سے آواز نکالنا (الکریر) سینہ سے آواز نکالنا۔ اور یہ بھی کہا کہ (الهتل) ہلکی بارش (الهطل) زور کی بارش۔ جمورہ میں ہے (العطعطة) لڑائی وغیرہ میں آوازوں کا پے در پے آنا۔ اور (الغطغطة) دیگچی وغیرہ میں کسی چیز کے ابلنے کی آواز۔ (الجمجمة) انسان کا اپنے سینہ میں کچھ چھپانا اور اس کو ظاہر نہ کرنا (الحمحمه) گھوڑے کا اپنی آواز کو بار بار نکالنا بغیر ہنہنانے کے۔ (الدحداح) پست قد آدمی۔ (الرحراح) چھوٹا چوڑا برتن (الجفجفة) سواروں کے چلنے کی آواز۔ (الحفحفة) پرندے کے بازوں کی سرسراہٹ۔ کہتے ہیں (رجل دحدح) آدمی پست قد ہے۔ اور (رجل دخدخ) آدمی پست قد اور

Marfat.com

موٹا ہے ۔ (الجرجرہ) پینے والے کے پیٹ میں پانی اترنے کی آواز ۔ (الخرخرۃ) سینہ میں آواز کی گڑگڑاہٹ ۔ اور پانی کا ایک تنگ جگہ میں بہنا ۔ (الدردرۃ) وادیوں میں پانی جب ٹکراٹکرا کر بہتا ہے اور آواز کرتا ہے تو اس کی آواز کی نقل ہے (الغرغرۃ) پانی کا حلق میں گڑگڑانا نہ اس کی کلی کرنا نہ اس کو اندر اتارنا ۔ (القرقرۃ) پینے کی چیز کی حلق میں آواز ۔ (الھرھرۃ) شیر کا بار بار دھاڑنا ۔ (الکھکھہ) اونٹ کا بلبلانا (القھقھۃ) زور سے ٹھٹھہ مار کر ہنسنا ۔ (الوعوعۃ) بار بار کتے کے بھونکنے کی آواز ۔ (الوقوقۃ) پرندوں کے چہچہانے کی آواز ۔ (الوکوکۃ) کبوتر کا غٹغٹانا ۔ (الزعزعۃ) چیزوں کا ہوا سے ہلنا ۔ (الرعرعۃ) سطح زمین پر صاف شفاف پانی کا لہریں اٹھانا ۔ (الزغزغۃ) ہلکے پن سے انسان کا بے چین ہونا (الکرکرۃ) ہنسی (القرقرۃ) ٹھٹھہ مارنے کی آواز (الرفرفۃ) پرندہ کے منڈلاتے وقت کی اڑان کی آواز ۔ (الزقزقۃ) تیز سخت ہوا کی آواز ۔ پیدل جماعت کے چلنے کی آواز جب سنائی دے تو کہتے ہیں سمعت زفزفۃ الموکب ۔ (السفسفۃ) کھونٹی وغیرہ کو نکالنے کے لئے اس کو اپنی جگہ سے ہلانا ۔ یا دانت کو ہلانا ۔ (الشغشغۃ) چیز کو ہلا ہلا کر جمانا ۔ کہتے ہیں (شغشع انسان فی الطعنۃ) بھالے کو ہلا ہلا کر نیزے میں بٹھایا ۔ (الوسوسۃ) زیورات کی جھنکار ۔ (الوشوشۃ) جماعت کی آپس میں کانا پھوسی کرنا ۔

اس پوری فہرست الفاظ سے پتہ لگایا جا سکتا ہے کہ الفاظ و معانی میں کیا عجیب مناسبت ہوتی ہے اور عرب نے ان ملتے جلتے قریب معنی الفاظ کو کس طرح استعمال کیا ہے ۔ انہوں نے کمزور نرم ہلکے آسان اور ملائم حروف کو گھٹیا، کم ہلکے کام یا آواز کے لئے استعمال کیا اور قوی سخت ظاہر زوردار حرف کو قوی عمل اور حسن میں بڑے کام کے لئے لائے ۔ (المد اور المط) اسی قسم سے ہیں ۔ المط میں قوت ہے کھینچنا بھی ہے اور دراز کرنا بھی ۔ اس لئے حرف (ط) اسکے لئے مناسب ہوا ۔ ابن درید نے کہا کہ (المد) (المت) (المط) یہ سب قریب قریب معنی کے ہیں ۔ اس طرح ہے (الجف) کلی کا خول جب سوکھ جائے ۔ (الخف) موزہ خف البعیر والنعامۃ ۔ اونٹ اور شتر مرغ کی تلی ۔ لامحالہ یہ تینوں چیزیں کلی کے خول سے زیادہ قوی اور سخت ہوتی ہیں تو اسکے لئے حرف (خ) تجویز ہوا جو حرف (ج) سے کہیں زیادہ قوت رکھتا ہے مفارابی کے دیوان الادب میں مذکور ہے (الشازب) دبلا لاغر اونٹ وغیرہ ۔ اور (الشاصب) "شازب" سے زیادہ لاغر ہوا جب (نفخ) ٹھر پیدا کرے تو (برد) ہے اور جب (نفخ) لو پیدا کرے تو (حَرّ) ہے ۔ ثعالبی کی فقہ اللغۃ میں ہے کہ جب سر کے بال اگلے حصہ سے اڑجائیں تو وہ شخص (اجلح) ہے اور اگر آدھے سر تک اڑیں تو وہ شخص (اجلی یا اجلہ) ہے ۔ اسی کتاب میں ہے کہ اگر دیوار پر نقش ہو تو وہ (نقش) ہے اگر کاغذ پر ہو تو وہ (رقش) ہے ۔ اگر ہاتھ پر ہو تو وہ (وشم) ہے ۔ اگر کھال پر ہو تو وہ (وسم) ہے ۔ اگر گیہوں یا جو پر ہے تو وہ (رشم) ہے اگر کپڑے پر ہو تو وہ (وشی) ہے ۔ اسی کتاب میں یہ بھی ہے کہ

Marfat.com

پائخانه کی جگه کو (است) کہتے ہیں اور وہاں کے بالوں کو (اسب)۔ اور آنکھوں کی تنگی کو (حوص) کہتے ہیں اور تنگ آنکھوں کی اور ان کا گڑھے میں بیٹھے ہوئے کو (خوص) کہتے ہیں۔ (اللسب) بچھو کا کاٹنا (اللسع) سانپ کا کاٹنا۔ کان کا میل (اف) ناخن کا میل (تف) نقاب اگر ہونٹ پر پڑا ہو تو (لثام) ہے اگر ناک پر ہو تو (لفام) ہے۔ ہاتھ کی ہتیلی سے اگر سر کے اگلے حصه پر ماریں تو وہ (صقع) ہے۔ اگر گدی پر ماریں تو وہ (صفع) ہے۔ اگر پوری ہتیلی سے گال پر ماریں تو (لطم) ہے۔ اگر مکا بنا کر مارین تو (لکم) ہے۔ اگر دوہتھڑ ماریں تو (لدم) ہے۔ اگر پہلو پر انگلیوں سے ٹھونسا دیں تو (وخز) ہے اگر سینے اور پہلو پر ماریں تو (وکز اور لکز) ہے۔ اور اگر تالو اور ٹھڈی پر ماریں تو (وہز اور لہز) ہے۔ (خذفه بالحصی) اس کے کنکری ماری۔ (حذفه بالعصا) اس کے لاٹھی ماری۔ (قذفه بالحجر) اس کے پتھر مارا۔ اگر دکھی یا مریض باریک آواز سے کراہے تو یه فعل (رنین) ہے۔ اگر اس نے آہسته آواز سے کراہے تو وہ (ہنین) ہے اگر زور کی آواز سے کراہے تو وہ (خین) ہے۔ اگر اس سے زور سے کراہے تو (انین) ہے۔ اگر بلند آوازی سے چلائے تو (خنین) ہے۔ یه سب الفاظ فقه اللغة سے نقل کئے گئے ہیں۔ ان حروف کا آپس کا فرق صاف بتاتا ہے که قوت وضعف میں حرف کا فرق معنی کے فرق پر کس قدر اثر انداز ہوتا ہے اور ایسی مثالیں لغت عرب میں بے شمار ہیں۔ ہمارے بیان کئے ہوئے حروف نمونه کے طور پر کافی ہیں۔

لغت کب وضع ہوا

گیارھواں مسئله۔ ابن جنی نے کہا که ابوالحسن اخفش کی رائے ہے اور یہی ٹھیک نظر آتی ہے که لغت خواہ اس کو الہامی مانیں یا اصطلاحی بہر صورت ایک وقت میں وضع نہیں ہوتا ہے بلکه رفته رفته اور برابر وقفوں سے وضع میں آتا چلا گیا ہے۔

لغات عرب کے اختلاف کا سبب

عرب کے لغات میں اختلاف اس طرح پیدا ہوا که شروع میں مختلف لغت وضع کئے گئے مگر صحت و قیاس کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا پھر بہت سی نئی چیزیں پیدا ہوئیں اور ان کے لئے وضع جدید کی حاجت پیش آئی لیکن اختلاف لغت پھر بھی چلتا رہا اور صحت کا برابر لحاظ رہا۔ اور یہاں بھی ممکن ہے که شروع میں ایک ہی لغت وضع ہوا ہو پھر بعد میں آنے والوں نے دوسرے قیاس پر اپنے دوسرے لغت کی بنیاد رکھی ہو اور صحت کا لحاظ پہلے لغت کی طرح رکھا ہو پھر اخفش نے کہا که یه سراغ لگانا بھی دشوار ہے که اجناس ثلاثه اسم فعل حرف میں سے کونسی جنس پہلے وضع ہوئی، کیوں که ہر ایک کے بارے میں کہا جاسکتا ہے که اس کی وضع پہلے ہوئی۔ ابو علی نے اسی خیال کو ظاہر کیا ہے۔ اخفش نے یه بھی کہا ہے که لغت عرب میں کثرت استعمال سے جو تغیرات بعد میں رونما ہوئے وہ سب وضع سے پہلے عرب کے تصور میں تھے اور وہ سمجھتے تھے که کثرت استعمال کا لازمی نتیجه ہے که طرح طرح کے اسباب وضع

Marfat.com

پیدا ہوتے جائیں گے اور زبان نت نئی تبدیلیوں کا شکار ہوتی جائے گی۔ لہذا انہوں نے شروع ہی میں زبان کی بنیاد اختلاف لغت پر رکھی۔ اور اس کے ساتھ اس کا احتمال ہے کہ قدیم سے ایک ہی عربی لغت وضع ہوا ہو اور پھر کثرت استعمال سے زبان نے تغیر کا جامہ پہن لیا ہو۔ اس کے بعد اخفش نے کہا کہ میرے نزدیک صحیح خیال پہلا ہی ہے کہ لغت نے ابتداء میں اختلاف ہی کے رنگ میں جنم لیا ہوگا کیوں کہ اس صورت میں عرب کی دور اندیشی اور عاقبت اندیشی کا زیادہ مظاہرہ ہے اور میں خوب جانتا ہوں کہ عرب نتائج کا پتا پہلے ہی سے کیسے لگا لیتے ہیں اور یہ حقیقت اس امر سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ عرب نے بعض کلمات کو بجائے معرب کے مبنی رکھا جیسے اس ھولاء۔ این۔ کیف۔ کم۔ اذ۔ حیث۔ کیوں کہ وہ اپنی دور بین نظر سے پہلے ہی سمجھ گئے کہ یہ کلمات کثیرالاستعمال ہوں گے اور اس سبب سے تغیر و تبدیلی کا شکار رہیں گے۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا سلیمان اشرف رح

راقم الحروف کی طالب علمی کے زمانے میں علی گڑھ کے یونی ورسٹی اسکول میں آٹھویں جماعت تک تعلیم تھی پھر انٹرمیڈیٹ کالج میں نویں، دسویں، گیارہویں اور بارہویں جماعتیں تھیں جن کی تعلیم منٹو سرکل میں ہوا کرتی تھی۔ اس کے بعد یونی ورسٹی میں بی اے، بی ایس سی سے تعلیم شروع ہوتی تھی۔ میں نے ۱۹۲۹ء میں وہاں سے میٹرک پاس کیا۔ اس زمانے میں اس کلاس میں سات سیکشن تھے۔ میں ایف سیکشن میں تھا اور جبلی ہوسٹل میں رہتا تھا۔ ۱۹۳۱ء میں جب کہ میں مُزمّل ہوسٹل میں تھا انٹرمیڈیٹ پاس کیا۔ پھر بی اے میں داخلے کے لیے یونی ورسٹی گیا۔ وہاں ایس ایس ویسٹ، پھر عثمانیہ ہوسٹل میں قیام رہا۔ اُس وقت میری عمر قریب ۱۸½ سال تھی۔ یونیورسٹی کی جامع مسجد میں نماز کے لیے حاضر ہوتا تھا۔ وہیں عصر کے بعد مولانا سلیمان اشرف علیہ الرحمہ تفسیر پڑھاتے تھے اور مغرب کے بعد بخاری شریف کا درس (بعض دنوں میں) دیا کرتے تھے۔ میں بھی شریک ہوا تو دریافت فرمایا کہ "تو کہاں سے آیا ہے؟" میں نے عرض کیا کہ "جبل پور (سی۔ پی) سے"۔ فرمایا، وہاں میرا ایک دوست عبدالسلام رہتا ہے۔ کیا تو اُسے جانتا ہے؟" میں نے عرض کیا کہ "وہ تو میرے مخدوم ہیں"۔ فرمایا، "اب تو وہاں جائے تو میرا سلام کہنا"۔ میں نے عرض کیا کہ "انشاء اللہ عرض کردوں گا"۔ چنانچہ تعطیل میں جب میں وطن گیا تو مولانا کا سلام اُن کے دوست سے عرض کیا۔ وہ بہت خوش ہوئے اور انھوں نے بھی سلام عرض کرنے کے لیے فرمایا۔

میں جب تفسیر کلاس میں شریک ہوا تو اُس وقت مولانا (غالباً) سورۃ الشعراء پڑھا رہے تھے۔ اس سورت کی آیت نمبر (۲۰) "ضالّین" کا لفظ آیا ہے جس کے معنی "بے خبر لوگوں" کے بھی ہیں۔ مولانا ہم لوگوں سے فرداً فرداً اس کے معنی پوچھنے لگے کہ "تو بتا، تو بتا"۔ (شاگردوں سے اُن کے خطاب کا یہی طریقہ تھا)۔ سب لڑکے چُپ تھے۔ کوئی بھی نہ بولا۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے معنی "گمراہ لوگوں" کے ہیں۔ مولانا نے گرج کر ڈانٹا کہ "چُپ بے، نالائق"۔ میں لرز گیا۔ خیر، بات ختم ہوگئی اور میں برابر تفسیر کلاس میں شریک ہوتا رہا۔ مولانا کا معمول تھا کہ جب پورے قرآن پاک کی تفسیر مکمل ہوجاتی تو وہ یونی ورسٹی ہال کے قریب مُلّا احمد کی دکان سے بہت سی مٹھائی منگواتے کیوں کہ وہ بہت اچھی مٹھائی بناتا تھا۔ مٹھائی کی تقسیم کے دن، تفسیر پڑھنے والوں سے

Marfat.com

کہیں زیادہ دوسرے طلبہ اس میٹھی تقریب میں شریک ہوتے اور مولانا اُس دن سب کو نوازتے۔

تفسیر پڑھانے کا قاعدہ یہ ہوتا کہ ایک طالبِ علم ترجمہ کرتا، پھر مولانا اس کی تفسیر بیان فرماتے۔ اور جس طرح وہ بی اے کلاس میں ہم لوگوں کو مدلل طریقے سے سمجھاتے، یہاں بھی وہی انداز اختیار فرماتے۔ مَیں نے مُزمّل صاحب مرحوم کے زمانے سے لے کر انوار احمد صمدانی صاحب مرحوم تک کا زمانہ پایا ہے یعنی یہ اور دوسرے حضرات ترجمہ پڑھ کر آتے اور اسی کے مطابق وہاں ترجمہ کرتے۔ مولانا فرمایا کرتے تھے کہ عربی صحیح سیکھنے کے لیے قرآن پاک خوب پڑھا کرو۔ تفسیر کی کلاس عصر کی نماز کے بعد ہوا کرتی تھی۔ آیاتِ سجدہ کی تلاوت کی وجہ سے سجدہ، مغرب سے پہلے کر لیا کرتے تھے، تاکہ بھول نہ جائیں، حالانکہ غروب کے بعد (اور طلوع کے بعد) ایسا سجدہ کرنا افضل ہے۔ مولانا کی آواز گرجدار اور رعب دار تھی۔ اس لیے کبھی نماز پڑھاتے تو قرآن کی تلاوت بہت اثر آفریں ہوتی تھی اور عجیب کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ کلاس میں بھی اُن کا اندازِ بیان بہت پُرتاثیر اور مُدلّل ہوتا تھا اور ہم لوگوں کی غلطی پر برملا اصلاح فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ پڑھاتے ہوئے فرمایا کہ جس پانی کا رنگ اور مزہ بدل جائے اُس سے وضو جائز نہیں۔ میرا لڑکپن تھا، مَیں نے عرض کیا کہ پانی میں پُٹاس ملا دینے سے بھی پانی کا رنگ اور مزہ بدل جاتا ہے تو کیا ایسے پانی سے وضو نہیں کرنا چاہیے؟ مولانا ایک لمحہ تک خاموش رہے لیکن پھر فرمایا کہ نہیں، ایسے پانی سے وضو جائز ہے (میں سمجھ رہا تھا کہ شاید پھر ڈانٹ پڑے گی۔ لیکن پھر یہ اعزاز نہیں ملا)۔

حلیہ

مولانا بہت خوش رو اور جامہ زیب تھے۔ علی گڑھ کٹ پاجامے سے ذرا ڈھیلا پاجامہ ہوتا تھا۔ کُرتہ اور عموماً نہایت اعلیٰ کپڑے کی شیروانی ہوتی تھی۔ بلکہ سردی کے زمانے میں روئی کی شیروانی بھی بہت خوب صورت ہوتی تھی۔ ایسی شیروانی کی لمبی دھاریوں کے ساتھ سلائی ہوتی تھی۔ بڑا رومال، سُرخ اور سیاہ پھولوں والا ہوتا تھا۔ سر پر عموماً لکھنوی سفید ٹوپی یا عمامہ (عموماً ہلکے بادامی رنگ کا) ہوتا تھا۔ آپ کا رنگ سُرخ و سفید تھا۔ نہایت متوازن اعضاء تھے، آنکھوں میں سرخ ڈورے تھے۔ ہتھیلیوں کی لکیریں لمبی اور بہت نمایاں تھیں۔ آپ کا خدمت گزار ایک پہلوان تھا۔

آپ کے ایک بھائی بھی تھے ان کا دماغ ماؤف تھا۔ وہ بھی بڑے عالم تھے۔ بالکل خاموش رہتے تھے لیکن پابندی کے ساتھ یونیورسٹی لائبریری میں صرف عربی اخبار پڑھا کرتے تھے۔ راستے میں چلتے چلتے کھڑے ہو جاتے اور کبھی دیر تک سر جھکا کر زمین کو دیکھتے رہتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا بہت بڑا محافظ ہے۔ سُنا ہے کہ مولانا کی وفات سے پہلے اُن کے بھائی فوت ہو گئے تھے۔ آخر مولانا کے بعد ان کی سرپرستی کون کرتا؟

بریلوی

مولانا گو کہ بریلوی مسلک کے تھے لیکن آج کل کے بریلوی حضرات کی طرح شدت نہیں برتتے تھے۔ وہ

Marfat.com

ہمیشہ مولانا ابوبکر محمد شیث جونپوری علیہ الرحمہ کے پیچھے نماز ادا کرتے جو دیوبندی تھے اور جب وہ کہیں چلے جاتے تھے تو (حضرت قاری ضیاء الدینؒ کی ضعیفی کی وجہ سے) جمعہ کی نماز قاری انوار الحق صاحب ہی پڑھاتے تھے۔ وہ بھی دیوبندی مسلک کے تھے۔ بعض نمازیں مولانا بھی پڑھا دیتے تھے لیکن اقامت شروع ہوتے ہی نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے یعنی حیّ علی الصلوٰۃ سُن کر کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ اور اشہدان محمد رسول اللہ سُن کر دونوں ہاتھوں کا سبابہ (انگوٹھے کے پاس کی انگلی) لبوں پر لگا کر (چوم کر) آنکھوں پر لگاتے تھے۔ مسجد کے لیے عموماً ابوبکر محمد شیث علیہ الرحمہ کے ساتھ (اور نواب حبیب الرحمٰن خان شروانیؒ اگر ہوتے تو وہ بھی ساتھ) تشریف لے جاتے لیکن ان کے ادب کی وجہ سے ان کے پیچھے پیچھے چلتے۔ تاہم آخر زمانے میں ایسا بھی میں نے دیکھا ہے کہ مولانا ابوبکر علیہ الرحمہ اُن کا ادب کرنے لگے تھے اور ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگے تھے۔ بہر حال، یہ دونوں بزرگ ہر شخص کے لیے قابلِ احترام تھے اور ہر جگہ اُن کی بزرگی کا چرچا تھا۔

میں نے ۱۹۳۶ء میں ڈ۲و ایم اے اور ایل ایل بی سے فراغت کے بعد علی گڑھ چھوڑا۔ اس وقت حافظ فضل الرحمٰن صاحب مرحوم (مولانا نورانی کے عزیز) مجھ سے دو سال پیچھے تھے اور محترم ڈاکٹر مختار الدین آرزو صاحب بھی یونی ورسٹی کی ابتدائی جماعتوں میں تھے۔ علی گڑھ چھوڑنے کے بعد میرا تقرر کنگ ایڈورڈ کالج۔ امراؤتی (برار) میں ہو گیا۔ مولانا کا جس دن انتقال ہوا میں اپنے ایک دوست کے ساتھ حیدرآباد (دکن) میں تھا۔ ریڈیو سے مولانا کے انتقال کی خبر سُنی تو سخت قلق ہوا۔ اُن کے لیے دعا کی اور ایصال ثواب کیا۔ اسی رات مولانا خواب میں تشریف لائے، دوسری رات پھر تشریف لائے اور تیسری رات پھر تشریف لائے تو مجھے خواب ہی میں خیال ہوا کہ مجھے ایک مرتبہ ڈانٹا تھا، شاید اسی وجہ سے مسلسل تین راتوں سے تشریف لا رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ تو میرے استاد ہیں اور والدین کی طرح شفقت فرماتے ہیں، آپ کوئی خیال نہ فرمائیں ــــ پھر اس کے بعد کبھی خواب میں تشریف نہیں لائے۔ اللہ تعالیٰ اُن پر بے حساب رحمتیں اور نعمتیں ہر وقت نازل فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

Marfat.com

مولانا ضیاء احمد بدایونی ۷۱ء

افسوس، صد افسوس کہ استاذ الاساتذہ مولانا پروفیسر ضیاء احمد صاحب بدایونی نے ۸ جولائی ۱۹۷۳ء کو علی گڑھ میں وفات پائی اور سینکڑوں نہیں ہزاروں گھروں میں صف ماتم بچھ گئی۔ برصغیر پاک و ہند اور بیرونی ممالک میں بلا مبالغہ ان کے ہزاروں شاگرد ایسے موجود ہیں جو علم و فضل، جاہ و منصب اور مال و ثروت میں بھی خصوصی امتیاز رکھتے ہیں ان کے نقش قدم پر چلنا اپنے لئے موجب افتخار و ابتہاج سمجھتے ہیں۔ موجودہ دور کے ادباء اور فضلاء میں بہت کم ایسے ہوں گے جو ان کے فضل و کمال کے معترف نہ ہوں اور ان سے عقیدت و مودت نہ رکھتے ہوں!

استاذ مرحوم نے ابتدائی تعلیم گھر ہی میں حاصل کی جو کئی صدی کے علم و ادب کا گہوارہ رہ چکا تھا۔ پھر بدایوں ہی میں مختلف اساتذہ[1] سے درس نظامیہ کی تکمیل کی اور فاضل حدیث ہو کر علوم متعلقہ میں بڑی دسترس بہم پہنچائی۔ ان کے اکثر اساتذہ ان کی علمیت اور ذہانت کی بنا پر ان پر فخر کیا کرتے تھے اور چونکہ وہ سب عربی ادب سے بھی شغف رکھتے تھے اس لئے مرحوم کو بھی شروع ہی سے اس کی رغبت تھی اور بچپن ہی سے بکثرت عربی اشعار یاد تھے۔ علم عروض و قافیہ گھر کا اوڑھنا بچھونا تھا اور شعر و شاعری ان کے خاندان میں بچے بچے کا مشغلہ تھا اس لئے آپ بھی بچپن ہی سے شعر و سخن کی طرف مائل ہوئے اور جلد ہی اچھے شعر اور علمی مضامین لکھنے لگے۔ فارسی اور اردو ادب کا ذوق ان کے لیے ایک ذیلی چیز تھی۔ انگریزی بھی آپ نے جلد سیکھ لی اور غالباً ۱۹۲۴ء میں آپ نے درجہ اول میں ایم اے پاس کیا۔ ڈاکٹر سید محمد حفیظ صاحب، دیوان مومن کے "تعارف" (۱۹۳۴ء) میں لکھتے ہیں۔

"مولوی ضیاء احمد صاحب ضیاء کا خاندان، علم و ادب کے لحاظ سے بہت ممتاز ہے۔ آپ کے والد ماجد مولوی محمد رفیع احمد صاحب عالیؔ مرحوم نہایت ذی علم اور صاحب مذاق بزرگ تھے جو فن شعر میں کافی دست گاہ رکھتے تھے اور صاحب دیوان تھے۔ خود جناب ضیاء نے الہٰ آباد یونیورسٹی سے درجہ اول میں ایم اے کیا۔ اس کے بعد ریسرچ اسکالر رہے۔ آپ کا شمار نہایت ذہین و طباع طلبہ میں تھا۔ آپ نے فارسی کے علاوہ عربی میں بھی قابل قدر استعداد بہم پہنچائی تھی۔ الہ آباد یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تین سال تک شعبہ اردو میں بحیثیت لیکچرر کام کیا اور اب آپ وہاں شعبہ فارسی میں لیکچرر ہیں۔

Marfat.com

آپ کو اردو ادب اور شعر و شاعری سے بغایت دلچسپی ہے۔ آپ نے ایک مجموعہ نظم تذکار سلف کے نام سے شائع کیا تھا۔ اس کے علاوہ آپ کے مضامین اردو کے مشہور رسائل و جرائد میں اکثر شائع ہوتے رہے ہیں جن سے انشاء ادب میں آپ کی صحت مذاق اور ژرف نگاہی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ کلام مومن سے آپ کو ابتداء ہی سے خاص شغف رہا ہے۔ چنانچہ ۱۹۲۵ء میں آپ نے قصائد مومن کی شرح شائع کی تھی۔ موجودہ دور میں مومن پر سب سے پہلا مضمون آپ ہی کے قلم سے نکلا اور رسالہ اردو میں مومن کی تصویر کے ساتھ شائع ہوا۔ اس کے بعد ملک کے مختلف رسالوں میں مومن پر دیگر اہل قلم کے مضامین شائع ہوئے۔ اس لئے کلام مومن کی احیاء یا نشاۃ ثانیہ کے لیے اردو زبان خاص طور پر آپ ہی کی مرہون و ممنون ہے....."۔

یہ تاثرات ڈاکٹر سید محمد حفیظ صاحب کے تھے۔ لیکن بقول حافظؒ

مرغ چمن بمویۂ من دوش می گریست

آخر تو واقفی کہ چہ رفت اے صبا بگو

چنانچہ عرض ہے کہ راقم الحروف نے ۱۹۲۹ء میں علی گڑھ سے میٹرک پاس کیا اور وہیں سے ۱۹۳۵ء میں ایم اے (فارسی) اور ۱۹۳۶ء میں ایم اے (اردو) وغیرہ میں کامیاب ہوا۔ یہ طویل زمانہ میری انتہائی خوش بختی کا دور تھا۔ کیونکہ اس کے اکثر و بیشتر لمحات قبلہ ضیاء احمد صاحب مرحوم کی خدمت میں گزارنے نصیب ہوئے اور مجھے وہ پدرانہ شفقت میسر ہوئی جس سے میں بچپن ہی میں محروم ہو چکا تھا۔ وہ اسلامی روایت کے مطابق اپنے تمام تلامذہ کے لئے والد کی طرح شفیق تھے اور ان کو ہر ہر قدم پر مطمئن فرماتے رہتے تھے۔ نام و نمود سے انہیں کوئی واسطہ نہیں تھا اور فضول بحثوں کے لیے انہیں فرصت نہیں تھی۔ ان کا ہر درس، بصیرت افروز اور عبرت آموز تھا اور ان کا اکثر و بیشتر وقت تعلیم و تعلم ہی میں صرف ہوتا تھا۔ ان کی زندگی نہایت سادہ تھی اور مختلف علوم و فنون کے بڑے بڑے مسائل گھر کی کھری چارپائی پر بیٹھ کر ہی حل ہوتے تھے اور وہیں سے شاگردوں کی خاطر تواضع بھی ہوتی رہتی تھی۔ آخر ۱۹۳۶ء میں علی گڑھ سے فارغ ہو کر میں اپنے وطن جبل پور پہنچا۔ چند ماہ بے کار رہا پھر کنگ ایڈورڈ کالج، امراوتی (برار) میں اردو کا لیکچرر مقرر ہوا۔ استاذ مرحوم کی خدمت میں رہنے کی وجہ سے علم کی چینک تو تھی ہی۔ وہاں پہنچ کر لکھنے پڑھنے کا جذبہ تیز ہوا۔ چنانچہ ان کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ کچھ موضوع عنایت ہوں تاکہ ان پر قلم اٹھایا جائے۔ ۳۰ اگست ۱۹۳۷ء کو مولوی ٹولہ، بدایوں سے تحریر فرماتے ہیں۔

تحقیق کے لئے موضوعات

"عزیز سعادت آثار رقاہ اللہ الی ما-تمناہ" بعد سلام سنت الاسلام عرض یہ ہے کہ طالب خیریت مع الخیر ہے۔ نامہ نوازش جس کا حرف حرف آپ کے خلوص و محبت' کرم و عنایت کا ترجمان تھا' موصول ہو کر کاشف حالات ہوا۔ چند ادبی موضوع حسب ارشاد تحریر کرتا ہوں۔ آپ ان پر بسم اللہ کر کے قلم اٹھائیے۔ (۱) اردو کی ترقی میں دکن کا حصہ' (۲) مرثیے کا ارتقاء' (۳) قدیم و جدید غزل' (۴) مومن کے طنزیات' (۵) غالب کا اثر دور حاضر پر' (۶) سیاست اور فانی' (۷) سودا اور ان کا ماحول' (۸) سر سید اور ان کے رفقاء کا نثر اردو پر احسان' (۹) نذیر احمد کی ناول نگاری' (۱۰) اردو میں مختصر افسانے....." ان عنوانات کے ساتھ طریق کار اور منابع کی تفصیل بھی عنایت فرمائی اور انگریزی ماخذات کی نشان دہی بھی فرمائی تھی۔

یہ تمام عنوانات ۳۶ سال پہلے تجویز کیے گئے تھے۔ اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ پھر کتنے حضرات نے ان پر اور ان کے متعلق دیگر عنوانات پر قلم اٹھایا اور ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کیں۔

دوسرے مکتوبات بھی اسی طرح کے ہیں جن سے استاذ مرحوم کے تبحر علمی اور دقت نظر کا اندازہ ہو گا' اس لئے عام استفادے کے لیئے ان کے ضروری اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

علی گڑھ سے ۳۱ جنوری ۱۹۳۸ء کو لکھتے ہیں۔

"عزیز گرامی حماک اللہ عن شرالنوائب و اعطاک خیر المواھب۔ سلام و دعا پہنچے.... واللہ کہ آپ کی شرافت اور سعادت کا طبیعت پر اس قدر اثر ہے کہ دل سے بے ساختہ دعا نکلتی ہے۔ میں اکثر آپ کا عنایت نامہ دوسرے اصحاب کو مثال کے طور پر پیش کرتا ہوں کہ اس مادی دور میں جب کہ استاد و شاگرد کا رشتہ محض "کاروباری" ہو کر رہ گیا ہے' لوگ سبق سیکھیں.......

آپ نے پی ایچ ڈی کے موضوع کے متعلق استفسار کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اردو کے کسی موضوع کے لیئے زیادہ تر قلمی نسخوں کی امداد درکار ہو گی۔ تاریخ یا تاریخ ادب کے متعلق بھی کافی ذخیرہ کتب پیش نظر ہونا چاہیئے۔ ادب دور مغلیہ کا یہی حال ہے۔ اس لیئے بہتر ہو گا کہ آپ فارسی کے کسی قدیم استاد کا دیوان مختلف نسخوں کے مقابلہ اور تصحیح کے بعد جو دوسرے ریڈنگ ہوں ان کے حوالہ دے کر مع مقدمہ شائع کر دیں۔ چنانچہ اس مقصد کے لیئے ارسلان' ازرقی' عماد شہریاری' مجیر بلقانی میں سے کسی کا کلام منتخب کر لیا جائے۔ ان کے قلمی نسخے رام پور' بانکی پور اور نیز یورپ کی لائبریریوں میں ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ذیل کے موضوعات میں سے کسی کو پسند کر لیجئے اور اس پر جس قدر مواد اردو' فارسی یا انگریزی میں ملے' سب کو پڑھ کر فائدہ

اٹھایئے۔

(۱) فارسی (الف) طنزیات و ہجویات (ب) فارسی شاعری پر جو اعتراضات کیئے جاتے ہیں ان کی اصلیت (ج) اخلاقی شاعری (د) صفوی عہد اور ادب--------

(۲) اردو (الف) مثنوی اور اس کا ارتقا' (ب) انیس اور فردوسی' (ج) اردو ادب پر فارسی کا اثر۔ (د) فسانہ ازاد کا درجہ اردو نثر میں (ہ) ناول نگاری کے مختلف دور

آپ غور کرنے کے بعد فیصلہ کریں کہ خود آپ کی طبیعت ان میں سے کس موضوع کو ترجیح دیتی ہے۔ اس کے بعد مجھے مطلع فرمائیں' تب انشاء اللہ کتابوں اور طریقہ کار کی بابت کچھ مشورہ دے سکوں گا۔....... عزیزی ظفر سلمہ۔ سلام کہتے ہیں......"۔

اس گرامی نامے کے شرف صدور لانے کے بعد راقم الحروف نے پھر گزارش کی کہ آپ ہی میرے لیئے کوئی موضوع مقرر فرما دیں تو انہوں نے علی گڑھ سے ۴ مارچ ۱۹۳۸ء کو مجھے خط لکھا۔

"عالی گہر گرامی منش زادت محبتہ۔ بعد سلام سنت خیر الانام عرض یہ ہے کہ طالب خیریت مع الخیر ہے..... میں شاید آپ کو لکھ چکا ہوں کہ فلاں فلاں فارسی اساتذہ کے قلمی دیوان ریاست رام پور کے کتب خانے میں ہیں۔ علی گڑھ میں رشید و طواط ازرقی' مجد ہمگر کے مخطوطات ہیں۔ بانکی پور میں بھی کافی مواد ہے۔ مناسب ہو کہ آپ فہرستیں ملاحظہ کریں اور بعض استادوں کا کلام دیوانوں سے یا تذکروں سے پڑھیں۔ پھر جس کے کلام کو عمدہ سمجھیں اور جس پر تاریخی مواد زیادہ ملنے کی توقع ہو اس پر کام شروع کر دیں۔ اگر میری ہی رائے پر آپ زور دیں تو کہوں گا کہ حسن غزنوی بہتر ہو گا۔ پھر عمار پھر ازرقی جس کو آپ پسند کریں۔ پہلا کام یہ ہو گا کہ اس کے کلام کی پوری نقل لے لیں اس کے بعد دوسرے نسخوں سے مقابلہ اور اختلاف نسخ کا فٹ نوٹ میں اندراج ہو۔ اس کی تکمیل کے بعد تذکروں اور تاریخوں میں جس قدر حوالے اس کی بابت ملیں ان کو حاصل کر کے شاعر مبحوث عنہ کے حالات اور کلام پر مفصل تاریخی اور ادبی تبصرہ ہو......" اس کے بعد ہدایت ہے کہ رام پور اور بانکی پور کس طرح جاؤ گے اور کس کس سے اجازت حاصل کرنی ہو گی۔ چنانچہ استاذی مرحوم کی ہدایت کے مطابق میں نے سید حسن غزنوی (معاصر سنائی) کو منتخب کیا اور سب سے پہلے اس شاعر کے قلمی دواوین کے عکس انڈیا آفس' برٹش میوزیم (لندن) اور پیرس سے منگوائے۔ پھر رام پور کے نسخے کے مطابقت کی حبیب گنج' بانکی پور (پٹنہ) آصفیہ (حیدر آباد دکن) جامعہ عثمانیہ' حمیدیہ (بھوپال)، بمبئی یونیورسٹی، جامع مسجد بمبئی' کاما

پارسی لائبریری بمبئی، کتب خانہ مولانا رحمٰن علی مرحوم ریاست ریواں، لکھنؤ، علی گڑھ یونیورسٹی، ندوۃ العلماء لکھنؤ، خانقاہ قلندریہ کاکوری، الہ آباد، کان پور، اٹاوہ، بریلی، لاہور، جالندھر وغیرہ کے مختلف کتب خانوں کی سیر کی اور مختلف فضلاء سے استفادہ کیا۔ بالآخر ۱۹۴۶ء میں مقالے کی تکمیل پر ڈگری ملی اور وہ مقالہ بالاقساط ضمیمہ اورینٹل کالج میگزین (لاہور) میں شائع ہوا۔ استاذی مرحوم کی ہدایت کے مطابق چھٹی صدی ہجری کے اکثر و بیشتر فارسی شعراء کا قلمی (خطی) کلام زیر مطالعہ رہا اور اس طرح قریب چودہ تحقیقی مقالے (ان شعراء کے متعلق) انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (اردو) میں شامل ہوئے۔ نیز تاریخ بہرام شاہ غزنوی (انگریزی) میں مرتب ہو سکی جو ۱۹۵۳ء میں مکتبہ کارواں لاہور سے شائع ہوئی اور استاذی مرحوم کے نام نامی پر معنون کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ بھی انہی کا فیض ہے کہ آج سے تقریباً دس سال پہلے میں نے برصغیر کے فارسی ادب کی تاریخ، انگریزی میں، پھر علی گڑھ سے بعض استفسارات کے جواب میں، لکھی اور وہ پار سال لاہور سے شائع ہوئی۔ ۳۱ جولائی ۱۹۳۹ء کو تحریر فرماتے ہیں۔

بعض اصلاحیں

"عزیز بے ریا، سلام و دعا قبول کیجئے اور ساتھ ہی میری دلیری کو بھی داد دیجئے کہ آپ کے نوازش نامے کا جواب اتنے عرصے کے بعد دے رہا ہوں اور شرمندہ نہیں ہوتا۔ بات یہ تھی کہ بدایوں میں جن افکار کا سامنا رہا آپ سن چکے ہیں۔ علی گڑھ یونیورسٹی ۱۵ جولائی کو کھلی۔ جب سے اب تک چیئرمین صاحب کی عدم موجودگی (کہ اب تک وہ رخصت پر تھے) اور نئے ٹائم ٹیبل کی الجھن کے باعث وقت نہیں ملا۔ آج ذرا فرصت ملی اور جواب لکھنے کو بیٹھ گیا۔ علاوہ بریں آپ نے عنایت کرم سے خود ڈھیل دے رکھی تھی اس لئے سمجھا کہ

ع کوئی تقصیر بجز خجلت تقصیر نہیں

اب اپنے سوالات کے جوابات سنئے۔

(۱) خواجہ برہان الدین کے بارے میں معلوم نہ ہو سکا۔ ممکن ہے کہ یہ مرغینانی ہی ہوں جو مشہور حنفی فقیہ گزرے ہیں (علامہ برہان الدین علی محمد مرغینانی مولف کتاب ہدایۃ المتوفی ۵۹۳ھ)۔ مغربانی صحیح نہیں۔ میرے خیال میں جواہر مضیئہ یا دوسرے تراجم علمائے حنفیہ میں پتا لگے گا یا پھر اس دور کی تاریخوں میں ذکر ہو گا (۲) سید حسن غزنوی کے نام و نسب میں عجب اختلاف ہے۔ لباب الالباب میں اشرف الدین ابو الحسن بن ناصر العلوی۔ اسی میں دوسری جگہ سید حسن، مجمع الفصحاء میں اشرف الدین حسن بن ناصر العلوی اور دولت شاہ میں سید اشرف حسن الحسینی

Marfat.com

ہے۔ میرے خیال میں لباب کا بیان معتبر ہے۔ اختصاراً" حسن بھی کہتے ہوں گے۔ والد کا نام اکثر جگہ ناصر ہی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ لقب ہو اور محمد اصلی نام۔ دولت شاہ نے حسینی غلط لکھا ہے کیونکہ حسینی فاطمی سادات ہیں اور علوی فاطمی اور سید حسن کا علوی ہونا زیادہ مشہور و مستند ہے۔ سیدہ کی بابت صاحب تذکرۃ الخواتین نے لکھا ہے کہ سیدہ بیگم بنت ناصر از سادات جرجان و ہمعصر رشی د ... قیاس کہتا ہے کہ یہ ان کی (سید حسن کی) بہن نہیں، کیونکہ ان کی نسبت جرجان سے نہیں دیکھی۔ (۳) میری رائے میں اردو لفظ کھنڈر نہیں بلکہ یقیناً" کہن دز جو پرانے قلعے کو، خصوصاً" بدخشاں کے قلعے کو کہتے ہیں۔ جہرم بالفتح ایک مقام کا نام ہے جس کے متعلق لغت میں ہے: نوعے از حصیر بساط بافتند کہ ممتاز است و جہری وجہرمیہ مراد ازاں بساط۔ انگریزی لغت میں اس کے معنی LINEN CLOTH درج ہیں۔ (۴) پسر کے معنی نوجوان بھی ہیں اور یہ لفظ بعض شعراء نے بمعنی معشوق استعمال کیا ہے۔ سعدی فرماتے ہیں۔

گرو ہے تشستند باخوش پسر کہ ما پاکبازیم و صاحب نظر (بوستان)

اوروں نے بھی لکھا ہو .... آپ نے سابق خط میں اپنے چچا صاحب کے انتقال کا حال لکھا تھا۔ حق تعالیٰ مغفرت فرمائے ..... سیئہ بروزن تذکرہ ہے ...... اگر بروزن حیہ پڑھا جائے تو لغت کے لحاظ سے غلط اور اگر بروزن تذکرہ پڑھا جائے جو صحیح ہے۔ تو وہ مصرع یوں ہو گا۔

ع ترا تو سیئہ بھی یوں ہے داخل حسنات ۵

.... آپ نے جس خلوص سے میرے غم میں تعزیت کی اس سے یک گونہ ڈھارس ہوئی اور تاریخ جو بھیجی اس کا شکریہ ......"۔

پھر چند استفسارات کے جواب میں علی گڑھ سے ۲۷ ستمبر ۱۹۳۹ء کو تحریر فرماتے ہیں۔

"عزیز قلبی سلمکم اللہ تعالیٰ ۔ بعد ماھو المسنون یہ کہ طالب خیریت مع الخیر ہے ..... انوری کا شعر غالباً" یوں ہے۔

دارند بلفظ ترکی و ہندی از جود و مکارمت آت و مندہ

دوسرے لوگوں کا ذکر کرتا ہے کہ ان کے پاس تیری سخاوت اور بخشش سے گھوڑے ہیں۔ آت ترکی میں گھوڑے کو کہتے ہیں اور مندہ بھی کسی ہندی لفظ (بمعنی گھوڑا) کی بگاڑی ہوئی شکل ہو ....

ظفر احمد اور حبیب احمد کی طرف سے سلام مسنون ۔ الداعی، ضیاء احمد

علی گڑھ سے ۱۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو تحریر فرماتے ہیں۔

Marfat.com

"سعادت پژدہ حق آگاہ سلمہ اللہ عما یتوقاہ ولو صلہ الی ما یتمنّاہ

فیضی کی مثنوی

فیضی کی دوسری مثنویوں میں شاید "مرکز ادوار" ہی مکمل ہو سکی۔ اس کا ایک نسخہ حبیب گنج میں ہے ..... جن نادر کتابوں کا آپ نے ذکر کیا تھا ان سے استفادہ کی کوشش کروں گا۔ فیضی کی اردو غزل کا اشتیاق ہے۔ اگر نجیب اشرف صاحب (بمبئی) سے آپ وہ غزل نقل کرا کے منگوا سکیں اور اس کی صحتِ نسبت کے بارے میں دریافت فرما سکیں تو خوب ہو ....

میرے نزدیک "پس من نہ حسین بن حسین حسنم" صحیح ہے۔ دوسرا مصرع وزن کے لحاظ سے صحیح نہیں۔ ہاں اگر یوں ہوتا۔ "پس من نہ علاء دیں حسین حسنم" تو درست ہوتا۔ "عباسیانم" کی نسبت آپ کی تحقیق بہت خوب اور صحیح ہے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ مصرع یوں ہی ہو جیسا کہ آپ کا خیال ہے یعنی "دوم روز محرم سال برشتے میم دال الحق" اس صورت میں سنہ میں بھی الجھن نہیں پڑتی ...... اسی مکتوب کے ساتھ پھر تحریر فرماتے ہیں:۔

"عطوفی روئی ۔ آخر خط کا جواب حاضر ہے۔ شکر ہے کہ اب والدہ حبیب احمد کو آرام ہے، اگرچہ کمزوری باقی ہے۔ دوسرا مضمون موصول ہوا۔ ظفر سلمہ آپ کی مخلصانہ عنایت کے بہت شاکر ہیں۔ مگر یہ مضمون ان کے مقصد سے ذرا غیر متعلق ہے۔ ان کا مقصد مذہب' مسلمانانِ ہند کی سیاست' اقبال کے پیام اور مسلم لیگ کی پالیسی کی حمایت و اشاعت ہے۔ اگر آسانی سے ہو سکے تو ان میں سے کسی مبحث پر اگلے ماہ کے پرچے کے لیے کوشش کریں .... نوعیت راہ اور حالات ایران کی نسبت اگر معلومات حاصل کرنا چاہیں تو میرے لائق شاگرد بلکہ فخر استاد ڈاکٹر راجہ غلام سرور صاحب سے جو آج کل بدقسمتی سے دفتر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں پڑے ہوئے ہیں مراسلت کیجئے۔ .... کشف الظنون ایک ترکی عالم حاجی خلیفہ کی تالیف ہے جس میں انہوں نے عربی و فارسی کی تصانیف کی فہرست مع مختصر حال کتب و مصنف دے دی ہے۔ امید ہے کہ اس میں کچھ چیز آپ کے کام کی ہو.........."۔

پھر یکم جنوری ۱۹۴۱ء کے گرامی نامے میں یہ اطلاع عنایت فرمائی کہ "......... میں گزشتہ ماہ حبیب گنج تھا۔ "مرکز ادوار" (فیضی) وہاں مکمل ہے۔ دیوان طالب جس میں خود طالب کی تحریر کردہ غزلیات بھی ہیں' نادر چیز ہے.........."۔

اس کے بعد کے گرامی نامے خیریت سے متعلق ہیں پھر ۲۶ مارچ ۱۹۴۲ء کو لکھتے ہیں۔

Marfat.com

"........؛ معارف میں آپ کا مقالہ پڑھا تھا۔ ایسے غیر معروف سلاطین کی تاریخ کی جستجو قابل ستائش ہے۔ ابوالعلاء کے اشعار کی نسبت عرض یہ ہے کہ شعر (۱) صحیح ہے۔ شعر (۲) میں "لطیف" سہو معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے لطف ہو جس کے معنی نرمی اور مہربانی کے ہیں۔ یا عمادی کی رعایت سے یہ لفظ عماد ہو۔ سنا بمعنی روشنی ہے۔ شعر (۳) کا مصرع ثانی یوں ہے

ع   بہ شست باشد پشتم چو شست گشتہ دوتا

پہلا شست ۶۰ (برس) کے لئے اور دوسرا بمعنی حلقہ یا ہک۔ شعر (۴) میں عقد ستین (۶۰) عقد انامل کی ایک صورت ہے جس میں انگلیوں کی خاص وضع سے ۶۰ کا ہندسہ پیدا ہوتا ہے۔ اس شعر میں رفناء فنا آیا ہے۔ یعنی ہلاکت و عدم کا احاطہ۔ پہلا لفظ رفناء بمعنی احاطہ اور دوسرا فنا (موت) ہے۔ پانچواں شعر صاف ہے۔ میں اس سے متفق ہوں کہ یہ اشعار منوچہر کی مدح میں ہیں اور شاعر کی عمر اس وقت ۵۵ سال کی ہو چکی تھی اور اس وقت تک عمادی اور سنائی انتقال کر چکے تھے۔ میری رائے میں یہ عمادی غزنوی اور سنائی غزنوی ہیں۔ ان دونوں کا سال وفات یا منوچہر کا سال وفات میرے علم میں محقق نہیں۔........"۔

اس مکتوب میں دراصل ابو العلاء گنجوی کے ان اشعار کی تصحیح ہے جو راقم الحروف کو کتاب خانہ حبیب گنج کے مجموعۂ قصائد فارسی میں ملے تھے۔ یعنی

سخنوراں یمن امروز اقتدا آرند   روا بود کہ منم قدوۂ ہمہ شعراء
چو رفت جان عمادی بمن، گزاشت عماد   چو شد روان سنائی بمن گذاشت سنا
تبارک اللہ پنجاہ و پنج بشمر دم   بہ شست باشد پشتم چو شست گشتہ دوتا
بعقد ستین گشتہ ست پنجہ د عمرم   گرِہ وداع رحیل ست ازیں رفناء فنا
سرِ ملوک منوچہر مہر چہر کزو   شدہ ست زندہ و فرخندہ خاندان نیا

۱۔ دوسرے شعر سے ظاہر ہے کہ عمادی (غزنوی) اور سنائی (غزنوی) اس وقت تک انتقال کر چکے تھے۔

۲۔ تیسرے اور چوتھے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو العلاء گنجوی کی عمر اس وقت ۵۵ سال کی ہو چکی تھی اور چھٹی دہائی میں تھی۔

۳۔ منوچہر خاقان شروان اس وقت زندہ تھا جس کی مدح کی گئی ہے۔

خانیکوف (KHANIKOF) نے تذکرہ خاقانی میں ابو العلاء گنجوی کی مفروضہ تاریخ پیدائش ۴۸۵ھ - ۱۰۹۲ء اور ۴۹۰ھ - ۱۰۹۷ء کے درمیان (اورینٹل کالج میگزین۔ اگست ۱۹۳۶ء صفحہ ۵۲) لکھی

Marfat.com

ابو العلا گنجوی کے نایاب اشعار

ضمیرم ابر و سخن گوہرست و دل دریا زباں مبادی و دل گوہر و زمانہ بہا

بہ ہر بلا دے گفتار من عزیز و شریف بہ ہر دیارے اشعار من رواں وردا

سخنوران یمن امروز اقتدا آرند روا بود کہ منم قدۂ ہمہ شعراء

چورفت جان عمادی یمن گزاشت عماد چوشد روان سنائی یمن گذاشت سنا

تبارک اللہ پنجاہ و پنج بشمردم بہ شست باشد پشتم چوشست گشتہ دوتا

بمعقد ستین گشتہ ست پنجہء عمرم کہ وداع رحیل ست ازیں رفناء فنا

بمعزتے کہ مرا باخدایگان بودہ ست شہ زمین و زماں فخر دین ابو الہیجا

سر ملوک منوچہر مہر چہر کزو شدہ ست زندہ و فرخندہ خاندان نیا

بیالداز حکمتم عقل بو علی دقاق بنازد از سخنم جان بو علی سینا

چومن بصیرے کہ فارغ نباشد ازحساد چومن حکیمے کہ ایمن نباشد از اعدا

اگرچہ طوطی خصم ممتند پرور دے بعافیت بگزیدے بسان اژدرہا

ہزار گونہ مرا حاسدست ازہر نوع ہزار گونہ مرا خصم خاست از ہر جا

دروغ تر سخنے آنکہ شاہ را گفتند ابو العلا کہ تراہست سید الندماء

مخالفان را سر توی کند اعلام معاندان را حال توی کند انہا

مزوریست عجب چہرہ دست دشمن من کہ می نگارد نادیدہ صورت عنقا ⑪

گویا اس طرح اس نایاب قصیدے کے پندرہ اشعار جمع ہو جاتے ہیں ا مولانا ہاشم جان صاحب کی بیاض کے اشعار ۱ ـ ۲ ـ ۹ ـ ۱۰ ـ ۱۱ ـ ۱۲ ـ ۱۴ پہلی بار اس ترتیب سے پیش کیے جا رہے ہیں۔ اسی بیاض میں ابو العلا کے یہ اشعار بھی ملتے ہیں۔

برمن ایں عیب زخاقانی نیست ہمہ از طالع او پیر من ست

رنج ما ز آرزوئے شہوت ماست محنت من ہمہ از ... من ست

کودک کتب من خواجہ سراست گربۂ خانۂ من شیر من ست

باہمہ طنطنہ و جباری گرچہ بر چرخ بر زیر من ست

ہدف ناوک بوا لقند زماست کشتۂ ضربت شمشیر من ست

پھر علی گڑھ سے ۱۷ جولائی ۱۹۴۳ء کے مکتوب میں فرماتے ہیں۔

"......... خدا کا شکر ہے کہ حبیب سلمہ' آپ سب کی دعا سے بی-اے- سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہو گئے۔ آئندہ تعلیم یا ملازمت کے بارے میں ہنوز کچھ طے نہیں کیا۔ آج کل وہ بدایوں میں ہیں۔ آپ نے جن دو مضمونوں کی نقل چاہی ہے کسی طالب علم سے کرا کے روانہ کروں گا۔ آپ میرے عزیز ترین شاگرد اور مخلص ترین دوست ہیں۔ اس لئے آپ کا کام میرے لئے عین راحت ہے........"۔ ۱۲ اکتوبر کے گرامی نامے میں ہے کہ "حبیب احمد سلمہ Exc/se and Salt کے محکمے میں کوشش کر رہے ہیں۔ دعا کیجئے۔ یہاں جمعرات کا پہلا روزہ ہوا اور شنبہ کو عید ہوئی"۔ سید حسن غزنوی کے ایک قلمی دیوان (انڈیا آفس' لندن) کا مقدمہ کسی ایسے کاتب کا لکھا ہوا تھا جو خوش خط تو تھا لیکن کم علم تھا۔ اس لئے غلطیاں بہت تھیں۔ استاذی مرحوم نے ۷ جون ۱۹۴۴ء کے گرامی نامے میں اس کی تصحیح فرمائی ہے (انشاء اللہ اس کی تفصیل پھر کبھی پیش کی جائے گی)۔ نمونے کے طور پر چند الفاظ عرض ہیں (قوسین میں صحیح الفاظ درج ہیں)۔

. عُدَّۃ ی نماید (ی ماند) عدہ (عُدَّۃ) آیاتہ (من آبائہم اُور مبین (دُرِّ مُبِین) ذخیر (ذُخر) بسبابیہ (بتشابہ) مسخ الجہال (مَنحَ الجُہّال) وغیرہ۔ نسخوں کی تصحیح کے سلسلے میں مزید اس قدر عرض کرنا بے محل نہ ہو گا

Marfat.com

کہ سید حسن غزنوی کے بعض قصیدے عربی میں بھی ہیں جن میں کاتبوں کی وجہ سے بہت سی غلطیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ میں نے یہ قصیدے نقل کر کے برصغیر کے عربی کے بہترین فضلاء اور ادباء کی خدمت میں روانہ کئے اور اُن سے بار بار درخواست کی کہ وہ تصحیح فرما دیں لیکن انہوں نے کوئی نہ کوئی حیلہ کر کے ٹال دیا۔ ایک بہت بڑے فاضل نے فرمایا کہ یہ قصیدے مہمل ہیں ایک اور فاضل نے اپنے دست مبارک سے خط لکھا کہ میری انگلی میں چوٹ لگ گئی ہے۔ جب اچھی ہو جائے گی تو اس وقت جواب دوں گا لیکن پھر وہ جواب کبھی نہیں آیا۔ بالآخر استاذی مرحوم کی خدمت میں وہ قصیدے روانہ کئے۔ انہوں نے ایک ہی ہفتے میں ان سب کی تصحیح فرما دی۔ صرف ایک مصرع کے دو تین لفظ صاف نہیں ہوئے تھے۔ تو مخدومی پرنسپل ڈاکٹر محمد شفیع صاحب مرحوم (المتوفی ۱۴ مارچ ۱۹۶۳ء) سے رجوع کیا اور انہوں نے فوراً ان الفاظ کی تصحیح فرما دی۔

مثنوی "قضا و قدر"

کراچی کے قیام کے زمانے میں مجھے مولانا سید مطیع اللہ راشد برہان پوری مرحوم کے ذاتی کتب خانے میں ایک فارسی مثنوی قضا و قدر نام کی ملی۔ مطالعہ کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ مصحفی کی مثنوی "بحر المحبت" اور میر کی مثنوی "دریائے عشق" سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے۔ (سید محمد والہ المتوفی ۱۱۸۴ھ) نے بھی اسی سے ملتا جلتا قصہ مثنوی موہنی و طالب نظم کیا تھا)۔ اُستاذی مرحوم کو اس کے متعلق لکھا تو انہوں نے علی گڑھ سے ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۰ء) کو تحریر فرمایا۔

"...... اغلب یہ ہے کہ مصحفی نے یہ قصہ میر سے اور میر نے کسی فارسی شاعر سے لیا ہے۔ قضا و قدر نام کی متعدد مثنویاں ہیں مثلاً" بیدل، سرخوش، محمد سعید اشرف، مسیح کاشی، سلیم طہرانی، طالب آملی، حکیم رکنا، سلیم یزدی، ضیا اصفہانی، محمد علی تسلیم، قانع تتوی نے اسی نام پر لکھی ہیں ------ ازراہ کرم چند شعر اس کے آغاز کے چند درمیان کے نیز چند آخر کے تحریر فرماکر بھیجئے"۔ غرض کہ رسالۂ اردو (کراچی۔ اپریل ۱۹۵۱ء) میں اس مثنوی کے متعلق مضمون شائع ہوا اور انہوں نے پسند فرمایا۔

پھر علی گڑھ سے ۱۴ جنوری ۱۹۵۳ء کو تحریر فرماتے ہیں۔

"...... خدا کا شکر ہے کہ میرے چھوٹے بھائی آفتاب احمد سلمہ ڈسٹرکٹ جج ہو گئے۔ اور شاہجہاں پور میں متعین ہوئے......."۔

بیت الحبیب، علی گڑھ سے ۷ نومبر ۱۹۵۳ء کو مجھے مبارک باد تحریر فرماتے ہیں۔

Marfat.com

"...... حج و زیارت کے شرف سے سرفرازی پر دلی مبارک باد قبول کیجئے۔ جوانی میں یہ سعادت حق سبحانہ نے عطا کی۔ یہ بھی نشان مقبولیت ہے۔ ویسے بھی دست بہ دعا ہوں کہ آپ کو نعمت ہائے دارین میسر ہوں۔ آمین ۔ جزاک اللہ خیر الجزاء کہ آپ ایسے مقدس مقامات پر بھی اس عاصی کو نہ بھولے۔ خدائے پاک آپ کی دعاؤں کو مقرون اجابت کرے۔ آپ کی مراجعت وطن پر چند شعر فکر کئے ہیں جو ذیل میں درج ہیں۔

تاریخ بہرام شاہ کا انتساب

تاریخ بہرام شاہ (انگریزی) کا انتساب میرے نام اگرچہ میرے مقام سے زیادہ مگر آپ کے مقتضائے اخلاق کے مطابق ہے دراصل آپ نے خود میری نظر میں میری قدر بڑھا دی۔ شکریہ قبول فرمایئے۔ خلیق صاحب کے تقرر سے مسرت ہوئی۔ اگر آپ خط لکھیں تو میری دعا اور سلام لکھ دیں۔ اس سے پہلے کوئی اطلاع نہ تھی۔ ظہیر نے میگزین آپ کے لئے حبیب کے نام سے روانہ کیا ہے............"۔

اس کے بعد کئی گرامی نامے ہیں جن میں میری رہبری فرمائی گئی ہے۔ جولائی ۱۹۵۶ء میں کراچی سے حیدر آباد آگیا اور یہاں سندھ یونیورسٹی میں صدر شعبہ اردو کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ ۶ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو تحریر فرماتے ہیں:۔

والدہ صاحبہ کا انتقال

"...... بعد کے خط سے آپ کی والدہ ماجدہ کی خبر وفات دریافت کر کے بہت رنج ہوا۔ حق سبحانہ' مرحومہ کو خلد بریں عطا فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل دے۔ میں اس حادثۂ الم ناک میں صحیح معنی میں آپ کا ہمدرد ہوں کیونکہ گزشتہ سال میری والدہ صاحبہ مرحومہ نے بھی سفر آخرت فرمایا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ والدین' خصوصاً" ماں کی بے غرض محبت میں یک گونہ رحمت الٰہی کا پرتو نظر آتا ہے اور والدین کا سایہ (خواہ وہ کتنے ہی معمّر ہوں) بڑی تقویت کا ذریعہ ہوتا ہے۔ مگر حکم ایزدی میں کیا چارہ ۔ قطعہ تاریخ وفات' خیال میں آیا ہے جو پیش کرتا ہوں۔

کر گئیں دہر سے قضا امِّ غلام مصطفیٰ ۔۔۔ وقفِ الم ہیں اقرباءَ حسرت و غم کا ہے وفور
وقت سحر ہو یا کہ شام ورد زباں تھا حق کا نام ۔۔۔ فکرِ مآل سے تھا کام' الفتِ مال سے نفور
خلق میں تھیں وہ باصفا' مظہرِ رحمت خدا ۔۔۔ سالِ وفات لکھ ضیاءؔ "رحمتِ ایزدِ غفور"

۱۹۵۶ء

Marfat.com

اس کے بعد ۱۷ مارچ ۱۹۵۶ء کا ایک گرامی نامہ ہے۔

"عزیز القدر بارک المولیٰ لکم ۔ ہدیہ سلام و رحمت ۔ کئی روز ہوئے تو آپ کا مرسلہ علمی تحفہ (حالی کا ذہنی ارتقاء) دو نسخوں کی شکل میں موصول ہوا تھا۔ بہت بہت شکریہ ۔ جس تحقیق و تدقیق سے یہ کتاب لکھی گئی ہے آپ جیسے فاضل سے اسی کی توقع تھی۔ ماشاء اللہ ...."

چند ماہ بعد ۱۲ جولائی ۱۹۵۷ء کو تحریر فرماتے ہیں۔

"علمی نقوش کے دو نسخے موصول ہوئے۔ بہت بہت شکریہ ۔ اگرچہ کُل ابھی تک پڑھ نہیں سکا' تاہم جس قدر پڑھا وہ آپ کی فاضلانہ جستجو اور تحقیق کی نہایت عمدہ مثال ہے۔ حق سبحانہٗ آپ کے رشحات قلم سے اہل علم کو تادیر مستفید رکھے ...."۔ آپ نے مقدمہ میں میرا جو تذکرہ کیا ہے وہ آپ کے کمال اخلاص و اخلاق کا آئینہ دار ہے۔ فجزاک اللہ خیرا ...."۔

پھر ۱۷ جولائی ۱۹۵۷ء کو میرے بڑے بھائی صاحب مرحوم کی تعزیت میں شفقت نامہ لکھا۔ اس میں بھی قطعہ تاریخ ہے۔

مصطفیٰ خاں کے بڑے بھائی نے روز عرفہ دارِ فنا سے کیا قصدِ ریاضِ جنت
فکرِ تاریخ ہوئی مجھ کو تو ہاتف نے ضیاءؔ کہہ دیا بے سر ابہام "غریق رحمت"

۱-۱۹۵۸ء = ۱۹۵۷ء

یہ تمام قطعاتِ تاریخی اس لئے نقل کئے جا رہے ہیں کہ اُستاذی مرحوم کی شفقتوں کا اندازہ بھی ہو سکے اور وہ سب محفوظ بھی ہو سکیں۔ غالباً" اسی زمانے میں بھائی ظہیر احمد صدیقی صاحب (جو استاذی مرحوم کے دوسرے صاجزادے ہیں اور پی ایچ ڈی بھی ہیں) دہلی یونیورسٹی میں استاد مقرر ہو گئے تھے۔ کیونکہ ۲۸ اگست ۱۹۵۷ء کے گرامی نامے میں میری ایک حقیر کتاب علمی نقوش کے متعلق تحریر فرما دیا ہے کہ ایک نسخہ "ظہیر سلمہ دہلی لے گئے"۔

اسی زمانے میں عثمان مختاری پر مقالہ لکھا تو حضرت قبلہ سے استفادے کے لئے عریضہ لکھا۔ انہوں نے ۲۸ جنوری ۱۹۵۸ء کو تحریر فرمایا۔

"سعید نبیل فاضلِ جلیل بارک المولیٰ لکم ۔ السلام علیکم و علیٰ من لدیکم ۔ خط آیا مژدۂ خیریت لایا۔ میں علیل تھا۔ اب بفضلہٖ اچھا ہوں۔ البتہ بیوی اکثر بیمار رہتی ہیں۔ دعا کیجئے' وہ بھی دعا کہتی ہیں۔ آپ نے جس محبت و سعادت سے پرسشِ حال کی ہے اُس پر دل سے دعا نکلی۔ ویسے بھی حق سبحانہٗ سے آپ کے لئے سعادتِ دارین کا متدعی رہتا ہوں۔ جہاں تک تفحص کیا عثمان مختاری کا کلام یا اُس پر کوئی کتاب ایران سے شائع نہیں ہوئی۔ اس پر بحث' مجلس شورائے ملی کے فارسی مخطوطات کی فہرست

Marfat.com

ص ۴۰۳ - ۴۰۵ ہر اور مدرسہ سپہ سالار کی فہرست جلد دوم ص ۶۷۰ - ۶۷۲ پر ملے گی۔ تربیت نے مجلہ مہر سال پنجم (آذر ۱۳۱۶) کے صفحہ ۴۵۳ - ۴۵۶ پر اس کے حالات لکھے ہیں۔ قزوینی نے چہار مقالہ (ص ۱۵۰ - ۱۵۲) میں بھی کچھ تحریر کیا ہے۔ نیز سعید نفیسی نے تاریخ بیہقی جلد سوم کے صفحات ۱۲۷۳ - ۱۳۷۹ پر مختاری کے چند قصائد نقل کئے ہیں"۔ عثمان مختاری کا دیوان بعد میں ایران سے شائع ہو گیا ہے لیکن استاذی مرحوم کی شفقت سے اس پر اور چھٹی صدی ہجری کے دوسرے فارسی شعراء پر راقم الحروف نے جو کچھ لکھا ہے' اہل تحقیق کے لئے شاید زیادہ مفید ثابت ہو گا۔

پھر ۲۵ جنوری ۱۹۵۹ء کو تحریر فرماتے ہیں۔

بعض مشورے

"......... آپ کی کتاب "فارسی پر اردو کا اثر"------ (دوسرا ایڈیشن) کے بارے میں کیا مشورہ دوں۔ آپ ماشاء اللہ خود صاحب فضل ہیں۔ میرے متعلق جو لکھا ہے وہ آپ کی سچی محبت کا اثر ہے۔ میرے خیال میں عنصری' فرخی' سنائی وغیرہ کے دواوین میں جو ایران سے مکمل تبصرہ تصحیح و تحشیہ و حل لغات کے ساتھ شائع ہوئے ہیں' کچھ ہندی الفاظ مل جائیں گے۔ علاوہ بریں فارسی پر ہند کے اثر کے ضمن میں سینکڑوں الفاظ ایسے ہوں گے جو فارسی دانان ہند نے اپنی کتابوں سرکاری مراسلات اور رسائل انشاء میں برتے ہیں۔ بکثرت عربی و فارسی الفاظ و تراکیب کو ہم ہندیوں نے تلفظ و معنی میں تبدیل کر کے لے لیا ہے۔ مثلاً" غصہ' سلوک' مہتر' شادی' غریب' تنخواہ' مرغ' گلاب وغیرہ - اس قسم کی مثالیں کئی سو سے تجاوز ہوں گی"۔

اس کے بعد ۱۳ جون ۱۹۶۰ء کا گرامی نامہ علمی اور سوانحی اعتبار سے اہم ہے اس لئے تمام و کمال نقل کیا جاتا ہے۔

"عزیز دلیا سلامت - السلام علیکم و علیٰ من لدیکم - طالب خیریت مع الخیر ہے۔ مودت نامہ موصول ہوا تھا۔ جواب میں اس لئے دیر ہوئی کہ گرمی کی شدت اور کام کی کثرت رہی۔ اس کے علاوہ آپ کے بھائی نصیر احمد سلمہ کی شادی میں الہ آباد جانا ہوا اور ۳۰ کو واپسی ہوئی۔ شکر ہے کہ تقریب بخیر و خوبی سرانجام کو پہنچی۔ بیوی اب پہلے سے بہتر ہیں اور دعا کہتی ہیں۔ آپ جس محبت سے پرسش حال کرتے ہیں اس پر دل سے دعا نکلتی ہے۔ جزاکم اللہ

میں اس امر میں آپ سے متفق ہوں کہ نول کشور کا دیوان ظہیر' ظہیر فاریابی کا نہیں ہے۔ پھر کون سا ظہیر ہے؟ اس تخلص کے تین شخص گزرے ہیں (۱) ملا ظہیر الدین تفرشی در عہد

Marfat.com

شاہ عباس صفوی (عباس اعظم) (۲) ملا ظہیر نہاوندی، معاصر طاہر وحید در عہد شاہ سلیمان صفوی (۳) ظہیر الدین محمود سمرقندی (عہد معلوم نہیں)۔ ان لوگوں کے مفصّل حالات نہیں ملے۔ دیوان مذکور غالباً نمبر ۲ کا ہے۔ البتہ چند امور میں (جو راقم الحروف نے عرض کئے تھے) مجھے شبہ ہے (۱) اس کو کیا کیجئے گا انوری و خاقانی کی غزلیات میں بھی برابر مقطع ملتا ہے (۲) جن الفاظ "شفا" وغیرہ کا آپ نے حوالہ دیا ہے وہ یا تو ایسے لوگوں سے متعلق ہیں جو فاریابی سے پہلے گزرے ہیں، جیسے ابن سینا اور غزالیؒ یا معاصر ہیں جیسے نظامی[9] یا وہ الفاظ عام معنی میں مستعمل ہیں مثلاً مطوّل (۳) الفاظ نام بُردہ کی تاریخ تو پیش نظر نہیں تاہم دُلدل خاقانی نے استعمال کیا ہے۔

داده تجمّش در آں منازل　　　معمارِ ضمیر دلدلِ دل (تحفتہ العراقین)

(۴) "شہیدِ خطۂ طوس" (امام رضاؒ) سے ارادت متقدمین کو بھی رہی ہے۔ خاقانی کے کئی قصائد حضرت کی تعریف میں ہیں۔ لہٰذا دلیل صحیح نہیں۔ البتہ "تعلیم صائبا" والا شعر آپ کا موید ہے۔ بے شک متعدد دیوان غلط طور پر منسوب ہو گئے ہیں۔

مثلاً دیوان خواجہ معین الدینؒ (یہ مولانا معین الدین فراہی کا ہے)۔ فتوح الحرمین (حضرت شیخ محی الدینؒ کی نہیں) بلکہ محی لاری کی ہے) علیٰ ہذا القیاس دیوان بختیار کاکیؒ .... آپ نے سنا ہو گا کہ میں پروفیسری سے[9] ریٹائرڈ ہو کر انجمن میں شعبۂ لغت اردو کا ڈائریکٹر ہو گیا ہوں۔ دعاگو۔ ضیاء احمد

اس مکتوب گرامی سے اندازہ ہو گیا گا کہ راقم الحروف نے نو لکشور کا شائع کردہ دیوانِ ظہیر جب بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ ظہیر فاریابی کا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس کے الفاظ اور دیگر داخلی شہادتوں کی مدد سے اسی زمانے میں معارف (اعظم گڑھ) میں مضمون شائع کرایا[10] اور یہ ثابت کیا کہ یہ دیوان ظہیر اصفہانی کا ہے جو صائب کا شاگرد تھا۔ قارئین کو یہ بات ناپسند ہوئی اور نئی اہل قلم حضرت نے میرے خلاف قلم اٹھایا۔ بالآخر ڈاکٹر نذیر احمد صاحب (صدر شعبۂ فارسی، علی گڑھ) نے میری تائید میں مضمون لکھا اور لوگوں کو خاموش کیا۔

اس کے بعد میرے حقیر مضامین کا ایک مجموعہ "ادبی جائزے" شائع ہوا تو استاذی مرحوم کی خدمت میں بھیجا۔ رسالہ "نیا دور" (کراچی) میں ایک اور مضمون "ثقافتی اردو" شائع ہوا تو پاکستان میں دو انعام دیے گئے اس مضمون کا بھی ایک نسخہ خدمت میں بھیجا۔ ان کی رسید میں جو گرامی نامہ بدر باغ، مسلم یونیورسٹی سے ۱۸ مارچ ۱۹۶۱ء کو روانہ فرمایا تھا، اُس کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

"زبدۃ الاماثل بارک المولیٰ لکم"۔ تحیہ مسنونہ۔ عنایت نامہ ملا تھا جس کا جواب ارسال کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد ادبی جائزے اور "نیا دور" موصول ہوئے۔ آپ کے مقالات عالمانہ ہیں۔ خصوصاً "ثقافتی اردو" نہایت پر از معلومات اور دلچسپ ہے ماشاء اللہ۔ اگر مناسب سمجھیں تو اس میں بزم آخر اور مشرقی تمدن کا آخری نمونہ سے اضافہ کر سکتے ہیں۔ البتہ بحور کے متعلق مجھے کسی قدر اختلاف ہے۔ مثلاً الٹی ہو گئیں ...... الخ (ص ۳۵۷) اس کا وزن جو ڈاکٹر صدیقی صاحب نے بتایا ہے۔ وہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ یہ تو بحرِ متقارب ۱۶ رکنی اثرم ہے یعنی فعل فعولن فعل فعولن فعل فعولن فعلن فع۔ اسی طرح دریائے لطافت کی بحروں کو ہندی پنگل کہنا کہاں تک درست ہے جب کہ دونوں صاف بحرِ ہزج میں آتی ہیں۔ علیٰ ہذا ایک اور مفید گرامی نامہ مورخہ ۱۹ دسمبر ۱۹۶۲ء ہے۔ اس کا ایک اقتباس یہ ہے۔

دیوانِ ظہیر اور دیوان احمد جام

"دیوانِ ظہیر کی نسبت آپ نے جو رائے ظاہر کی تھی وہ نہایت وزنی اور مدلل تھی۔ آخر دوسرے حضرات کو بھی تسلیم کرنی پڑی۔ میں چونکہ آپ کا استاد کہلاتا ہوں۔ اس نسبت سے آپ کے علمی افادات پر فخر کرتا ہوں اور آپ کے دینی اور دنیاوی مدارج کی ترقی کے لئے دست بدعا رہتا ہوں۔ بیوی کی صحت فی الحال غنیمت ہے وہ بھی دعا کہتی اور دعا کرتی ہیں۔ دیوان احمد جام (اس کے الحاقی ہونے کے متعلق عرض کیا تھا) پڑھا۔ تمام تر شطحیات و کفریات سے بھرا ہوا ہے۔ اگرچہ وہ صاحب اہل و عیال تھے لیکن کلام تمام تر مجذوبانہ انداز میں ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

ماخدائیم و خدارا رہنما   در حقیقت من خدا ایم من خدا

ایک غزل کی ردیف ہے "من طہٖ دیرینہ ام" دوسری کی ردیف ہے "اللبّ لبّ لکم" استغفر اللہ۔ نہ صوفیانہ معارف ہیں نہ شاعرانہ حُسن۔ آپ ان امور پر ضرور لکھئے---------"۔

کراچی میں تشریف آوری

راقم الحروف جولائی ۱۹۶۳ء میں دہلی گیا تھا لیکن محترم بھائی ڈاکٹر ظہیر احمد صاحب سے ملاقات نہ ہو سکی اور علی گڑھ جانے کی اجازت نہ مل سکی۔ پھر اُستاذی مرحوم اور بھائی صاحب خود ہی اکتوبر ۱۹۶۳ء میں کراچی تشریف لائے۔ میں اور سراج احمد سلمہ اُن کی خدمت میں حاضر

Marfat.com

ہوئے۔ حیدر آباد تشریف لانے کا وعدہ تھا لیکن موقع نہ مل سکا۔ اس لئے ۹ دسمبر کو علی گڑھ سے تحریر فرماتے ہیں۔

"محبت نامہ مل کر کاشفِ احوال ہوا۔ کیا عرض کروں، پاسپورٹ کی میعاد اور تلمیذ سلمہٗ کی رخصت کے ختم ہونے کے باعث آپ سے اور متعدد اعزہؔ سے اطمینان کے ساتھ ملاقات نہ ہو سکی ورنہ حیدر آباد سندھ کی تو اجازت لے چکا تھا۔ آپ کے منجھلے بھائی صاحب مرحوم کی وفات کا حال معلوم کر کے افسوس ہے حق سبحانہ، اُن کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور آپ کو صبر عطا کرے۔ ۳۰ نومبر کو میری بڑی ہمشیر محترمہ نے جو مدت سے بیمار تھیں سفر آخرت فرمایا۔ ایسی خدا پرست، متوکل اور صابر و شاکر بیبیاں اس دور میں بہت کم ہوں گی۔ آپ بھی دعا فرمائیں ....۔"

پھر ۲۷ مئی ۱۹۶۴ء کو تحریر فرماتے ہیں۔

"......... حق سبحانہ، کا ہزار ہزار شکر ہو کہ آپ کو دوبارہ سعادت حج و زیارت میسر آئی اور بحمد اللہ مع الخیر واپسی ہوئی۔ مبارک

اک وہ کہ جن کو بار ملا بزم خاص میں
اک ہم کہ گردِ راہگذر دیکھتے رہے

یہ امر مزید اطمینان و امتنان کا باعث ہے کہ آپ نے اس فقیر کو دعا میں یاد رکھا۔ جزاک اللہ۔

قطعہ تاریخ کا تحفہ پیش ہے۔

آئے دوبارہ کعبہ سے حج کر کے مصطفیٰ — کیونکر نہ جان و دل سے خوشی اس کی ہم کریں
تاریخ کی تلاش اگر ہے تو اے ضیاء — بیت الحرام آپ مکرر رقم کریں

۶۹۲ x ۲ = ۱۳۸۴ھ

۲۹ مارچ ۱۹۶۵ء کو استاذی مرحوم نے ایک اور قطعہ تاریخ بھیجا۔

حج سے کیا سہ بارہ شرف ہزار شکر — ہیں مصطفیٰ پہ حق کی عنایات لا تُعد
تاریخ اس سفر کی جو مطلوب تھی ضیا — ہاتف نے تین بار کہا "رحمتِ ابد"

۶۵۵ x ۳ = ۱۹۶۵ء

بلحفہ تعالیٰ ایسے مواقع پر اور بھی گرامی نامے ہیں جن کا سلسلہ ۲ جون ۱۹۷۳ء تک چلتا ہے۔ دہلی سے ۱۵ دسمبر ۱۹۷۰ء کو جو شفقت نامہ روانہ فرمایا تھا اس میں ان کی بعض تصانیف کا ذکر ہے۔

[illegible] فرماتے ہیں۔

Marfat.com

.... کوشش کروں گا کہ عزیزی خالد افضل (کراچی) کی معرفت "مباحث و مسائل" کے چند نسخے بھیجوں۔ میری ایک کتاب ثمن زار (یعنی انتخاب شعرائے فارسی مع ترجمہ اردو) ساہتیہ اکاڈیمی دہلی نے شائع کی ہے۔ نادم ہوں کہ اس کا کوئی نسخہ آپ کو روانہ نہ کر سکا۔ اول تو مجھے نسخے بہت کم لے، دوسرے کتابوں کی روانگی پر بندشیں لگ گئیں۔ میرے مذہبی مضامین جو پریس میں ہیں، انشاء اللہ طبع ہو جائیں تو پیش کروں گا......."۔ اب ایک اور کرم کا ذکر کیا جاتا ہے ڈاکٹر رضا زادہ شفق کی کتاب "تاریخ ادبیات ایران" کا اردو ترجمہ جناب سیّد مبارز الدین رفعت نے کیا تو استاذی مرحوم نے اس پر تبصرہ لکھا اور فردوسی کے سلسلے میں راقم الحروف کو اس طرح یاد فرمایا۔

فردوسی اور شاہنامہ

"شاید بے محل نہ ہو اگر یہاں ہم فاضل عزیز ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب پروفیسر حیدر آباد سندھ، کی تحقیق نقل کر دیں۔ موصوف ایک داخلی شہادت سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ شاہ نامہ کی تکمیل ۴۰۲ھ میں ہوئی کیونکہ کتاب مذکور (جلد سوم) میں فردوسی نے محمود کی معافی مال گذاری کا تذکرہ کیا ہے جو خراسان کے قحط کے موقع پر عمل میں آئی تھی اور یہ قحط ۴۰۱ھ میں پڑا تھا۔ (تاریخ یمینی) لہٰذا شاہ نامہ ۴۰۱ھ سے پہلے تکمیل کو کیونکر پہنچ سکتا تھا۔ اب تاریخ تکمیل یا ۴۰۱ھ ہونی چاہئے جیسا کہ براؤن کی رائے ہے یا ۴۰۲ھ جیسا کہ ڈاکٹر موصوف کا خیال ہے مگر دونوں صورتوں میں فردوسی کے بیان سے تصادم ہوتا ہے البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ قحط کا بیان شاعر نے ضمیمے کے طور پر بعد کو بڑھایا ہو یہاں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے ایک عجیب اور پرلطف نکتہ پیش کیا ہے ان کا بیان ہے کہ چونکہ فردوسی کے اعداد بحساب ابجد ۳۶۰ ہوتے ہیں اس لئے اس کی شاعری کا سال آغاز ۳۶۰ھ ہے۔ گو کہ شاہنامہ اس نے پانچ سال بعد لکھنا شروع کیا علیٰ ہذا شاہنامہ کے اعداد (۴۰۲) میں کتاب مذکور کے سال تکمیل کی طرف اشارہ ہے۔

Marfat.com

"ہمارے علم میں اس وقت تک کتاب کے نام خصوصاً" شاعر کے تخلّص مقرّر کرنے میں حساب جمل کی رعایت کا طریقہ رائج نہ تھا۔ اس لئے یہ بیان محلِّ نظر معلوم ہوتا ہے۔ تاہم ڈاکٹر موصوف کی تلاش کی داد نہ دینا ظلم ہو گا........"۔

ایک نہایت مفید مکتوب عزیزی فضلِ حق خورشید صاحب کے نام آیا تھا جو ان کے پی ایچ ڈی کے موضوع "اردو نظم کا ارتقاء" کے سلسلے میں ہے۔ ۲۶ اپریل ۱۹۷۰ء کو دہلی سے تحریر فرماتے ہیں۔

نظم کیا ہے؟

"مکرمی - سلام و رحمت .... یقین مانئے کہ اب انحطاطِ عمر کے باعث قوتِ حافظہ کا یہ حال ہے کہ اُس خط کی عبارت (جو آپ کو نہیں ملا) مطلق یاد نہیں------ جو باتیں خیال میں آئیں وہ عرض کرتا ہوں۔

منطق کی چند اصطلاحیں ہیں۔ مُقسَم، قِسم، قسیم مثلاً" حیوان یا جاندار مقسم ہے۔ انسان، اونٹ، گھوڑا وغیرہ اُس کی قسمیں اور یہ (انسان، اونٹ، گھوڑا وغیرہ) آپس میں قسیم ہیں۔ اسی طرح نظم (مقابلِ نثر) ایک لحاظ سے مُقسَم ہے۔ اور دوسرے لحاظ سے (جب کہ اُس سے ایک خاص صنف مُرادَ ہو) قسم ہے۔ یہ نظم اگرچہ قُدماء کے یہاں ملتی ہے۔ تاہم ایک متعیّن اور متعارف صنف کے لحاظ سے حال کی چیز ہے اس کی جامع اور مانع تعریف بھی کہیں نہیں ملتی ...۔ البتہ منفی (NEGATIVE) تعریف ممکن ہے۔ یعنی یہ بتانا مشکل ہے کہ نظم کیا ہے؟ ہاں یہ بتایا جا سکتا ہے کہ کیا نہیں ہے۔

مواد (MATTER) اور ہیئت (FORM) کے اعتبار سے نظم کی حدود و قیود واضح نہیں ہیں۔ شعراء نے متعدد موضوعات اور متعدد شکلیں اختیار کی ہیں۔ مثال کے طور پر جوشؔ کو لیجئے۔ انہوں نے کبھی کوئی واقعہ، کبھی کوئی سیاسی یا سماجی مسئلہ پیشِ نظر رکھا ہے اور اس میں یا تو قطعہ کی طرح آخر تک ایک جیسا قافیہ ملتا ہے یا مثنوی کی طرح ہر بیت کا قافیہ جُدا ہے۔ یا بند کی صورت رکھی گئی ہے اسی طرح اقبال کے یہاں ایک نظم "سید کی لوحِ تربت" مثنوی کی فارم میں ہے۔ "ایک آرزو" میں آخر تک گیا ہو، فدا ہو جیسے قافیہ و ردیف ہیں۔ "موجِ دریا" مسدّس کی صورت میں ہے صرف دو بندوں پر مشتمل۔ علیٰ ہذا۔

میری ناچیز رائے میں شاعر جب کوئی منفرد خیال ادا کرنا چاہتا ہے تو نظم کا سہارا لیتا ہے جو عموماً" قطعے سے بڑی اور مثنوی سے چھوٹی ہوتی ہے۔ گو نوعیتِ قافیہ کو دیکھتے ہوئے قطعہ، مثنوی

Marfat.com

سے مشابہ ہو جائے۔ مواد (یا موضوع) کو دیکھتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ نظم کا SUBJECT کوئی طویل الذیل بحث، کوئی عشقیہ یا رزمیہ داستان نہیں۔ اس کے برخلاف مثنوی طویل، صوفیانہ یا فلسفیانہ بحث عشقیہ یا رزمیہ داستان پر محتوی ہوتی ہے۔ یہی فرق ہے بعض فارسی ادب کی کتابوں میں صرف دو یا تین شعر پر (فی المثنوی) کا عنوان درج دیکھنے میں آیا ہے لیکن ان اشعار کو لغتہً تو مثنوی کے تحت لا سکتے ہیں، عرفاً نہیں۔

علاوہ بریں مثنوی کے لوازم تمہید، حمد، نعت وغیرہ ہوتے ہیں۔ نظم میں ایسا نہیں۔

بعض نظمیں، ہو سکتا ہے کہ قطعے سے مشابہ معلوم ہوں یعنی پہلا شعر مطلع نہ ہو اور آخر تک ایک جیسا قافیہ چلا گیا ہے۔ تاہم قطعہ مستقل صنف کی حیثیت نہیں رکھتا اور جیسا کہ بعض اصحاب نے لکھا ہے وہ غزل یا قصیدے سے قطع کیا ہوا ہوتا ہے اور اُس کا موضوع بھی عموماً ہنگامی ہوتا ہے نہ کہ مستقل، برخلاف نظم کے۔ زیادہ کیا نگارش کی جائے...... الحاج ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کو سلام مسنون

والسلام - راقم ضیاء احمد

عزیز موصوف کو ۱۹ مئی ۱۹۷۰ء کو مزید مشورہ عنایت فرماتے ہیں کہ

"...... بعد کا دور نظم کی ترقی کا دَور ہے۔ اس ضمن میں سودا، میر، انشاء، مصحفی، خصوصی طور پر نظیر اکبر آبادی کو اہمیت حاصل ہے۔ پھر آخری دور کے بڑے نظم نگار حالی، آزاد، مولوی اسمٰعیل بعدہٗ جوش اور اُن کے متعدد ہندوستانی اور پاکستانی معاصر آتے ہیں۔ ان لوگوں کے یہاں نظم کا شعوری تصور، تنوعِ خیالات کی گہرائی اور جذبات کی گرمی ملتی ہے۔ جوش ہی کے عہد سے نظم، غزل کے حریف کی حیثیت سے میدان میں آئی ہے۔ نظم اور غزل کے محاسن اور نقائص پر بہت کچھ لکھنے کی گنجائش ہے اور مثالوں میں کیفیت اور کمیت کے اعتبار سے کافی مواد مل سکتا ہے...... ہاں! قومی، سماجی، سیاسی نظم نگاروں (مثلاً شبلی، اکبر، اقبال، حفیظ، صفی، چکبست، فراق، رواں وغیرہ) کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ استاذی مرحوم کے ایسے بکثرت مکتوبات ہیں جو شاگردوں، عزیزوں اور احباب کو لکھے گئے تھے۔ اگر ان سب کا مطالعہ کر کے اُن کے علمی افادات کا ایک مجموعہ تیار کر لیا جائے تو علم و ادب میں ایک بیش بہا اضافہ ثابت ہو گا۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ استاذی مرحوم کی بعض تصانیف کا تعارف بھی کرایا جائے۔ چنانچہ عرض ہے کہ شعر و شاعری کا سلسلہ تو بچپن ہی سے جاری تھا، لیکن سب سے پہلی تصنیف مجموعۂ قصائد مومن ہے۔ ناظر پریس لکھنؤ سے ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی لیکن ایک سال پہلے مرتب

Marfat.com

ہو چکی تھی۔ یکم اکتوبر ۱۹۲۴ء کو (جب کہ آپ ایم اے پاس کرنے کے بعد الٰہ آباد یونیورسٹی میں ریسرچ اسکالر تھے) "قولِ شارح" کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

"تغزل کے خیالات اور سوز و گداز کے مضامین میں اُردو شاعری میر کے بعد جس قدر مومن کی طُرفہ کار طبیعت اور دور رس تخیّل کی رہینِ منت ہے کسی دوسرے کی نہیں۔ لیکن افسوس کہ مومن کے پیچیدہ اسلوبِ بیان اور اُس پر مستزاد مطبعوں کی تصحیف و تحریف نے اس باکمال کے کلامِ مطبوع کو اس قابل نہیں رکھا کہ عام فہم کہا جا سکے۔ خاکسار کو فطرۃً بد و شعور سے شعر و سخن سے ذوق اور دیوانوں کا شوق ہے نیز خاندان کے علمی مشاغل نے سونے پر سُہاگے کا کام دیا اور شروع سے یہی چرچے کانوں میں پڑے۔ یہی وجہ ہوئی کہ طالب علمی ہی کے زمانے میں اُردو، فارسی، عربی کے اساتذہ کے دیوان مطالعے میں رہنے لگے۔ اُسی دوران میں یہ خیال پیدا ہوا کہ دیوانِ مومن کو اس طریقے سے ایڈٹ کیا جائے کہ دیوان مع کامل تصحیح و تشریح کے ساتھ علم دوست پبلک کے ہاتھوں میں پہنچے........"۔ حقیقت یہ ہے کہ مومن کی طرف کسی نے بھی توجہ نہیں کی تھی اور اُن کی غزل ہی کیا کم مشکل تھی جو اُن کے قصائد کی طرف کوئی متوجہ ہوتا۔ استاذی مرحوم کا یہ احسان ہے کہ انہوں نے مومن کے تمام قصائد (اور بعد میں اُن کی غزلیات) کی تصحیح کی اور بڑی دقتِ نظر سے اُن کا صحیح ایڈیشن تیار کیا اور ساتھ ہی تشریح بھی شائع کر دی۔ چنانچہ مجھے یہ عرض کرنے میں کوئی تامّل نہیں کہ قبلہ ضیاء احمد صاحب کا یہ کام اس فضل و کمال کے ساتھ معرضِ وجود میں آیا ہے کہ پھر کسی اور صاحب نے ایک لفظ کا بھی اضافہ نہیں کیا۔ متداولہ اور غیر مطبوعہ نسخوں میں جو اغلاط ہیں اُن کی تصحیح کا اندازہ کرنے کے لئے قصیدہ نمبر۳ کے چند الفاظ ملاحظہ ہوں (قوسین میں صحیح الفاظ ہیں)۔

سینۂ جاں سوز (شعلۂ جاں سوز) کرنگہ تیغ نے مژدہ خنجر (گر نگہ تیغ ہے مژہ خنجر) شریک دیدۂ تر (سر شکِ دیدۂ تر) چارہ فرمائے علاج سحر (چارہ فرمایئے علاج سحر) پشت کاشانہ (پست کاشانہ)

ایک دو شعروں کی تشریح بھی ملاحظہ ہو۔ شعر ہے

صفات آئے جو آئینۂ ہوا میں نظر　　لگا خواص و عوارض کو اعتبارِ نفوس

= خواص و عوارض (صفات وغیرہ) وہ چیزیں ہیں جو دوسرے کی وجہ سے قائم ہوں۔ نفوس سے مراد جواہر ہیں یعنی وہ چیزیں جو قائم بذاتِ خود ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ آئینہ میں نفوس نظر آیا کرتے ہیں لیکن آئینۂ ہوا (لطافت کے باعث) اب اس قدر شفاف ہو گیا ہے کہ

Marfat.com

اس میں صفات تک نظر آتے ہیں۔گویا صفات میں نفوس کی خاصیت پیدا ہو گئی ہے۔

کافروں کو بھی گونہ گونہ خطر ان کے لا یحتسب کا مژدہ ہوا

؎ وَمَنْ یَتَّقِ اللّٰہَ یَجْعل لہٗ مَخْرجا .... آیہ (اور جو اللہ سے ڈرتا رہے گا اللہ اُس کے لئے گزارہ کی صورت پیدا کر دے گا اور اُس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جس کا اُس کو گمان بھی نہ ہو گا اور جو خدا پر بھروسا کرے گا خُدا اُسے کافی ہے)

مطلب یہ ہے کہ جب متقی لوگوں کو جناب الٰہی سے یہ بشارت دیگئی تو کافروں کو بھی جو مقتضائے الدنیا جنت الکافر (دنیا کافر کے لئے جنت ہے) امن اور بے فکری کی زندگی بسر کر رہے تھے خطرہ پیدا ہو گیا اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ کہیں ہمارا عیش و تنعم اہلِ تقویٰ کے مفاد پر قربان نہ کر دیا جائے۔

اس مجموعے میں سوانح اور خصوصیاتِ کلام بھی درج ہیں جن کو زیادہ تفصیل سے دیوانِ مومن میں پیش فرمایا ہے۔ اس لئے انشاء اللہ اُن کا ذکر بعد میں آئے گا۔

تذکارِ سلف

جنوری ۱۹۲۸ء میں علی گڑھ سے قطعات کا ایک مجموعہ "تذکارِ سلف" کے نام سے شائع کیا جس کا "تہدیہ" مولانا شبلی مرحوم کے نام کیا گیا ہے۔ اس میں مولانا عبدالماجد دریا بادی کی "تقریب" اور مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم کا "مقدمہ" ہے۔ مولانا عبدالماجد صاحب لکھتے ہیں۔

"مولانا شبلی مرحوم پہلے شخص تھے جنہوں نے آج سے پندرہ سال قبل اس قسم کا سلسلہ نظم اردو میں صحیح اصول پر شروع کیا اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرامؓ اور مشاہیرِ اسلام کے بیسیوں واقعات دلکش انداز میں نظم کر ڈالے۔ مرحوم کے بعد اُن کے تتبع میں کہنے والے متعدد پیدا ہوئے۔ لیکن اُس طرز میں اِس رسالے کے مؤلف سے زیادہ کامیاب میں نے اب تک کسی کو نہیں پایا۔ انہوں نے نہ صرف نوعیتِ عنوانات میں بلکہ اندازِ بیان، نشستِ الفاظ بحورِ نظم، مصرعوں کی ترکیب، غرض ہر شے میں مولانا شبلی کا پورا چربہ اُتار لیا ہے اور اس کامیابی پر وہ مستحقِ تہنیت ہیں"۔

مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم لکھتے ہیں۔

"اس قسم کی نظموں میں سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ واقعات دلچسپ، مُستند اور اہم منتخب کئے جائیں اور اُن کو حُسنِ ادب اور حسنِ عقیدت کے ساتھ متین و برگزیدہ الفاظ میں ادا کیا جائے۔ ان نظموں میں ان تمام باتوں کا کافی خیال رکھا گیا ہے اور تاریخِ اسلام کے متواتر دلچسپ

Marfat.com

اور اہم اخلاقی واقعات عمدہ اسلوب بیان کے ساتھ نظم کئے گئے ہیں"۔ ان قطعات کے عنوانات یہ ہیں۔

خُلقِ عظیم، خلفائے راشدینؓ کا خلوص و ایثار، عدلِ فاروقی، مساواتِ اسلامی، حلم اور ضبط کی قابلِ تقلید مثال، عہدِ سلف کا ایک زرّین صفحہ، پادشاہِ دو جہان کے اہلِ بیت، خُلقِ حسن، اُسوۂ حسینی۔ "خلقِ عظیم" کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

اک یہودی سے کہ تھا عالِم علمِ توریت — چند دینار لئے سرورِ عالمؐ نے اُدھار
آ کے مسجد میں کیا اس نے تقاضا اک دن — اور تقاضے میں کیا حد سے زیادہ اصرار
اُس یہودی نے کہا عذر نہ مانوں گا کبھی — چھوڑنے کا نہیں جب تک نہ ملیں گے دینار
پا کے اُس شخص کو ناواقفِ آئینِ ادب — زجر و تہدید پہ مائل ہوئے اصحابِ کبار
دفعتہً رحمتِ عالمؐ نے یہ ارشاد کیا — دیکھو دیکھو نہ ستائے کوئی اس کو زنہار
ظلم پھر وہ بھی معاہد پہ ہے انصاف سے دُور — بخدا ملّتِ بیضا کا نہیں ہے یہ شعار
دیکھ کر حلمِ پیمبرؐ وہ یہودی بولا — اشہد انک و اللہ رسول مختار
مال کیا چیز ہے موجود ہے یہ جانِ عزیز — ہے جو کچھ ایک تری جنبشِ ابرو پہ نثار
ہیں رقم ختمِ رسالت کے جو توریت میں وصف — ذاتِ اقدس میں وہ سب جمع ہیں اے صدرِ کبار

دیوانِ مومن

مجموعۂ قصائد مومن کی اشاعت کے بعد استاذی مرحوم نے دیوانِ مومن (یعنی غزلیاتِ مومن) کی اشاعت کا ارادہ کیا تھا۔انھوں نے الٰہ آباد یونیورسٹی، مسلم یونیورسٹی، ریاست ٹونک، ریاست رام پور اور سیّد ناصر حبیب صاحب (نبیرۂ مومن) کے قلمی اور مطبوعہ نسخوں کی مدد سے ۱۹۳۳ء میں یہ دیوان مرتب کیا اور شرح بھی مکمل کر لی جس میں صرف مشکل اشعار کے مطالب ہیں اور حد سے زیادہ اطناب اور ایجاز دونوں سے پرہیز کیا ہے اور صنائع کے بیان میں تفصیل کو نظر انداز کیا ہے۔ مومن کے حالات کے لئے تذکروں سے زیادہ نبیرۂ مومن اور اُن کی صاحبزادی کے بیانات کو ترجیح دی ہے۔ نسخ متداولہ کے اغلاط کا اندازہ کرنے کے لئے یہ چند مثالیں دیوان کی پہلی غزل سے متعلق عرض ہیں (صحیح الفاظ قوسین میں ہیں)۔

اعتراض (اعتراف) جیبِ جنوں کی شان (جیبِ جنوں کیشاں) لکھتا ہے (لکھتا ہے؟) ہر جراحت سے (ہر جراحت ہو) عبادت (عیادت) بنا ہے (بلا ہے)۔

مومن کے حالات اور اُن کے مختلف اصنافِ سخن پر بحث کرنے کے بعد اُن کے تغزّل کی حسب

Marfat.com

ذیل خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔
(۱) وارداتِ عشق و محبت (۲) نازک خیالی اور مضمون آفرینی (۳) ندرتِ اسلوب اور شوخیٔ ادا (۴) تفکرِ شاعرانہ (۵) معاملہ بندی (۶) طنز (۷) علمیت (۸) مذہبیت (۹) تراکیبِ جدیدہ (۱۰) مقطع' پھر ان سب کی مثالیں بھی ہیں۔

اُستاذی مرحوم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "اردو شعراء میں مومن' نفس تغزّل کے اعتبار سے جس نقطۂ عروج تک پہنچ گئے ہیں دوسروں کو اس کا عُشرِ عشیر بھی حاصل نہیں"------ لیکن اس کے ساتھ ہی مومن کی خامیاں بھی دل کھول کر بیان کی ہیں۔

دو تین اشعار کی تشریح بھی ملاحظہ ہو کہ وہ کس طرح مخاطب کو مطمئن کر سکتے ہیں۔

ایک شعر یہ ہے:۔

بچاؤں آبلہ پائی کو کیونکر خارِ ماہی سے　　　　کہ بامِ عرش سے پھسلا ہے یا رب پانو وقت کا

شاعر راہِ حمدِ باری کی دشوار گزاری بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں اس قدر چلا کہ پانو میں آبلے پڑ گئے۔ آخر بلند پروازی کر کے بامِ عرش پر پہنچا لیکن دشواریٔ راہ کے باعث جو پانو پھسلا تو سیدھا تحت الثریٰ میں جا کر رکا۔ اب اپنے آبلوں کو زمین کی مچھلی کے کانٹوں سے کیونکر بچاؤں۔

ایک اور شعر ملاحظہ ہو۔

گلوئے خامہ میں سُرمہ مدادِ دودۂ دل ہے　　　　مگر لکھتا ہے وصفِ خاتمہ جِلدِ رسالت کا

جلد رسالت کے خاتمے سے جناب ختم رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذاتِ اقدس مُراد ہے۔ چونکہ حضورؐ کا وصف لکھنا مقصود ہے اس لئے قلم کے گلے میں دودِ دل کی سیاہی سُرمہ بن گیا ہے' یعنی قلم تحریر سے عاجز ہے۔ قاعدہ ہے کہ سُرمہ کھانے سے آواز بیٹھ جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سوزِ ناکامی کا دُھواں دل سے اُٹھ کر گلوئے خامہ میں سُرمہ بن گیا ہے۔ سُرمہ کی مشابہت مدادِ دود سے ظاہر ہے۔ خامہ اور مداد (سیاہی) اور جِلد میں رعایت ہے۔

ایک شعر یوں ہے۔

روزِ جزا جو قاتلِ دلجو خطاب تھا　　　　میرا سوال ہی مرے خوں کا جواب تھا

دلجو کے لفظ میں گونہ ایہام ہے یعنی دل کا تلاش کرنے والا اور نیز مہربانی کرنے والا۔ عاشق نے حشر میں اپنے قتل کرنے والے معشوق کو قاتل دلجو کہہ کر دعوائے خون کیا۔ مگر دعویٰ اس بنا پر خارج کر دیا گیا کہ مدعی خود اپنی زبان سے قاتل کی تلافیِ جُرم (دلجوئی) کا مُعترف ہے۔ اس

Marfat.com

میں صنعت القول بالموجب پائی جاتی ہے۔

یہ دیوان حُسنِ کتابت و طباعت کے لحاظ سے بھی اپنی مثال آپ ہے۔ الٰہ آباد سے ۱۹۳۴ء میں شائع ہوا تھا۔

لمعات

اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ اُستاذی مرحوم کے بڑے بھائی مولانا رضی احمد صاحب رضیؔ کا انتقال ۱۹۳۹ء میں ہوا تھا۔ اُن کے کلام کا انتخاب لمعات کے نام سے ۱۹۴۷ء میں علی گڑھ سے شائع ہوا۔ اس میں جگر مراد آبادی کا "تعارف"، پروفیسر آل احمد سرور کی "تقریب" جناب ظفر حسن صاحب بدایونی کا "تذکرہ" اور استاذی مرحوم کا ایک طویل "تبصرہ" (۵۸ صفحات) شامل ہے۔

اُستاذی مرحوم نے بار بار مختلف مواقع پر اُن سے استفادہ کرنے کا اعتراف کیا ہے۔ چند اشعار ہم بھی پڑھ لیں اور لُطف اٹھائیں۔

تماشاگم، تماشائی بھی گم، ذوقِ تماشا بھی — تماشا ہے ترے جلووں کا حیرت آفریں ہونا
عجب حسنِ مآلِ سعیِ لاحاصل نظر آیا — قدم جو راہ سے بھٹکا سرِ منزل نظر آیا
لائی ناکامیِ غم، منزلِ جاناں کے قریب — ان کے جلوے تھے سرِ پردۂ حرماں کے قریب
نہاں ہر سانس میں تمہیدِ طولِ صد قیامت ہے — حیاتِ غم حیاتِ جاوداں معلوم ہوتی ہے
نظر محجوب، منہ فق ہے، قدم رُک رُک کے اٹھتے ہیں — مرا دل کہہ رہا ہے نامہ بر ناکام آتا ہے

تجلّیات۔ پھر غالباً ۱۹۵۲ء میں اُستاذی مرحوم کے قطعات و منظومات کا ایک مجموعہ "تجلیات" کے نام سے دہلی سے شائع ہوا ہے۔ اُس کے شروع میں "التماس" کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

"غالباً ۱۹۱۹ء کا ذکر ہے کہ مجھے الٰہ آباد جانے کا اتفاق ہوا۔ اس سے بڑھ کر کسی شخص کی محرومی اور کیا ہو گی کہ وہ الٰہ آباد جائے "اکبر اور امرود" سے بے تعلق رہے۔ سوئے اتفاق سے امرود کی فصل نہ تھی۔ بالآخر اپنے مخلص میزبان مولوی قمر الدین احمد صاحب بی اے بدایونی (مصنف بزمِ اکبر) کے ساتھ اکبری بزم میں شرکت کی نیت سے روانہ ہوا۔ عقیدت کے جذبے نے دامن کھینچا اور ارادت کے قدموں نے آگے بڑھایا اور ایک گمنام انسان کو ہندوستان کے ایک نامور شاعر کے حضور پہنچا دیا۔ شاعر----- میں نے غلط کہا۔ وہ شاعر سے بہت زیادہ تھے۔ یعنی سوسائٹی کے نبّاض اور مِلّت کے

Marfat.com

معالج۔ عشرت منزل کے برآمدے میں ایک آرام کرسی پر لسان العصر بیٹھے ہوئے مصروف گفتگو تھے اور چاروں طرف کرسیوں اور مونڈھوں پر متعدد اصحاب محو ساعت۔ حاضرین میں ہر طبقے اور ہر حیثیت کے لوگ تھے۔ ہم لوگ سلام کر کے ایک جانب بیٹھ گئے۔ حضرت اکبر نے ذاتی تخصیص کی بنا پر کشادہ پیشانی سے قمر صاحب کی پذیرائی کی اور پھر میرے بارے میں استفسار فرمایا۔ قمر صاحب نے تعارف کراتے ہوئے کہا۔ یہ وہ صاحب ہیں کہ میرا ذوق ان کی صحبت کا رہین منت ہے۔ موصوف نے بغور دیکھا اور تعجب سے "ہاں" (لفظ کو کھینچ کر) کہا۔ پھر مجھ سے ارشاد ہوا۔ کچھ سنائیے۔ مجھے سخت پس و پیش ہوا کہ آبگینے کے ٹکڑے ایک جوہری کے سامنے کیا پیش کروں۔ اس کے علاوہ میرا مقصد تو کلام سننا تھا نہ کہ سنانا۔ آخر بموجب "الامر فوق الادب" میں نے اپنی ایک نظم پیش کی۔ پوری توجہ سے سنتے رہے اور آخر میں ایک فقرہ کہہ دیا، جس میں تحسین کے ساتھ ہمیشہ کے لئے اصلاح بھی دے دی۔ درحقیقت یہ استادانہ کمال تھا کہ انتہائے بلاغت کے ساتھ داد و انتقاد دونوں کو یک جا کر دیا۔ فرمایا "بالکل ہمارے شبلی کا سا رنگ ہے۔ کاش آپ اس کو کسی کارآمد مصرف میں استعمال کرتے" ------- اس کے بعد ہماری استدعا پر حضرت اکبر نے اپنا کلام سنایا اور تھوڑی دیر بیٹھ کر ہم دونوں رخصت ہوئے۔ اس واقعے کے بعد راقم کو علامہ شبلی کی تقلید میں تاریخ اسلام کے سبق آموز واقعات نظم کرنے کا خیال ہوا۔ چنانچہ متعدد نظمیں، قطعہ یا مثنوی کی شکل میں تحریر کیں جو ملک کے مشہور رسائل میں شائع ہو کر خواص و عوام میں مقبول ہوئیں۔ ان نظموں کا ایک مختصر مجموعہ موسوم بہ تذکارِ سلف ۱۹۲۸ء میں انٹرمیڈیٹ کالج لٹریری سوسائٹی علی گڑھ نے شائع کیا تھا۔ جس کا تہدیہ علامہ شبلی مرحوم و مغفور کے نام تھا اور جس کے شروع میں تقریب اور مقدمہ حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی اور جناب مولانا عبدالسلام صاحب ندوی کے قلم سے تھا۔ اب بعض اعزہ کے اصرار سے تذکارِ سلف کی نظمیں اور وہ نظمیں جو اس کی اشاعت کے بعد لکھی گئیں اور وقتاً فوقتاً مختلف رسائل میں شائع ہوتی رہیں، یک جا کر کے قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہیں......"۔ اس مجموعے کا انتساب استاذی مرحوم کے بڑے بھائی جناب رضی احمد صاحب مرحوم سے کیا گیا ہے اور اس میں تذکارِ سلف کے قطعات کے علاوہ یہ قطعات اور منظومات ہیں۔

رسولِ اقدس ؐ کا تقویٰ اور احتیاط، الفقر فخری، اقامت حدود اللہ، ادبِ رسولؐ، حلم عثمانیؓ، سیرتِ مرتضویؓ، نذرِ عقیدت، سابقین اولین کی استقامت فی الدین، انصارِ رسولؐ کا ایثار، احترام رسالت، روحانیت کا پیام صنفِ نازک کے نام---- عہدِ باستان و عصرِ نو، محمدؐ کی غلامی، حُبِّ

رسولؐ، شرحِ اسبابِ مرض، منظومِ دل افروز، اسلاف کی جرأتِ حق، اسباب یا مسبب الاسباب، عقیدت کے پھول (تین نظمیں)، ماتمِ شاعرِ مشرق، کمالِ غم یا غمِ کمال، مرثیہ مولانا عبدالماجد قادری، مولانا حسرت کی یادیں----- کشمیریات (دو نظمیں)، شالامار باغ دیکھ کر، نادار کشمیر مزدور کی موت اور جمالِ ہم نشیں، ایک نظم سے "اسباب یا مسبب الاسباب" کے چند اشعار سنئے۔

پہنچے جب ارضِ غرب کی آخر حدود تک — اسلام کے عساکرِ فیروز و فتح مند
حائل تھا ایک بحرِ پُر آشوب راہ میں — ہر موج جس کی قلعۂ البرز سے بلند
موجود ناخدا تھا، نہ کشتی نہ بدرقہ — کیوں ہوش باختہ ہو نہ ایسے میں ہوشمند
یکرانِ عزم، عرصۂ گیتی کو روندتا — زنجیرِ موجِ بحر نہ کرتی جو پائے بند
دیکھا جو اپنی فوج کو خائف تو یک بیک — عقبہ نے بڑھ کے ڈال دیا بحر میں سمند
پا کر یہ فعل خارج از آہنگِ مصلحت — چھیڑا کسی رفیق نے یوں سازِ وعظ و پند
اے تیری ذات اہلِ فراست میں نامور — اے تیری رائے اہلِ بصیرت میں ارجمند
اسباب سے نہ چاہیئے غفلت کہ یہ روش — ہے پیشِ عاقلانِ جہاں وجہِ ریشخند
سُن کر یہ حرفِ طعن پکارا وہ سرفروش — اربابِ عزم کو نہیں یہ قول دل پسند
اسبابِ روزگار پہ اصرار تا بکے — احکامِ کردگار سے اعراض تا بچند
غیر از خدا کسی پہ بھروسا نہ چاہیئے — یہ اعتقاد بامِ ترقی کی ہے کمند
اسباب گو نہیں ہیں، مسبّب تو ساتھ ہے — سَو در کھُلے ہوئے ہیں اگر ایک در ہے بند

حضرت سعدیؒ کے اشعار کا منظوم ترجمہ "جمال ہم نشیں" بھی سن لیجئے۔

گِلے خوشبوئے در حمام روزے	گلِ خوشبو سرِ حمام اک دن
رسید از دستِ محبوبے بدستم	مجھے ہاتھ آ گئی اک دلربا سے
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری	کہا میں نے کہ تو عنبر ہے یا مشک
کہ از بوئے دلاویز تو مستم	کھلا دل تیری بوئے جاں فزا سے
بگفتا من گِلِ ناچیز بودم	کہا میں گرچہ تھی ناچیز مٹی
ولیکن مدتے باگُل نشستم	رہی ہم صحبتِ گل ابتداء سے
جمالِ ہم نشیں درمن اثر کرد	اثر ہے یہ جمالِ ہم نشیں کا
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم	وگرنہ کیا ہو خاکِ بے نوا سے

مباحث و مسائل

• اس کے بعد ۱۹۶۶ء میں اُستاذی مرحوم نے اپنے ادبی اور تنقیدی مقالات کا مجموعہ "مباحث و مسائل" مرتب کیا جو دہلی سے ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا۔ اس میں یہ ۳۲ مقالات ہیں۔

کیا موجودہ تصوف خالص اسلامی ہے؟--- تصوّف قرآن کی روشنی میں--- فوق البشر کا تصور اور اسلام--- فوق البشر اور مردِ مومن--- موجودہ اردو تغزّل کی رفتار--- غزل—— ایک وحشیانہ صنف؟--- ایوانِ قصیدہ کے ارکانِ اربعہ--- سید انشاء کی علمی استعداد--- جرأت کی شاعری--- نظیر اکبر آبادی--- مومن پر ایک نظر--- کلامِ مومن کا نفسیاتی مطالعہ--- مثنویاتِ مومن--- مومن کی طنزیہ شاعری--- غالب پر ناقدانہ نظر--- منیر شکوہ آبادی--- طبع حسرت نے اٹھایا ہے ہر اُستاد سے فیض--- حسرت کی سیاسی شاعری--- کیا اقبال تصوّف کے مخالف تھے؟--- اقبال کے کلام میں عشق کا تخیل--- اقبال اور حسنِ الفاظ--- فانی اور تصوّف--- فانی بدایونی--- حضرت احسن مارہروی--- حضرت رضی بدایونی--- مرصّع اسلوب--- اِنْشا تذکرہ--- علّامہ حسن صفائیؒ کا وطن--- عہدِ سَلَف--- ذکرِ میر--- "نور الرحمٰن" پر رائے--- ترجمۂ تاریخ ادبیاتِ ایران (تبصرہ)------ ان عنوانات کو دیکھ کر ہی اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان مقالات میں کیا ہو گا اور وہ کس قدر علم و ادب میں ایک وقیع اضافہ قرار دیئے جائیں گے۔ اس مجموعے کے مقدمے میں (جس کو "گزارش" کا عنوان دیا گیا ہے) فرماتے ہیں۔

گزشتہ ۳۰ - ۳۵ سال میں ہمارے یہاں مغرب کے اثر سے جو تنقیدی لٹریچر پیدا ہوا ہے وہ بڑی حد تک واضح اور سائنٹفک بنیادوں پر قائم ہے اور اس سے ہمارے ادب کی اعلیٰ توقعات وابستہ ہیں۔

Marfat.com

البتہ دونوں نوع (قدیم اور جدید) کی تنقیدوں میں ایک کمی کا احساس ہوتا ہے۔ قدیم تنقید' ادب کی محض ظاہری ہیئت پر زور دیتی تھی۔ الفاظ کی صحت' محاورات کی مناسبت' بندش کی چستی اور وزن و قافیہ کی درستی کو چھوڑ کر اُس کو اس سے غرض نہ تھی کہ ادیب کے نفسیاتی محرکات اور عوامل کیا تھے۔ اُس کی تخلیقات کس ماحول میں وجود میں آئیں اور وہ کیونکر سماج سے متاثر ہوئیں یا انہوں نے کس طرح سماج کو متاثر کیا۔ اس کے برخلاف جدید ناقدوں نے آخر الذکر مسائل پر سیر حاصل بحث کی ہے لیکن ہیئت کو چنداں درخورِ اعتنا نہیں سمجھا۔ ہمارے خیال میں ایک ادبی شاہکار کو جانچنے کے لئے مواد اور ہیئت دونوں کو پرکھنا ضروری ہے۔ مواد روح ہے اور ہیئت جسم------ اور زندگی' روح و جسم دونوں کے تعاون سے عبارت ہے۔ بلکہ سچ پوچھئے تو ادب کے لئے ہیئت کی حیثیت مقدم ہے اور مواد کی ثانوی......."۔

اُستاذی مرحوم کے پہلے مقالے کا ایک اقتباس بھی ملاحظہ ہو جس سے اُن کے زورِ بیان اور اندازِ زبان کو سمجھا جا سکے۔

"جذباتِ انسانی میں عشق و محبت کا جذبہ جس قدر شدید اور قوی ہے شاید ہی کوئی دوسرا ہو۔ اس جذبے کی ہمہ گیری کا یہ عالم ہے کہ انسان دنیا و مافیہا حتیٰ کہ کبھی اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے اور ایک ہی کی یاد کا ہو رہتا ہے۔ العشق نارٌ تحرق ما سوی المحبوب یہ تو خاک کے پتلے اور گوشت پوست کے پیکر سے محبت کا حال ہے جس کا حُسن عارضی اور جس کا جمال ناقص ٹھہرا۔ اگر تقدیر سے شاہدِ ازلی اور جمیلِ حقیقی کی محبت میسر ہو جائے تو اُس کی گیرائی کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

عشقِ مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوئے گشتن بہرِ او اولیٰ بود
جرعہ خاک آلود چوں مجنوں کند صاف اگر باشد ندانم چوں کند
(رومی)

یہی محبت ہے جو اکثر صوفیہ کی رائے میں تصوف کی اساس اور ملاک الامر ہے۔

عشق آں زندہ گزیں کو باقی است وز شرابِ جاں فزایت ساقی است....

یہ تمام مقالات جو کم و بیش پچاس سال کی علمی و ادبی زندگی کا نچوڑ ہیں طلبہ سے زیادہ اساتذہ کے لئے مفید ہیں اور دنیائے ادب میں ایک عظیم شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس مجموعے کے مقدمے میں یہ بھی ذکر ہے کہ وہ فارسی ادب اور مذہب سے متعلق الگ الگ مجموعے شائع کرنا چاہتے ہیں۔ سمن زار یعنی فارسی شعراء کا انتخاب مع مقدمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ خدا کرے کہ استاذی مرحوم کے

Marfat.com

تمام نثری و شعری مجموعے جلد شائع ہو جائیں تاکہ ہم سب کو مستفید ہونے کا موقع نصیب ہو۔
ایک بات اور بھی عرض کرنے کی ہے وہ یہ کہ عربی، فارسی، انگریزی اور اردو مضامین بلا تکان اور بلا تکلف لکھتے تھے اور ان تمام زبانوں میں اُن کا خط اس قدر پاکیزہ تھا کہ اچھے سے اچھا خوشنویس بھی شرما جاتا تھا۔ ایسے باکمال اور شفیق اُستاد کا جتنا غم کیا جائے کم ہے۔ سید حسن غزنوی (المتوفی ۵۶۵ھ) نے شاید اسی موقع کے لئے کہا تھا۔

اے آرزوئے دیدۂ بینا چگونۂ   مابے تو در غمیم تو بے ما چگونۂ

بے محل نہ ہو گا اگر راقم الحروف وہ قطعۂ تاریخ بھی یہاں نقل کر دے جو اُس نے استاذ مرحوم کے انتقال پر لکھا تھا۔

علامہ یگانہ پروفیسر ضیاء احمد رحمہ اللہ

از میاں شد نیاز کیش استاذ طرز نیکش تخلق احمدؐ بود
نیک اندیش ورع و تقوی کہ داشت افضل از ابتدا و امجد بود
نظرش بامراد روحانی قلب خاشع لبیب مقصد بود
فخرِ اسلاف، چارۂ اخلاف نورِ دوراں ضیاء احمد بود

۱۹۷۳ء   ۱۳۹۳ھ

اس قطعے کے ہر پہلے مصرع سے عیسوی سال اور ہر دوسرے مصرع سے ہجری سال برآمد ہوتا ہے۔

ضمیمہ (مکتوبات)

اب بطورِ ضمیمہ، اس مجموعۂ مکتوبات (مطبوعہ ۱۹۶۷ء) کے کچھ حوالے دیئے جاتے ہیں جن سے استاذی مرحوم کے فضل و کمال کا مزید اندازہ ہو سکتا ہے۔
محمود عباسی صاحب کی ایک کتاب کے سلسلے میں استاذ مرحوم نے قولِ سدید لکھی تھی اور ۱۹۵۵ء میں "نگار" میں ایک طویل مضمون لکھا تھا۔ مکتوبات کے صفحات ۲۰ ۔ ۲۵ ۔ ۴۳ ۔ ۶۲ ۔ ۷۳ ۔ ۷۴ ۔ ۸۶ ۔ ۱۲۶ ۔ ۱۶۷ ۔ ۱۷۱ میں اس کے متعلق مختلف اکابر کے اقوالِ تحسین و توصیف نظر آئیں گے۔ اسی طرح دیوانِ مومن کے متعلق ۳۳ ۔ ۴۴ ۔ ۶۴ ۔ ۸۳ ۔ ۱۱۴ ۔ ۱۵۶ ۔ ۱۲۶ میں تبصرے ملتے ہیں۔ صفحہ ۱۱۵ میں آپ کے مضمون "تصوف" کی تعریف ہے اور صفحہ ۱۱۶ میں آپ کے مقالہ "ارتقائے ادبیہ فارسی عہدِ اکبری میں" کی توصیف ملتی ہے۔ ساتھ ہی خزانۂ عامرہ اور خسرو کی خزائن الفتوح کے متعلق

Marfat.com

استفسار ہے۔ صفحہ ۶۵ میں "فارسی شعراء اور امتِ رسولؐ"، صفحہ ۱۴۸ میں تذکارِ سلف، صفحہ ۱۴۹ میں لمعات، صفحہ ۱۶۵ میں تین نعت گو شعرا، صفحہ ۱۶۷ میں "ایوانِ قصیدہ کے ارکان اربعہ" کی تعریف ملتی ہے۔ صفحہ ۲۸ - ۲۹ میں ایک صاحب نے عرفی کے اشعار کا مطلب پوچھا ہے اور ان کی تصحیح چاہی ہے۔ صفحہ ۳۴ میں ایک صاحب نے فسانۂ عجائب کے بعض مقامات کا مطلب پوچھا ہے اور صفحات ۳۶ - ۳۷ - ۳۸ - ۳۹ میں سودا کے اشعار کی تشریح چاہی ہے------- اور بعض الفاظ کے اعراب پوچھے ہیں۔ عربی کے بعض اشعار کی تقطیع معلوم کی ہے۔(صفحات ۴۶ - ۴۷ - ۴۸) مومن کے اشعار کی تشریح چاہی ہے۔ (صفحہ ۶۶ سے ۶۹ تک) غالب کے ایک شعر پر آپ کے "قولِ فیصل" کا انتظار ہے۔(صفحہ ۷۷) ایک بزرگ آپ کی سخن فہمی اور سخن وری نیز نثر نگاری کی تعریف فرماتے ہیں (صفحہ ۸۴ - ۸۵) امیر خسرو پر آپ کام کر رہے ہیں (صفحہ ۸۸) سیرۃ النبیؐ کے انگریزی ترجمے کے لئے بعض مشورے درکار ہیں (صفحہ ۹۴ - ۹۵) اردو قواعد کے مسائل پر آپ ایک مقالہ لکھ دیں (صفحہ ۱۰۰) ادارۂ تاریخ ادب اردو (علی گڑھ) کے لئے ذوق اور مومن پر مقالے لکھ دیں (صفحہ ۵۱) انگلینڈ کے ایک تبلیغی پرچے میں آپ کی ایک نظم مع ادارتی نوٹ شائع ہوئی ہے (صفحہ ۱۰۱) استاذی مرحوم کے والد ماجد کی کتاب تصحیح اللغات کا ذکر ہے جو الفاظ کے صحیح تلفظ کے متعلق ہے (صفحہ ۱۰۲) حسن سجزی دہلوی کے متعلق مشورے مطلوب ہیں (صفحہ ۱۰۵) ایک صاحب نے عربی اسماء کے اعراب کی درستی چاہی ہے (صفحہ ۱۰۸) صائب کے دو شعر اور کسی اردو شاعر کے ایک شعر کا مطلب دریافت کیا گیا ہے (صفحہ ۱۱۷ - ۱۱۸) ایک اور صاحب نے دیوانِ مومن مرتب کیا تھا۔ ریویو کے لئے آپ کی خدمت میں بھیجنا چاہتے ہیں (صفحہ ۱۳۲) ایک صاحب "ہندی اور فارسی مثنویوں کا تقابلی مطالعہ" کے لئے مشورے چاہتے ہیں (صفحہ ۱۲۵) ایک صاحب ایک شعر کے متعلق پوچھتے ہیں کہ وہ کس کا ہے (صفحہ ۱۲۶) ایک صاحب کی کتاب "فضائل اہل بیت" کی غلطیاں اور خوبیاں آپ نے بیان کی تھیں (صفحہ ۱۲۹) دیوانِ ظہیر کے متعلق استفسار ہے (صفحہ ۱۳۲) تجلیاتِ فرخ بناری پر آپ کا گراں قدر تبصرہ (صفحہ ۱۳۴) غالب کا ایک خط سخاوت حسین کے نام ہے۔ یہ کون تھے(صفحہ ۱۳۵) "اردو مثنویاں" خدمت میں بھیجی گئی ہے۔ اس کی اصلاح مطلوب ہے (صفحہ ۱۳۶) ایک فارسی شعر کے ۲ - ۳ لفظ بھیجے گئے ہیں کہ پورا شعر لکھ دیجئے (صفحہ ۱۴۰) ایک مشہور شاعر نے اپنا ایک شعر لکھا ہے اور پوچھا ہے کہ اس میں ایطا تو نہیں ہے (صفحہ ۱۴۲) ایک اور مشہور شاعر نے پاتراب کے معنی پوچھے ہیں (صفحہ ۱۴۴) حیدر آباد (دکن) کی تعریف میں آپ کی ایک رباعی (صفحہ ۱۴۵) ایک مشہور پروفیسر

Marfat.com

صاحب کی ایک کتاب میں جو مقامات محلِ نظر معلوم ہوئے اُن کی طرف توجہ دلائی گئی ہے (صفحہ ۱۳۶) حرف تمنا (مجموعۂ اشعار) پر آپ نے تبصرہ لکھا (صفحہ ۱۵۵) ایک صاحب نے اپنے کلام کی اصلاح چاہی ہے (صفحہ ۱۵۹ تا ۱۶۲) حسرت کے شعر کا مطلب مطلوب تھا (صفحہ ۱۶۴) ایک مشہور پروفیسر بعض فارسی غزلوں کا مطلب دریافت کرنا چاہتے ہیں (صفحہ ۱۷۳) انجمن میں اُردو لغت کے ڈائریکٹر ہوئے (صفحہ ۶۰) اور حکومت نے آپ کے لئے وظیفہ مقرر کیا (صفحہ ۸۰) غرض کہ :۔

کچھ قُمریوں کو یاد ہیں، کچھ بُلبلوں کو حفظ
عالم میں ٹکڑے ٹکڑے مری داستاں کے ہیں

Marfat.com

حواشی

۱۔ استاذ مرحوم نے اپنے ایک استاذ (مولانا سید یونس علی بدایونیؒ تلمیذ میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ) کا واقعہ سنایا تھا کہ وہ بچپن ہی میں احادیث پر بڑا تبحر رکھتے تھے اور ابھی وہ زیر تعلیم ہی تھے کہ ایک دن گھر کی ملازمہ کو دیکھا کہ وہ حال کھیلتے ہوئے ان سے کہتی ہے کہ میں جن ہوں اور مجھے فلاں حدیث پوری طرح یاد نہیں ہے' تم سنا دو چنانچہ انہوں نے پوری حدیث مع اسناد سنائی اور وہ جن مطمئن ہو کر چلا گیا۔

۲۔ یہ استاذی مرحوم ہی کا فیض تھا کہ میں نے "فارسی پر اردو کا اثر" مقالہ ۱۹۵۲ء میں پہلی بار شائع کیا۔

۳۔ ظفر احمد صدیقی صاحب استاذی مرحوم کے بھانجے' میرے ہم جماعت اور اب ماشاء اللہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ڈین آف آرٹس ہیں۔

۴۔ استاذی مرحوم کے بڑے بھائی مولانا رضی احمد صاحب کا بدایوں میں انتقال ہوا تھا۔ راقم الحروف نے بھی ایک قطعہ تاریخ کہا تھا جس میں یہ تاریخیں تھیں۔

۹ ۳ ۹ ۱ء حیف شدہ خاموش حالا شمع علم — وائے مولانا رضی احمد نہ ماند ۱۳۵۸ھ

۵۔ واقعہ یہ تھا کہ ناگ پور یونیورسٹی میں "برادرانِ وطن" کی ہمت افزائی کی گئی تو ایک صاحب جو صرف میٹرک پاس تھے وہ ایک کالج میں پروفیسر بنائے گئے۔ انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں انہوں نے ذوق کے اشعار کی تشریح چاہی۔ ایک شعر اس طرح لکھا۔

ترا تو سیئہ بھی ہے یوں ہی داخل حسنات — کہ جیسے صحبت اصحاب کہف میں قطمیر

ان سے عرض کیا گیا کہ سیئہ کوئی لفظ نہیں اور مصرع یوں ہو گا۔

ع ترا تو سیّۂ بھی یوں ہے داخلِ حسنات

لیکن وہ بضد تھے کہ سیئہ ہونا چاہئے۔ پھر میں نے استاذی مرحوم اور مولانا سلیمان ندوی مرحوم کے مکتوبات اُن کی خدمت میں پیش کئے تو ۔۔ خاموش ہوئے۔ ایک اور پنڈت جی وہاں پروفیسر تھے غالب کا یہ شعر پڑھایا۔

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب — تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

اور پہلے مصرع کی تشریح میں انہوں نے غالب کے متصوفانہ مسائل کے ساتھ یہ گہر افشانی بھی کی کہ وہ رمضان شریف میں ترابی (تراویح) بہت پڑھتے تھے یعنی وہ لفظ ترابیان غالب ہے۔ گویا وہ بھی ایک نئی لغت تیار فرما رہے تھے۔ ایک اور "بانکے" پنڈت وہاں پروفیسر تھے جو پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب کے ایک مضمون میں "لقمہ دینا" غلط سمجھتے تھے۔

۶۔ اپنے ملک مین سید حسن غزنوی کو کوئی نہیں جانتا لیکن ان کے ایک ترجیع بند کے اس شعر سے عموماً سبھی واقف ہیں۔

Marfat.com

سَلِّمُوْا یَا قَوْمِ بَلْ صَلُّوْا عَلَی الصَّدْرِ الْاَمِیْن
مُصْطَفٰی مَا جَآءَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْن

۷۔ غالباً" راقم الحروف کی خاطر استاذی مرحوم نے مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی سے دریائے عشق کے فارسی ماخذ کے متعلق دریافت فرمایا تھا۔ (دیکھیں یکتوبات ص ۱۱۹)۔

۸۔

الٰہی ہو مبارک حج کعبہ عزیزِ پرخلوص و باصفا کو
مبارک ہو زیارت مصطفیٰ ﷺ کی مرے پیارے غلام مصطفیٰ کو
وطن، حج و زیارت کر کے آئے مع الخیر آ کے دیکھا اقربا کو
اُن آنکھوں کا مقدر جن سے دیکھا بہارِ خانۂ رب العلا کو
زہے تقدیرِ اُن قدموں کی جن سے کیا طے جادۂ راہِ وفا کو
دعا ہے یہ کہ نعمت دوجہاں کی عطا ہو اس عزیزِ بے ریا کو
دعا ہے یہ کہ اب صدقے میں ان کے یونہی توفیق حاصل ہو ضیاءؔ کو

۹۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ۱۹۵۸ء سے آپ صدر شعبہ فارسی تھے۔
۱۰۔ یہ مضمون میں نے اپنے مجموعہ "تحریر و تقریر" میں شامل کر دیا ہے۔
۱۱۔ محترم ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم نے میر کی اس غزل کا وزن یہ بتایا تھا۔ فعلن فاع فعولن فعلن فاع فعولن فاع فعل (قومی زبان یکم اکتوبر ۱۹۵۸ء)۔ میں نے بحور کے متعلق پنڈت جگن ناتھ (چھند پربھاکر) اور سلیم جعفر کے حوالے بھی دیئے تھے۔

۱۲۔ مولانا رضی صاحب کی ایک کتاب "تعلیماتِ رسولؐ" دہلی سے ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی ہے۔

Marfat.com

پروفیسر ضیا احمدؒ کی کتابیں

آپ کے مضامین بکثرت ہیں، کچھ اِن کتابوں میں بھی شامل ہیں:۔

۱:۔ مجموعۂ قصائدِ مومن ۱۹۲۵ء
۲:۔ تذکارِ سلف ۱۹۲۸ء
۳:۔ دیوانِ مومن ۱۹۳۴ء
۴:۔ لمعات ۱۹۴۷ء
۵:۔ تجلّیات ۱۹۵۱ء
۶:۔ قولِ سدید ۱۹۵۹ء
۷:۔ مکتوبات ۱۹۶۷ء
۸:۔ سمن زار ۱۹۶۸ء
۹:۔ مباحث و مسائل ۱۹۶۸ء
۱۰:۔ جلوۂ حقیقت ۱۹۷۲ء
۱۱:۔ مسالک و منازل ۱۹۷۵ء
۱۲:۔ SUFI INFLUENCE ۱۹۸۱ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر محمد طاہر فاروقی

پروفیسر محمد طاہر فاروقی صاحب مرحوم سے میرے تعلقات ۱۹۳۸ء سے شروع ہوئے تھے جبکہ انھوں نے آگرہ میں جامعۂ اردو کی بنیاد ڈالی تھی۔ میں اُس زمانے میں کنگ ایڈورڈ کالج امراؤتی (برار) میں اُردو پڑھاتا تھا۔ مرحوم "جامعۂ اردو" کے رجسٹرار بھی تھے اور آگرہ کالج میں بھی استاد تھے۔ وہ کہنے کو تو اُس جامعہ کے رجسٹرار تھے لیکن حقیقت میں وہ اُس کے سب کچھ تھے۔ یعنی سرپرست بھی تھے۔ اور اُس کے امتحانات، قواعد وضوابط، طریقِ کار، نصابات اور اسناد وغیرہ سے متعلق جملہ امور کے لیے خط وکتابت اُنھی کے قلم سے ہوا کرتی تھی۔ انھوں نے جامعہ کے قواعد وضوابط مجھے بھیجے اور میری نگرانی میں امراؤتی میں اس کے امتحانات کا مرکز بنانا چاہا۔ امتحانات تین تھے:۔
(۱) ادیب (۲) ادیب ماہر اور (۳) ادیب کامل۔ اور ان امتحانات میں ہر شخص اپنے طور پر تیاری کر کے شریک ہوسکتا تھا۔ پرچوں کی تقسیم اور نصابات کی تفصیل بہت "ادب آموز" تھی جو مجھے بہت پسند آئی۔ اُس زمانے میں ہمارے کالج کا پرنسپل ایک انگریز تھا جو مسلمانوں کی تہذیب وشرافت کا بہت مداح تھا۔ اور فورٹ ولیم کالج کے نصابات سے بھی کسی قدر واقف تھا۔ میں اُس کے پاس گیا اور اس سے جامعۂ اردو کے امتحانات کا ذکر کیا کہ اگر ہمارے طلبہ ان امتحانات میں شرکت کریں گے، تو انھیں یونیورسٹی کے امتحانات کی تیاری میں بڑی سہولت ہوگی۔ پرنسپل بہت خوش ہوا اور اُس نے ہمارے طلبہ کے لیے خصوصی طور پر رخصت منظور کی۔ پھر مجھے موقع ملا کہ شہر کے لوگوں کو بھی رغبت دلاؤں۔ چناں چہ میں عمائدینِ شہر سے ملا اور بکثرت طلبہ وطالبات کو ان امتحانوں کے لیے آمادہ کیا۔ پھر تو شہر میں ایسا شوق بڑھا، کہ کالج اور شہر کے امیدواروں کی تعداد پورے ملک کے مراکز کی تعداد سے زیادہ ہونے لگی۔ پروفیسر صاحب مرحوم اسی وجہ سے مجھ سے بہت خوش تھے اور اسی تعلق کی وجہ سے اُن سے میری "نصف ملاقات"، مستقل طور پر قائم رہی۔ پاکستان بننے پر غالباً ۱۹۴۸ء میں وہ کراچی تشریف لائے۔ تو جامعۂ اُردو کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر کے آگئے تھے لیکن جو بیج

انھوں نے بویا تھا، اور جس کی آبیاری کی تھی۔ وہ پھل پھول کر ایک ایسا تناور درخت بن گیا تھا کہ ہندوستان میں ہزارہا افراد اُس سے مستفید ہوتے رہتے ہیں۔

پروفیسر مرحوم پاکستان تشریف لانے کے بعد ڈھاکا یونی ورسٹی اور پنجاب یونی ورسٹی میں بھی استاد رہ چکے ہیں۔ لیکن پھر پشاور یونی ورسٹی ہی انھیں زیادہ پسند آئی۔ غالباً اس لیے کہ اُن کے بچپن کا کچھ عرصہ والد صاحب کی ملازمت کی وجہ سے پشاور میں گذرا تھا۔ اسی لیے اُن کی ابتدائی تعلیم بھی وہیں ہوئی تھی۔ پشاور یونی ورسٹی میں وہ صدر شعبۂ اُردو ہو گئے تھے۔ اور لطیفہ یہ ہوا کہ جب اُن کی ترقی کا مسئلہ درپیش ہوا تو وہاں کے وائس چانسلر محمد علی صاحب نے رائے حاصل کرنے کے لیے محترم ڈاکٹر سید عبداللہ اور راقم الحروف کو پشاور طلب کیا۔ اتفاق سے وہ تاریخ پہلی رمضان المبارک کی تھی، لیکن چونکہ مرحوم کا معاملہ تھا اس لیے ہم لوگوں نے وہاں پہنچنا ضروری سمجھا۔ ہم لوگ وائس چانسلر کے دفتر میں پہنچے اور ہم دونوں نے "ہم زبان" ہو کر اُن سے یہی عرض کیا کہ فاروقی صاحب جیسے بزرگ استاد کی ترقی کے لیے ہم لوگوں کی رائے کی بالکل ضرورت نہیں تھی۔ آپ خود ہی کر سکتے تھے، بہرحال وائس چانسلر صاحب نے فوراً اُن کو عہدے کی ترقی بھی دی اور تنخواہ کے دو تین اضافے بھی منظور کر دیے۔

مرحوم طبعاً باغ و بہار قسم کے آدمی تھے، اُن کی وجہ سے محفلوں میں زندگی پیدا ہو جاتی تھی اور ان کے قہقہوں سے در و دیوار گونجنے لگتے تھے، مجھے یاد ہے کہ جب وہ ترکی تشریف رکھتے تھے تو حج کے موقع پر وہاں سے مدینہ منورہ پہنچے۔ میں بھی وہاں پہنچا ہوا تھا اور حضرت مولانا عبدالغفور صاحب علیہ الرحمہ کے درِ دولت پر مقیم تھا۔ وہیں قریب ہی رباطِ ٹونک کے ہوٹل سے مرحوم کے قہقہوں کی آواز مجھے سنائی دی۔ میں آواز پہچان گیا اور وہاں بلا تکلف داخل ہوا تو مرحوم کے قہقہوں میں اور بھی جان پڑ گئی۔ پھر تو ہم لوگ بارہا حج کے دوران ملتے رہے، اور اس مبارک سرزمین میں بہت سی یادوں کو تازہ کرتے رہے۔

مرحوم کی زندہ دلی کا ایک واقعہ عرض کر دوں، میرے پاس مرزا طپش کی ایک بیاض ہے جس پر ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب نے ایک مقالہ نقوش شائع کیا تھا۔ یہ بیاض مجھے برادرم محترم حمید جالندھری نے عنایت فرمائی تھی۔ طاہر صاحب کے پاس مرزا طپش کا کلیات تھا۔ ان کو اس کی نقل کے لیے لکھا۔ تو جواب دیا کہ مجھے ایک صاحب کے انتقال کا انتظار ہے۔ اس کے بعد دوں گا۔

مرحوم میری درخواست پر بارہا سندھ یونی ورسٹی کے ایم۔اے کے ممتحن مقرر ہوئے اور بارہا ڈاکٹریٹ کے زبانی امتحانوں کے لیے تشریف لائے۔ غالباً ۱۹۷۶ء کی بات ہے۔ کہ اپنی کمزوری

Marfat.com

اعصاب کی وجہ سے فرمانے لگے کہ " شاید میں اب نہیں آؤں گا " اُن کا یہ جملہ میرے دل میں اُتر گیا ۔ بڑی تشویش ہوئی ۔ میں نے عرض کیا کہ اب تو آپ کو ضرور بلواؤں گا ۔ اور شکر ہے کہ وہ ڈی لٹ کے زبانی امتحان کے لیے یہاں تشریف لانے پر مجبور کیے گئے ۔ اس کے بعد افسوس ہے کہ اُن سے ملاقات نہ ہو سکی ۔ لیکن " نصف ملاقات " آخر وقت تک جاری رہی ۔

طاہر صاحب آگرہ میں فارسی بھی پڑھایا کرتے ۔ لیکن پاکستان آکر انھوں نے اُردو ہی کو اختیار کیا ۔ وہ فارسی نیز اُردو میں ایم اے تھے اور عربی میں بھی کلی مہارت رکھتے تھے ۔ انگریزی برجستہ اور بلا تکلف لکھتے بھی تھے اور بولتے بھی تھے ۔ اور ہر زبان میں ان کا خط نہایت پختہ اور پاکیزہ تھا ۔ آگرہ کے جامعۂ اُردو ہی نے ان کو " دُکتورِ ادب " کی سند دی تھی اور وہیں انھوں نے ۱۹۳۸ء میں سیرتِ اقبال لکھی تھی جو ادیب کامل کے خصوصی مطالعے والے پرچے کے لیے داخلِ نصاب تھی ۔ یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ ۱۹۷۸ء تک اس کے پانچ ایڈیشن چھپ چکے ہیں ۔ کتاب میں مرحوم برابر ترمیم و اضافہ فرماتے رہے ۔ اور زیادہ مفید بنانے کی کوشش میں رہے ۔ پروفیسر حمید احمد خان مرحوم نے اس کے متعلق فرمایا تھا :

" پروفیسر محمد طاہر فاروقی نے اقبال کے کلام کی نبض پہچانی ہے اور ٹھیک اسی جگہ پر ہاتھ رکھا ہے جہاں ایک اہلِ ذوق اور سخن فہم شارح کو رکھنا چاہیے تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ یہ کتاب علامہ اقبال کے افکار کی اچھی شرح ہی نہیں بلکہ کلامِ اقبال کا ایک پاکیزہ انتخاب بھی ہے جس میں اقبال کی زندگی کے کسی دور، اُن کی کسی فارسی یا اُردو تصنیف کو نظر انداز نہیں کیا گیا " بہر حال یہ کتاب کالجوں اور یونی ورسٹیوں کے طلبہ کے لیے اقبالیات سے متعلق بہت مفید ہے اور غالباً یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اکثر طلبہ کو اقبال سے شغف اسی کتاب سے عموماً پیدا ہوا ہے ۔ علامہ اقبال کی وفات (۱۹۳۸ء) سے لیکر کتاب کے پانچویں ایڈیشن (۱۹۷۸ء) کے زمانے تک بکثرت طلبہ اس سے مستفید ہوئے ہیں ۔ اور انشاءاللہ آیندہ بھی مستفید ہوتے رہیں گے ۔

اس کتاب کے علاوہ مرحوم نے حکومت کے ایماء پر صد سالہ تقریبِ ولادتِ اقبالؒ کے موقع پر ایک شاندار کتاب " اقبال اور محبتِ رسولؐ " (۲۳۱ صفحات) بھی لکھی ہے ۔ جس میں عشق، عشقِ رسولؐ، اطاعتِ رسولؐ، سیرتِ رسولؐ، انسانِ کاملؐ، قرآنِ حکیم ارمغانِ عقیدت، نغماتِ شوق وغیرہ ابواب ہیں اور موضوع کے لحاظ سے یہ کتاب بالکل مکمل ہے ۔

مرحوم کی چند اور کتابیں بھی ہیں ۔ یعنی چمنستانِ ادب ۔ مختصر تاریخِ ادبِ فارسی ۔ سرکارِ دو عالمؐ ۔

انتخاب مراثیِ انیسؔ و دبیرؔ، فصاحت وبلاغت اور فنِ نثر نگاری وغیرہ ۔ لیکن مؤخر الذکر کتاب (یعنی فنِ نثر نگاری) اُن کے علمی، ادبی تجربات کا نچوڑ ہے ۔ اس کا موضوع تو عام ہے ۔ لیکن وہ زندہ رہنے والی کتاب ہے اور اپنی اہمیت وافادیت کے لحاظ سے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے ۔ پھر اس کا اندازِ بیان بھی نہایت سادہ اور دلکش ہے ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب میں ہماری یونی ورسٹیوں کے طلبہ کو زبان و ادب کے متعلق وہ سب کچھ مل جائے گا، جو بڑی بڑی کتابوں کی ورق گردانی کے بعد بھی بمشکل حاصل ہو سکے گا ۔ اس میں ۳۸۱ صفحات ہیں۔ اور اس کے عنوانات یہ ہیں ۔

جنس (تذکیر و تانیث) ۔ تعداد (واحد و جمع) مرکب الفاظ، مترادف الفاظ، متضاد الفاظ، مشابہ الصوت الفاظ ۔ خاص مقاصد کے لیے خاص الفاظ ۔ سابقے اور لاحقے، تلفظ، علامت فاعل (نے) علامت مفعول (کو) مطابقت فعل ۔ مطابقت صفت و موصوف ایک فعل کی بجائے دوسرا فعل ۔ کچھ الفاظ کا صحیح استعمال ۔ جملے ۔ چند بنیادی مشورے، کلام کے نقائص ۔ پیرا گراف بنانا، عنوان، آغاز و اطناب ۔ خلاصہ لکھنا ۔ مفہوم نویسی ۔ ترجمہ کرنا ۔ شعر کی تشریح، بیان، مکالمہ، روزمرہ اور محاورہ ۔ محاورات ضرب الامثال، تلمیحات، کہانی، خط و کتابت، مضمون نگاری، رموز و اوقاف، فصاحت و بلاغت، علم بیان، چند اصطلاحات، اقسامِ نثر و نظم ۔ گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے اور اہلِ قلم حضرات کے لیے وہ سب کچھ یکجا کر دیا ہے ۔ جس کی ضرورت ناگزیر ہے ۔ یہ کتاب مرحوم نے ۱۹۷۲ء میں لکھی تھی ۔ لیکن وہ ۱۹۷۴ء میں شایع ہوئی ۔ اس میں فصاحت و بلاغت سے متعلق اس بحث فرمائی ہے :-

"جس کلام میں قواعدِ زبان کی کوئی غلطی نہ ہو، جو روزمرہ کے مطابق ہو، جس میں غریب و نامانوس الفاظ نہ ہوں، جس میں تعقید یا اور کوئی عیب نہ پایا جائے، فصیح کہلاتا ہے اور اس کی صفت کو فصاحت کہتے ہیں ۔ الفاظ کی بے جا تکرار، ثقیل اور نامانوس حروف کی بھرمار جن کا تلفظ، بولنے اور سننے میں بد مزگی پیدا کرے، فصاحت میں خلل انداز ہوتے ہیں، ان سے احتراز ضروری ہے ۔ یاد رکھیے کہ فصاحت کا تعلق الفاظ سے زیادہ ہے ۔ اور معنی سے کم ۔ ہو سکتا ہے کہ اچھے معانی ہوں، مگر بیان میں فصاحت نہ ہو ۔ ایسی صورت میں کلام کا اثر کم ہو جاتا ہے، بلکہ بعض اوقات ذوقِ سلیم اسے قبول نہیں کرتا .... کسی کلام میں بھی اثر اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک وہ کلام، مقتضائے حال کے مطابق نہ ہو، یعنی اس میں عمر، رتبہ، موقع، حالت، کیفیت، منظر، اصلیت وغیرہ کی کامل رعایت نہ کی گئی ہو ـــ تو ایسا کلام جو فصیح ہو اور مقتضائے حال کے مطابق ہو بلیغ کہلاتا ہے ۔ اور کلام کے اس وصف کو "بلاغت" کہتے ہیں"۔

در اصل مرحوم نے ۱۹۵۹ء میں فصاحت و بلاغت کے نام سے جو کتاب لکھی تھی اور جس میں

Marfat.com

فصاحت و بلاغت، بیان و بدیع اور اصناف نثر و نظم سے متعلق جو معلومات بہم پہنچائی تھیں اُنھی پر اضافہ اور اُنھی کا تکملہ اس کتاب (فن نثر نگاری) میں پایا جاتا ہے۔ جو ایک طالب علم یا استاد کے لیے بہت ضروری ہے۔ بعض چھوٹی چھوٹی باتیں تو ایسی بھی ہیں جن سے عموماً پڑھے لکھے بھی کم واقف ہیں۔ اور ان میں فرق نہیں کرتے۔ مثلاً ان کے الفاظ کے خصوصی استعمال پر غور فرمائیں :-

سنسناہٹ، گرج، کڑک، گٹ گٹ، قلقل، زنادن، دھائیں، کھنک، ٹاپ، گونج، گھمر، چوں، تھاپ، آس، تانا ری ری وغیرہ۔

یا یہ الفاظ دیکھیے :-

بھیڑ، جماعت، حلقہ، ٹولی، دستہ، پرا، ٹکڑی، گپھا، جھنڈ، ڈار، بیڑا، گچھا، کنج، گیل (گہل)، جتھا، گٹھا، تھئی، گڈی، طومار، ڈھولی، ریوڑ، گلّہ، جھرمٹ یا جھومر، دَل، لچھا، کنجی، جھلڑ، بنسواڑا، امریاں، نالیز وغیرہ۔

ان کیفیات کا فرق قائم کیجیے :-

چمک، ڈلک، آب، دمک، بھبک، مہک، لپٹ، تڑاکا، چھن چھن، چھَن چھَن، چرخ چوں، گھوں گھوں وغیرہ۔

مسکنوں کے نام دیکھیے :-

محل، حرم، رنواس، حویلی، حجرہ، آشرم، تکیہ، کٹیا، جھونپڑا، بارک، چھاؤنی، کوٹھی، بنگلہ، چھتا، بل، بھٹ، بانبی، تھان، کھڑک وغیرہ۔

پھر آوازوں کے فرق کا جائزہ لیجیے :-

ممیانا، ہنہنانا، دھاڑنا، چنگھاڑنا، بھونکنا، رینگنا، رانبھنا، ڈکارنا، کوکنا، غٹرغوں کرنا، کڑکڑانا، رٹنا، چنگھارنا، ہوکنا، بلبلانا، بلغبغانا، چہچہانا، بھنبھنانا، ٹرّانا، جھنکارنا، پھنکارنا، چٹ چٹانا، گھگیانا وغیرہ۔ میرا تو خیال ہے کہ مرحوم نے اس سلسلے میں وحیدالدین سلیم اور پنڈت کیفی کے کاموں میں خاصا اضافہ کیا ہے۔ اور اُن کی یہ کتاب چھوٹے بڑے ہر درجے والوں کے لیے بہت مفید ہے۔

آخر میں ایک بات اور قابل ذکر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مرحوم اپنے چچازاد بھائی پروفیسر حامد حسن قادری اور پروفیسر فریدی مرحوم کی طرح نقشبندیہ مجددیہ کے سلسلۂ تصوف میں داخل تھے اور اسی رشتے کی وجہ سے وہ راقم الحروف سے بھی نیک گمان رکھتے تھے۔ مرحوم کے روحانی تواضع اور عظمت کا اندازہ ان کے آخری ایام کے ان مکتوبات سے ہو سکتا ہے جو انھوں نے اس حقیر کو لکھے تھے اور جو تاریخی اعتبار سے بھی کسی کے لیے مفید ہو سکتے ہیں۔ وہ مکتوبات (۷ عدد) یہ ہیں :-

Marfat.com

۴۸۶
۱۲

مکتوب نمبرا

محلہ کریم شاہ بخاری پشاور شہر
۲۰ رمئی سنہ ۱۹۷۸ء

مخدومی و مطاعی، سیّدی و مولائی دامت برکاتکم و مدت ظلالکم

السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'۔ ۱۶ رمئی کا کارڈ پرسوں مل گیا تھا۔ فوری جواب سے تغافل اس لیے برتا کہ کتاب کا عطیہ بھی وصول ہو جائے۔ تو شکریہ و امتنان شاملِ عریفہ کر لوں۔ چناں چہ آج "اقبال اور قرآن" کا پارسل بھی مل گیا۔ الحمدللہ۔

مزید نسخے انہوں نے بھیجے ہیں۔ اس لیے اس عطیے میں خصوصی کرم زیادہ سے زیادہ ہے شکریہ کے بہت سے الفاظ لکھ کر اس نوازش و کرم پر حرف نہیں لانا چاہتا بس اتنا عرض کرتا ہوں کہ یہ گراں قدر عطیہ میری بساط و حیثیت سے بالاتر ہے۔ اپنی خوش بختی پر نازاں ہوں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

[illegible] نور محمد [illegible] اکبر آبادی صاحب کا مقالہ انشاءاللہ اس ہفتے میں پیش ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تکمیل کے مراحل سے گزارا ہے۔ تو ما بقی امور کی تکمیل و توثیق فرمائے گا۔ "وہو المستعان"۔

"اقبال اور قرآن" دو گھنٹے ہوئے نازل ہوئی ہے۔ اب تک اسی کے مطالعے میں مستغرق تھا۔ ابتدائی صفحات اور سیر کا مرحلہ گزار کے عریضہ ارسال خدمت کرنے لگا ہوں۔ کتاب تمام کی تمام نظر غائر سے مطالعہ کی متقاضی ہے۔ اوسط علمیت والے اور منتہی سبھی کے لیے اضافے کی ضامن ہے۔ آپ نے بڑا کام کر دیا ہے۔ وہی رب العزت صلہ عطا فرمائے گا۔

میں نے آج ڈاکٹر معزالدین صاحب کو خط لکھا ہے تو پوچھا ہے کہ "اقبال اور قرآن" مصنّف تک پہنچی یا نہیں؟ یہ بھی لکھا ہے کہ فروری میں آپ نے امید بندھائی تھی۔ اور سرکاری دفاتر کب کام میں مستعدی دکھاتے ہیں! ساتھ ہی آج ایک خط عبدالغفور صاحب کو اسلام آباد لکھا ہے، تاکہ وہ معاوضہ کی ادائیگی کی تحریک کریں۔ آپ مناسب سمجھیں تو کچھ وقفہ دے کر اسی طرح خط لکھیے گا۔ انشاءاللہ مفید مطلب ہو گا۔

میری صحت گرتی جا رہی ہے۔ دوا احتیاط کرتا رہتا ہوں۔ مگر بات دعاؤں پر آ ٹکی ہے۔ کرم اور توجہ فرمائیے احسان دانش کا ایک شعر ہے:۔

محبت میں مکان و لامکاں ہیں دو قدم لیکن
مجھے یہ دو قدم چلنا بھی مشکل ہوتا جاتا ہے

اس شعر میں ذرا سی ترمیم کر لیجیے تو میرے حسبِ حال ہو جاتا ہے گا:۔

بصارت گھٹتی جاتی ہے نقاہت بڑھتی جاتی ہے
مجھے اب دو قدم چلنا بھی مشکل ہوتا جاتا ہے

دعائے خیر کا محتاج ____________ کمترین
محمد طاہر فاروقی

مکتوب نمبر ۲

پشاور
۲۹ رجون ۱۹۷۸ء
۷۸۶/۹۲

مخدوم ومکرم ومحترم مدظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ کل کرم نامہ ملا۔ یاد فرمائی کا شکریہ۔

ڈاکٹر معز الدین صاحب کو آپ خط نہیں لکھتے تو اسلام آباد کو لکھیے۔ یوں تحریر فرمائیے کہ وہ کتاب تو آگئی۔ اب شاید مابقی رقم کی ادائیگی آپ کے یہاں سے ہونی ہے تو کرم کیجیے"۔ اس طرح شکایت کا پہلو بچ جائے گا۔ اسلام آباد کا پتا یہ ہوگا۔ "جناب عبد الغفور صاحب سیکشن آفیسر وفاقی وزارت تعلیم مکان نمبر ۲۹ - سیکٹر ۷/۴ - اسلام آباد" ناسازئ مزاج کا حال معلوم کر کے سخت تردد ہوا، اس کا ایک سبب گرمی بھی ہے۔ لیکن اصل بات وٹامن کی کمی ہے۔ اس عمر میں بی کمپلیکس اور ملٹی وٹامن دونوں بعد غذا کے استعمال کرنے ازبس ضروری ہیں۔ اور ان کو کبھی ترک نہیں کرنا چاہیے۔ میری بھی ایسی ہی تکلیف ہوگئی تھی۔ یا شاید کچھ زیادہ۔ ایک نیک ڈاکٹر کے مشورے سے یہ دوائیں استعمال کیں۔ عرق عنبر سادہ کا عمل بھی یہی ہے۔ اعصابی کمزوری دور ہو جائے گی۔ تو سارا معاملہ بہتر ہو جائے گا۔ انشاء اللہ منسلکہ کاغذ پر ٹکیاں / کیپسول کے نام لکھے ہیں۔ ضرور استعمال فرمائیے۔ چند ہفتوں ہی میں فائدہ نظر آئے گا۔ مگر استعمال اب مستقل جاری رکھنا (میری رائے میں) قطعاً لازم ہے۔ اللہ فضل فرمائے گا۔ زیادہ آداب

کمترین
محمد طاہر فارقی

۷۸۶
ہو الشافی

صبح شام بعد غذا ایک ایک ٹکیہ } (i) Tryptidex Tablets (Abbott) { صبح ناشتے کے بعد
(ii) Optilets (Abbott) { یا دوپہر کھانے کے بعد

ایک ٹکیہ (یا لمبی ٹکیہ کہیے) صبح بعد غذا۔

ایک کیپسول بعد غذا (iii) Viterra (Pfizer)

شام کو نمبر ۱ کے ہمراہ Capsules

(۱۷) (ہمدرد یا اجمل خان یا طبیبی کا) عرق عنبر سادہ ۔ نہار منہ بہتر ہے

اس کی خوراک ڈھائی تولہ سے پانچ تولہ ہے ۔ آپ ڈھائی تولہ استعمال فرمائیے ۔

اوقات :- (۱) تہجد یا فجر کے بعد (نہار منہ) عرق عنبر سادہ ۔

(۲) صبح ناشتے یا دوپہر کھانے کے بعد Trividox ایک اور

Gptiblts M ایک ۔

(۳) شام / رات کھانے کے بعد Trividox ایک Veterro ایک ۔

مکتوب نمبر ۳۰

محلہ کریم شاہ بخاری عقب میٹرو سینما

پشاور شہر

۱۲ / جولائی (۱۹۷۸ء)

۴۸۶ / ۹۲

مخدومی و معظمی قبلہ و کعبہ مدظلکم العالی

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

امید ہے مزاج گرامی قریب اعتدال ہوگا۔ محبی .... کا کرم نامہ آیا۔ وہ شعبہ کے معاملات سے بے حد پریشان اور اس ملحد ....

بڑے ادب سے التماس ہے کہ توجہ فرمائیے ۔ اور اس انتشار اور پریشانی سے نکالیے ۔

..... کی پراگندگی و اضطراب کا مجھے اندازہ کرنا دشوار نہیں۔ ایسے میں زندگی وبال ہو جاتی ہے۔ آپ کے کرم اور دستگیری کی بجا طور پر احتیاج اور التجا ہے ۔" برکریماں کارہا دشوار نیست" ..... ضرور توجہ فرمائیے۔ عین نوازش ہوگی ۔

سیرتِ اقبال کا نیا ایڈیشن طبع ہو کر آگیا ۔ انھوں نے جو جلدیں بھیجی ہیں وہ ابھی مجھے نہیں ملیں۔ آج کل میں آجائیں گی۔ تو حاضر خدمت کروں ۔ یہ طباعت نہایت دیدہ زیب مکمل اور خوشنما ہے۔ آج کل کے لحاظ سے انھوں نے قیمت بھی بہت واجبی سی رکھی ہے ہے انشاء اللہ آپ اسے ظاہر و باطن ہر لحاظ سے پسند فرمائیں گے ۔

ڈاکٹر معزالدین صاحب کو پرسوں پھر خط لکھا ہے .... اپنے اور آپ کے دونوں کے بقایاجات کی طرف توجہ دلائی ۔ خدا آسان فرمائے ۔ زیادہ آداب ۔

کمترین

محمد طاہر فاروقی

Marfat.com

مکتوب نمبر ۴

۷۸۶
۹۲

پشاور
۱۵ر جولائی (۱۹۷۸ء)

مخدومی و مطاعی مدظلکم العالی
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

گرامی نامہ مورخہ ۱۲ر جولائی صادر ہوا۔ میں نے بھی دو دن ہوئے عریضہ ارسال خدمت کیا ہے۔ ممکن ہے آج ہی ملا ہو۔ اس میں خاص طور پر .... کی پریشانی اور تشویش کا ذکر کر کے التماس کی ہے کہ ان کی دستگیری اور مشکل کشائی فرمائیے۔ تاکہ یونی ورسٹی کا کام آسان ہو اور وہ ذہنی کوفت سے نجات پائیں۔

دواؤں کی بابت ڈاکٹر صاحب اور حکیم صاحب کے مشورے معلوم ہوئے ــــ
(۱) عرق عنبر سادہ (۲) خمیرہ ابریشم ارشد والا (۳) ٹریویڈاکس اور ان کے ساتھ ملائیے۔
(۴) ملٹی وٹیامن۔ ملٹی وٹامن کی سادہ لمبی ٹکیاں شیشی میں نہیں آتیں۔ بڑے ڈبے ہوتے ہیں۔ سوا پانچ ساڑھے پانچ روپے سیکڑا ملتی ہیں۔ وہ ہلکی ہوتی ہیں۔ سو منگوا لیجیے۔
عام طور پر تین روزانہ (صبح دوپہر شام) کھائی جاتی ہیں۔ آپ کم از کم دو ضرور استعمال میں رکھیے۔ یہ سب دوائیں ابھی سے پابندی سے جاری رہیں۔ تو انشاء اللہ نمایاں فائدہ ہوگا۔ اور رمضان شریف میں بہت سہولت رہے گی۔ رمضان شریف میں بھی افطار کے وقت، تراویح کے بعد اور سحری کے وقت، تین اوقات میں تقسیم کر کے یہ دوائیں جاری رکھیے۔ انشاء اللہ عام نقاہت اور اعصابی کمزوری سب کا تدارک ہو جائے گا۔ وھو المستعان۔
گھر سے نکلنا مشکل ہوگا۔ طبیعت بفضلہ ٹھیک ہے۔ مگر گھر کی چوکیداری بھی ایک کام ہے۔ میں جاؤں تو بیوی پابند ہو جاتی ہیں۔ بہر حال بخیر می گذرد۔ دعاؤں کا محتاج

کمترین
محمد طاہر فاروقی

مکتوب نمبر ۵

پشاور ۱۲ر اگست (۱۹۷۸ء)
مخدومی و مطاعی مولائی و مرشدی مدظلکم العالی
السلام علیکم، آداب مسترشدانہ۔

Marfat.com

گرامی نامہ مورخہ ۶ راگست کو مل گیا تھا۔ آپ کی دعائیں میری لیے تقویت کا موجب ہیں۔ خدا مجھے آپ کے کلماتِ خیر کا اہل بنائے !! منجھلے صاحبزادے سید و شریف میں ہیں۔ میں ان کو شہد کے لیے لکھ چکا ہوں۔ اب آپ کے لفافے سے اور تقویت ہوئی۔ آتا ہوگا ضرور استعمال کروں گا۔ شہد کے استعمال سے شکر کی تکلیف بڑھ جاتی ہے۔ اس لیے اس سے گریز کیا تھا۔ اب استعمال کی پکّی نیت ہے۔ اللہ راس لائے گا۔

محبّی ڈاکٹر شمس الدین صدیقی صاحب اپنے کام سے لاہور گئے تھے۔ ڈاکٹر معزالدین صاحب سے اپنے پیسے وصول کر لائے۔ ڈاکٹر معزالدین صاحب نے (ان کے بیان کے مطابق) سب پیسے خرچ کر کے برابر کیے۔ اب کتابوں کی فروخت سے جو آتے جاتے ہیں۔ وہ مصنّفین کو بھیجتے ہیں۔

شمس الدین صاحب کے تو کتوڑے ہی تھے۔ انھوں نے ڈاکٹر عشرت حسین کے انگریزی مقالہ کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ "اقبال کی مابعد الطبیعات" کا ترجمہ نہایت عمدہ اور قابل فہم ہے۔ انگریزی سے کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ اس سے سب سمجھ میں آگیا۔ جزاہ اللہ خیرا لجزاء

پاکستان میں جھوٹ بولنا کارِ ثواب سمجھا جاتا ہے۔ کم سے کم ۹۵ فی صد آدمی جھوٹ بولتا ہے۔ ...... کے اقوالِ زریں بھی اسی ذیل میں سمجھتا ہوں۔

دوا کی بابت میں نے اپنے دوست اور معالج ڈاکٹر صاحب سے مشورہ کیا تھا۔ چھوٹتے ہی بولے کہ "یہ دوا تو پیٹ کے السر کے لیے ہے۔ اب نئی دوا آئی ہے۔ اور السر میں بہت استعمال کی جاتی ہے"۔ کیا آپ کو پیٹ میں زخم تجویز ہوا ہے؟ بڑی چیز ہے۔ مگر اس کا ہومیو پیتھی علاج بہت آسان اور اچھا ہے۔ مَیں خود باوجود اناڑی پن کے کئی مریضوں پر کامیاب علاج کر چکا ہوں۔ اگر اس دوا نے فائدہ نہ کیا تو وہ نسخہ عرض کروں۔ یہ جملہ پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی، کہ "بہرحال اس وقت کے لیے تیار ہوں جبکہ صرف ان کا ہی کرم کام دے سکے گا"۔ یہ مقام بہت بلند ہے، شکر ہے کہ خدا نے جناب کو نفسِ مطمئنہ کے اس انعام سے مالا مال کیا ہے۔ الحمد للہ۔ رَبِّ زِدْ فَزِدْ وھو المستعان۔

دعاؤں کی درخواست اور احتیاج کے ساتھ، ویسے بحمد للہ روبہ اصلاح ہوں۔

زیادہ ادب

کمترین

محمد طاہر فاروقی

مکتوب نمبر ۶

$\frac{۷۸۶}{۹۲}$

پشاور۔ ۲۷ راگست ۱۹۷۸ء

مخدومی و مطاعی۔ مولائی ومقتدائی مدظلکم العالی

Marfat.com

السلام علیکم ۔ گرامی نامہ صادر ہوئے کئی دن ہو گئے ۔ جواب جلد پیشِ خدمت نہ کر سکا افسوس ہے ۔ شہد منگوالیا ہے ۔ دعاؤں کی بہر حال ضرورت ہے ۔ علاج میں توجہ کر رہا ہوں ۔ دعائیں آپ خصوصیت سے فرمائیں ۔

آپ نے یہ نہ لکھا کہ کیا آپ کو واقعی Abdminal ulcer کی شکایت ہے ۔ یا ایسی تکالیف ہیں جن سے پیٹ میں زخم کا احتمال ہو سکتا تھا ؟ یا ڈاکٹر صاحب نے محض تیر تکا فرمایا تھا ۔

بہر حال احتیاطاً اس تکلیف کی ہومیوپیتھک کی دوائیں لکھے دیتا ہوں ۔ میں خود کئی مریضوں کا کامیاب علاج کر چکا ہوں ۔ اگر پیٹ میں زخم کا اندیشہ ہو تو یہ دوائیں استعمال فرمائیے ۔ (ا) Uranium nit 200 ہفتے میں دو بار یعنی ایک خوراک کے بعد تین دن کا ناغہ ۔ پھر ایک خوراک پھر تین دن کا ناغہ ۔ اس طرح کچھ دن جاری رکھیے ۔ (ii) Nux vomica ٣٠ رات کو سوتے وقت روزانہ صرف ایک خوراک ۔ فی الحال دونوں دوائیں گولیوں میں ایک ایک ڈرام بنوا لیجیے ۔ پہلی تو مدتوں چلے گی ۔ دوسری ختم ہو جائے تو اور منگوا لیجیے ۔ سات سے دس گولیوں تک کی خوراک ۔ زبان پر ڈال کر چوس لیجیے ۔ اور بس ۔

عبد الغفور صاحب کو مزید خط لکھنے کے ارادے میں ہوں ۔ وہ بہت اچھے آدمی ہیں ۔ فوراً ڈاکٹر معز الدین صاحب کو لکھ دیں گے ۔ اللہ مدد کرے ۔ زیادہ آداب ۔

کمترین
محمد طاہر فاروقی

(پشاور میں پنجشنبہ ١٧ شوال ١٣٩٨ھ = ٢١ ستمبر ١٩٧٨ء کو آپ کا انتقال ہوا ۔ انا للہ .....)

Marfat.com

"شامِ صحرا" اور اس کا مُصنّف

(۱) شخصیّت

بھائی عبدالحمید سے میرے تعلقات نصف صدی پر محیط ہیں ۔ ہم لوگ پہلے ہم جماعت تھے ۔ پھر دوست ہوئے ۔ پھر ان کے بے پایاں خلوص نے ہم دونوں کو اس قدر قریب کر دیا کہ شاید دوسروں کو رشک آتا ہو گا ۔ ان کے دل میں یہ محبت ' خالص دینی ماحول کی وجہ سے ہے اور ان کی طبیعت میں جو متانت ہے وہ غالباً" فلسفے کے ذوق کے سبب سے ہے۔ وہ نفسیات کے خاصے ماہر اور شخصیات کے زبردست قیافہ شناس ہیں ۔ لیکن وہ خود سراپا محبت ہیں اور اپنے ماحول میں محبت کی تلاش میں رہتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے گھر میں ' اعزہ میں اور احباب میں ہر جگہ ان کی محبت ہی کار فرما نظر آتی ہے ۔ ایک حدیث کا مضمون ہے کہ ایک عظیم انسان کی پہچان یہ ہے کہ جو شخص اس سے ملتا ہے وہ یہی سمجھتا ہے کہ وہ ہستی صرف مجھ ہی سے زیادہ قریب ہے ۔ بس یہی خصوصیت بھائی حمید کی ہے اور اسی خصوصیت کی وجہ سے بچپن سے لے کر آج تک جن لوگوں سے ان کا تعلق رہا ہے وہ سب ان کے گرویدہ ہیں ۔ طالب علمی کے زمانے میں ان کے گرد احباب کا ہجوم لگ جاتا تھا اور احباب کے بڑے بڑے حلقے ان کے حلقہ بگوش تھے ۔ان کی شخصیت میں ایسی جاذبیت رہی ہے کہ ان کے آگے کسی مخالف کو مخالفت کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی ۔ بچپن سے سخت ورزش ' اسپ رانی اور کھیلوں کا شوق رہا ہے ۔ اسپ رانی میں تو وہ اتنے اچھے سوار تھے کہ انہوں نے آل انڈیا گھڑ دوڑ میں دوسرا انعام حاصل کیا تھا ۔ وہ رائیڈنگ سکول کے کپتان تھے اور اس حیثیت سے انہوں نے ہندوستان کے بعض زعما (جن میں اعلیٰ حضرت نظام حیدر آباد اور علامہ اقبال بھی شامل تھے) کے اعزاز میں رائیڈنگ سکوائیڈ بھی دیئے تھے ۔ ایسے موقع پر وہ معزز مہمانوں کے ساتھ شمشیر بدست ان کے ذاتی محافظ کے طور پر رہتے تھے ۔

ان کے کمرے پر ان کے دوست جسمانی ورزش کے لیے جمع ہوتے تھے ۔ وہ رسہ کشی کی جیتنے والی ٹیم میں سب سے آگے ہوتے تھے اور گولہ اندازی اور ۱۰۰ گز اور ۴۴۰ گز کی دوڑوں میں انعام حاصل کرتے تھے ۔ ہر صبح گھوڑے پر سواری کرتے ہوئے دور دراز دیہات کی طرف نکل جاتے اور ہر شام آٹھ دس میل کی پیدل سیر کرنے کے لیے نکلتے تو پرانے قلعے کے پاس جا کر گوالوں سے لے کر تازہ دودھ پیتے اور آگے بڑھ جاتے ۔ چھٹی کے روز یونیورسٹی سے کئی میل دور جا کر گنے کا رس پیتے ۔ علی گڑھ میں رہنے کے باوجود چائے

Marfat.com

کبھی نہ پیتے بلکہ دوستوں کو بھی منع کرتے۔ ان کے کمرے پر دودھ اور دہی کی لسی کا دور چلتا رہتا' پان اور سگریٹ سے انہیں پہلے کبھی لگاؤ تھا نہ آج ہے۔ علی گڑھ میں ہفتہ بھر کی چھٹیاں ہوئیں تو دوستوں کو ساتھ لے کر سائیکل پر آدھے یوپی کی سیر کر آئے اور اس دوران اپنے آپ کو ہندو ظاہر کر کے بند رابن کے قدیم ترین مندر بھی دیکھ آئے۔

اپنی شاعری میں جہاں وہ اپنے احباب کو یاد کرتے ہیں' وہاں وہ اپنی سیر و سیاحت کو بھی نہیں بھولے' چنانچہ فرماتے ہیں

سیر و تفریح و سفر معمول تھے میرے لیے

ان کی ایک غزل کا شعر ہے

سوچتا ہوں مرے ہم سیر کہاں جا سوئے
سحر و شام کے جلوے ہیں زر افشاں ابتک

اپنی اس آوارہ خرامی میں وہ اس لحاظ سے بھی منفرد تھے کہ آبادیوں سے دور ویرانوں کی طرف سیر کو جاتے تھے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں

ہنگامہ ہائے دہر سے رہتے تھے دور دور
جاتے تھے جنگلوں کی طرف بہر سیر ہم

سیر و تفریح اور کسرت سے جہاں صحت پر اچھا اثر پڑتا ہے وہاں مزاج میں رفعت' بردباری اور رواداری بھی پیدا ہوتی ہے۔

بھائی حمید سے میں نے بہت کچھ سیکھا اور اب بھی سیکھتا رہتا ہوں۔ طالب علمی کے زمانے ہی سے ان کی دینی حمیت اور اجتماعی قوت کے جذبات نے مجھے متاثر کر رکھا ہے اور اسی زمانے سے میں نے ایک ضروری عبادت انہی سے سیکھی ہے' وہ یہ کہ جب کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہماری گفتگو میں آجاتا تو فوراً" ان کے ہونٹ (درود کے لیے) ہلنے لگتے۔ یہ بات دیکھ کر مجھے بھی غیرت آئی اور میں نے بھی اس عبادت کو اپنا شیوہ بنانے کی کوشش کی۔

بھائی صاحب بظاہر کم سخن اور کم آمیز ہیں۔ لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان کا دل و دماغ ہر وقت اپنے اعزہ و احباب اور قوم و ملک کی فلاح کے لیے مصروف رہتا ہے اور اس کے لیے ان کی "دعا" اور "دوا" دونوں کام کرتی ہیں۔ طالب علمی کے زمانے ہی سے انہوں نے اس خصوص میں عملی طور پر بہت کام کیا ہے۔ جس کا اجر اللہ پاک ہی دے سکتا ہے اور جس کا اظہار یہاں غیر ضروری ہے ان کی والہانہ محبت کی داستانیں ان کے اعزہ اور احباب سے پوچھیے۔ میں صرف اپنی ذات سے متعلق چند واقعات کا ذکر کروں گا

۱۹۳۶ء میں جب ہم لوگ علی گڑھ سے رخصت ہونے لگے تو بھائی صاحب اپنی متانت کے باوجود آبدیدہ ہو گئے اور فرمانے لگے "میں سوچتا ہوں کہ آپ سے جدا ہو کر اب میری زندگی کیسے گزرے گی" ۱۹۴۱ء میں جب وہ دارالمعلمین (ٹیچرز ٹریننگ کالج کابل) میں فلسفہ و نفسیات کے پروفیسر تھے تو چند روز رخصت پر جالندھر تشریف لائے اور اسی رخصت کی قلیل مدت میں میرے پاس (قریب ڈیڑھ ہزار میل کا مزید سفر طے کر کے) امراؤتی بھی تشریف لائے جہاں میں لیکچرر تھا۔ جالندھر کے احباب نے طعن کیا کہ "اتنے لمبے سفر پر جانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ امراؤتی میں شاید تمہارے درد دل کا علاج ہو سکے گا۔ امراؤتی میں بھائی صاحب نے ۲۸ فروری ۱۹۴۱ء کو میری ڈائری میں مولانا روم کا یہ شعر لکھا تھا:

مسکن یار است و شہر شاہ من

پیش عاشق ایں بود حب الوطن

اسی طرح پاکستان بننے کے بعد جب بھی ان سے ملنے کے لیے لاہور گیا تو فرمایا کہ "اب آپ ملازمت نہ کریں اور میرے پاس رہیں۔ ہم اکٹھے مل کر کوئی کاروبار کریں گے اور توکل علی اللہ روزگار کی کوئی اچھی صورت پیدا کر لیں گے" ایک اور واقعہ یہ ہے کہ آجکل کی میری مسلسل علالت کا حال سن کر کہا کہ لخت جگر عبدالحسیب مرحوم کے غم کے بعد "میں اب مزید غم برداشت نہیں کر سکتا"

ان کی غیرت ملی قابل رشک تھی اور وہ کبھی اسلام اور اسلامی رجحان کے برعکس کوئی بات برداشت نہیں کرتے تھے۔ اس ضمن میں، میں صرف ایک واقعہ بیان کرنے پر اکتفا کروں گا

شہنشاہ جارج پنجم کی جوبلی کے موقعہ پر ڈاکٹر ضیاء الدین (جو ابھی تک سر ضیاء الدین نہیں بنے تھے، مگر نائیٹ بننے کے لیے تگ و دو کر رہے تھے۔ چنانچہ وہ اس سے اگلے سال اس مقصد میں کامیاب بھی ہو گئے) کے حکم سے یونیورسٹی کی عمارات پر چراغاں کیا گیا۔ بھائی حمید نماز مغرب سے فارغ ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ یونیورسٹی کی مسجد پر بھی چراغاں کر دیا گیا ہے۔ وہ یہ دیکھ کر مسجد کی چھت پر چڑھ گئے اور انہوں نے ایک ایک کر کے سارے دیئے گرانے شروع کر دیے۔ ان کی دیکھا دیکھی بعض دوسرے طلبہ نے بھی ایسا کرنا چاہا، مگر انہوں نے سب کو یہ کہہ کر منع کر دیا کہ جس کام کو ایک شخص کر سکتا ہے، کیا ضروری ہے کہ بہت سے لوگ اس کے لیے اپنے آپ کو مسئول بنائیں۔ چنانچہ حمید نے تھوڑی دیر میں مسجد پر جلنے والے سارے دیئے اٹھا کر پھینک دیئے۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور مختلف ہوسٹلوں کے طلبہ گروہ در گروہ حمید کے پاس آنے لگے۔ طلبہ جذباتی ہو کر کہہ رہے تھے کہ اب ساری یونیورسٹی پر جلنے والے دیئے بجھائے جائیں۔ مگر حمید نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ یونیورسٹی کو سرکار سے گرانٹ ملتی ہے، اس لیے اگر وائس چانسلر نے یہاں چراغاں کرایا ہے تو ہمیں اس کی حمایت یا مخالفت کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن مسجد اللہ کا گھر ہے، جس کا دنیوی شہنشاہوں بالخصوص غیر مسلم حکمرانوں کے

Marfat.com

جشن مسرت سے کوئی تعلق نہیں - لہٰذا ہم یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ مسجد کو بھی غیر مسلم فرمانرواؤں کی خوشنودی کے لیے استعمال کیا جائے -

دوسرے روز وائس چانسلر نے حکم دیا کہ حمید کو یونیورسٹی سے نکال دیا جائے - مگر پروفیسر اے بی اے حلیم (ابوبکر عبدالحلیم جو پاکستان آکر کراچی یونیورسٹی کے پہلے وائس چانسلر بنے) آڑے آئے - وہ اس وقت یونیورسٹی کے پرو وائس چانسلر تھے اور انہی کے دستخط سے کسی طالب علم کا اخراج عمل میں آتا تھا - انہوں نے پہلے تو اپنے شاگردوں کے ذریعہ جو حمید کے دوست تھے 'انہیں معذرت کرنے پر آمادہ کرنا چاہا - پھر ایک پروفیسر کو (جو کمیونسٹ تھا) اس مقصد کے لیے حمید کے پیچھے لگایا - وہ صاحب حمید کو اس بات پر آمادہ کرتے رہے کہ اپنا کیا دھرا امام مسجد کے سر ڈال دیں اور کہہ دیں کہ سب کچھ ان کے اشارے پر کیا گیا ہے - مگر حمید دونوں میں سے کسی بات پر بھی آمادہ نہ ہوئے - بالآخر حلیم صاحب نے حمید کو اپنے پاس بلایا - تبادلۂ خیال کیا - ان کے جذبات کو سراہا 'مگر قانون کو ہاتھ میں لینے پر وارننگ دی اور معاملہ ختم کر دیا -

اس واقعہ کے بعد طلبہ کے معاملات میں حمید کی رائے بہت موثر سمجھی جانے لگی - اور اس میں شک نہیں کہ ان کی ہر تائید یا مخالفت میں جذبۂ خلوص کار فرما ہوتا تھا - انہوں نے بالکل سچ کہا ہے

تھے خلوص مقصد و صدق مقال اپنے اصول
خویش و بیگانہ کو جن سے رام کر لیتے تھے ہم

علی گڑھ میں کبھی کبھار کوئی مشاعرہ بھی ہو جاتا تھا - ملک گیر شہرت کے مالک اساتذہ تشریف لاتے تو ادبی محفلیں بھی جمتی رہتیں - مگر حمید ان سے اتنا دور رہتے کہ گویا انہیں شعر و ادب سے کوئی تعلق ہی نہ تھا - ان کے شاعر ہونے کا احساس فقط علی گڑھ میگزین میں چھپی ہوئی ان کی نظموں سے ہوتا تھا ورنہ اپنی محفل میں بھی وہ فقط سیاست اور فلسفہ کے مباحث پر گفتگو کرتے تھے - اچھا شعر سن کر داد ضرور دیتے مگر اپنا شعر کبھی نہ سناتے ' بلکہ اپنا تعارف بطور شاعر کبھی نہ کراتے - غالب نے کسی ایسے ہی احساس کے ماتحت کہا ہو گا:

غالباً دم در کشیدم ' دیں زعجز نطق نیست
طبع را از خود نمائی احترازے بودہ است

شاعروں اور مشاعروں سے اس بعد کے باوجود خود شاعری میں اتنا انہماک تھا کہ ایک بار امتحان کے قریبی ایام میں ہوسٹل کی چھت پر پڑھائی کرنے گئے اور نیچے اترے تو ایک تازہ نظم ہاتھ میں تھی -" بنام شاہد نازک خیالاں " کی پہلی دو نظمیں اسی دور سرمستی کی یادگار ہیں -

مطالعہ کا انہیں اتنا شوق تھا کہ یونیورسٹی میں جب بھی ان کا پیریڈ فارغ ہوتا تو وہ یونیورسٹی ڈپو یا لائبریری میں پہنچ جاتے - بک ڈپو سے وہ یونیورسٹی پریس کی طبع کردہ کتب خریدتے رہتے - چنانچہ انہی ایام

میں انہوں نے امیر خسرو کی ساری مثنویاں اور دیوان خرید کر پڑھ ڈالے تھے۔

حمید بھائی اپنی گفتگو کے درمیان علامہ اقبال کے اشعار پڑھا کرتے تھے اور اپنے خیالات کی تائید میں اکثر و بیشتر انہی سے استفادہ کرتے تھے ان کا دو کمروں پر مشتمل اپارٹمنٹ (جو انہوں نے ڈبل کرایہ دے کر صرف اپنے لیے وقف کرا لیا تھا) سیاسی اور نیم سیاسی قسم کی محفلوں کا مرکز تھا۔ ہمیں یہ دیکھ کر تعجب ہوتا کہ موضوع خواہ کوئی بھی ہو حمید بھائی اپنے موقف کو تقویت دینے کے لیے علامہ اقبال کے پر مغز اور بر محل اشعار برجستہ پڑھتے جاتے تھے۔ انہوں نے اپنے ریٹائرنگ روم کی دیوار پر جلی حروف میں سرخ پنسل سے علامہ اقبال کا یہ قطعہ لکھ رکھا تھا:

میارا بزم بر ساحل کہ آنجا
نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط و با موجش در آویز
حیات جاوداں اندر ستیز است

میں سمجھتا ہوں کہ یہ قطعہ ان کی طبیعت سے بھی مناسبت رکھتا تھا۔ "سرگزشت" کے زیر عنوان ان کا ایک شعر ہے!

دیکھتا کوئی جو میلی آنکھ سے اپنی طرف
دیدۂ خود بیں کو خوں آشام کر لیتے تھے ہم

پھر ذرا مبالغہ آمیز انداز میں فرماتے ہیں

جوانی میں ہماری تندخوئی ایک آفت تھی
ہمارے دم سے ہر محفل میں جھگڑا تھا جھمیلا تھا

مگر ان کے یہ سارے جھگڑے جھمیلے سیاسی نوعیت کے ہوتے تھے۔ بات دراصل یہ تھی کہ یونیورسٹی کے نیشنلسٹ اور کمیونسٹ طلبہ انہیں ایک آنکھ نہ بھاتے تھے۔ چنانچہ سیاسی کشمکش کے اس دور میں کبھی نہ کبھی جھگڑے رگڑے کی نوبت آ ہی جاتی تھی۔

علی گڑھ میں برسات کا موسم بڑا کیف آور ہوتا ہے۔ جب برکھا اپنا رنگ جماتی ہے تو اکثر لڑکے اپنے کمروں سے باہر نکل آتے ہیں اور دوڑ بھاگ کرتے ہوئے ایک دوسرے پر پانی اچھالتے اور کیچڑ پھینکتے ہیں۔ اسے یونیورسٹی کی اصطلاح میں Mud Riot کہتے ہیں۔ حمید بھائی کھلنڈرے تو تھے ہی، اس "کھیل" میں ہمیشہ حصہ لیتے۔ ایسے ہی ایک موقع پر یونیورسٹی کے ایک شہزور لڑکے نے انہیں پشت کی طرف سے آپکڑا اور گرانے کی کوشش کی۔ حمید نے اسے پہلوانی کا ایک داؤ (ڈھاک) لگا کر ٹھہرے ہوئے پانی میں اس طرح پھینکا کہ وہ بیچارہ شرابور ہو کر رہ گیا۔ اس کے بعد جب کبھی ان دونوں کا آمنا سامنا ہوتا تو وہ ایک کھسیانی سی ہنسی

مسکراہٹ دکھا کر پاس سے گزر جاتا۔

حمید ہر شام اپنے فاضل استاد ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب کی کوٹھی پر حاضری دیتے ۔ وہاں وہ علمی اور سیاسی مباحث میں حصہ لیتے اور بنوٹ کھیلتے۔ چھٹی کے دن اپنے دوستوں کو ساتھ لے کر رائفل ٹرینگ کے لیے دیہات کی طرف نکل جاتے ۔

بعد کو جا کر معلوم ہوا کہ یہ دراصل ایک خفیہ سوسائٹی تھی جو ڈاکٹر صاحب نے تحریک پاکستان سے بھی پہلے ، مسلمان اکثریت کے صوبوں پر مشتمل ایک اسلامی حکومت کے قیام کی جدوجہد کرنے کے لیے قائم کر رکھی تھی ۔ حمید اس کے سرگرم رکن تھے ۔ اس بزم میں ان کا عہدہ معیلر (Whip) کا تھا ۔ بنوٹ کی مشق تو ضرور کرتے تھے اور وہ اس کے بہت اچھے کھلاڑی بھی ہو گئے تھے مگر اس وقت وہ اس کی افادیت کے چنداں قائل نہ تھے ۔ پاکستان بن جانے کے بعد انہوں نے مجھے بتایا کہ یہی چیز جسے وہ محض ایک " ورزش بے کار " سمجھتے تھے ، مارچ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں ان کی جان بچانے کا باعث بنی ۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے عقب سے آنے والے اپنے حملہ آور کے ٹکوے کا وار اپنی ہاکی سے روک کر اسے زمین پر گرا دیا اور پھر اس کی خوب مرمت کی ۔ اگر پولیس کا دستہ سامنے نہ ہوتا تو شاید وہ اسے جان سے مار ڈالتے ۔

یہ ہے ایک مجمل ساخاکہ حمید بھائی کی پہلو دار شخصیت کا جس کے الگ الگ کئی گوشے ہیں اور ہر حیثیت میں وہ ایک جداگانہ تشخص کے مالک ہیں (آجکل وہ چودھری عبدالحمید مالک مکتبۂ کارواں لاہور کی حیثیت سے بطور ایک ناشر پہچانے جاتے ہیں) ۔ شاعری ان کی عملی زندگی کی بجائے ان کی حیات ذہنی سے تعلق رکھتی ہے اور وہ اسے دوسرے شعبوں میں دخیل ہونے کا موقع کبھی نہیں دیتے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دوست بھی انہیں بطور شاعر نہیں جانتے ۔

(۲) شاعری

صاحب کتاب کی اس مختصر سے تعارف کے بعد ان کے کلام کا مطالعہ کیجیے تو معلوم ہو گا کہ ان کی پوری شاعری کی اساس اسی اخلاص و محبت اور حمیت پر قائم ہے ۔

آٹھویں جماعت کا ایک نو عمر طالب علم جب اس طرح کے اشعار کہے گا تو ایک پختہ کار ادیب کیونکر داد نہ دے گا ؟

وائے قسمت ہو گئی ساکت زبانِ آرزو
شوق سے سننے کو تھے وہ داستانِ آرزو

Marfat.com

روک لے اے ضبط اشکوں کو، کہیں ایسا نہ ہو
خود زباں بن جائے چشم رازدانِ آرزو
پنبہ زار زندگی کو یہ جلا دے گا حمید
برق پاشی کر رہا ہے آسمانِ آرزو

پھر کالج کے زمانے کی نظمیں کالج میگزین کے علاوہ مجلہ نیرنگ خیال اور ڈاکٹر تاثیر جیسے مشہور فاضل کے سالنامہ "کارواں" میں شائع ہونا کوئی معمولی بات نہ تھی - اور یہ بات بھی کچھ کم اہم نہیں کہ اس رسالہ "کارواں" والی نظم کو مصور مشرق عبدالرحمٰن چغتائی مرحوم نے تاثراتی تصویر میں بھی منتقل کر دیا تھا - یہ نظم جو "منزل" کے عنوان سے "شامِ صحرا" میں شامل ہے، ایک ایسی دنیا کی نشاندہی کرتی ہے جس میں ــــ

کوئی نقشہ ہو کسی دیکھے ہوئے سے خواب کا

اور اس دنیا کی تصویر کچھ ایسی ہو ــــ

عالم ناسوت میں لاہوت کے بھی رنگ ہوں
عرشیوں کی زندگی میں فرشیوں کے ڈھنگ ہوں
زندگی ہو موت کی آغوش میں سوئی ہوئی
موت آبِ چشمۂ ظلمات میں دھوئی ہوئی
روشنی ایسی کہ ظلمت کے بھی ڈیرے ساتھ ہوں
چاندنی راتوں میں بھی گہرے اندھیرے ساتھ ہوں
بجلیاں مستور ہوں قلبِ شبِ دیجور میں
موسیٰ و فرعون گم ہوں جلوہ گاہِ طور میں
قرب اتنا ہو کلیم اللہ و شمع طور میں
فرق مشکل ہو اناالحق اور اناالمنصور میں

اسی نظم میں وہ اپنا تصور زمان و مکان اس طرح بیان کرتے ہیں

عالم بے شرق و غرب و بے شمال و بے جنوب
ہوں جہاں اطرافِ عالم مثلِ موہومہ غروب
کوئی ماضی ہو نہ جس میں کوئی استقبال ہو
وقت کی رفتار پابندِ زمانِ حال ہو

۱۹ ــ ۲۰ سال کے ایک طالب علم کے خیالات و جذبات کا یہ آئینہ خود آئینہ سازوں کی نظر میں بہت پسندیدہ ثابت ہوا اور اسی زمانے سے یہ نظم مقبول رہی -

Marfat.com

اس کے بعد علی گڑھ کی زندگی میں مسوری سے شملہ تک بعض احباب کے ساتھ جو پیدل سفر کیا تھا اس کے تاثرات ایک نظم "سیر کہسار" میں ملتے ہیں۔ فطرت کی خاموش فضائیں، گھنے جنگل، سرسبز و شاداب مناظر حمید کو بہت مرغوب ہیں

میں اکثر خواب میں ان جنگلوں کی سیر کرتا ہوں
اندھیرے بادلوں کی راہ سے چڑھتا اترتا ہوں
انہی تاریک و ناہموار پتھریلی چٹانوں سے
گزر جاتا ہوں باتیں کرتے کرتے آسمانوں سے
کہیں کھویا گیا ہوں آبشاروں کی صداؤں میں
کہیں وادی کی سحر آمیز متوالی ہواؤں میں
کبھی سنتا ہوں نغمے سر سراتی شاخساروں کے
کبھی دھیمے سروں میں گانے والی جوئباروں کے
اگر مل جائے فرصت مجھ کو مکر و ہات عالم سے
تو لذت کش رہوں تا عمر اس فردوس خرم سے

لیکن ایسے مناظر سے جب رخصت ہونا پڑتا ہے تو دل کی کیفیت عجیب ہو جاتی ہے اور

قدم آگے کو بڑھتے تھے، نظر پیچھے کو جاتی تھی
چٹانوں کی خموشی جانب منزل بلاتی تھی
خنک نغمے، ہوا ہو بھیگی بھیگی جیسے ساون کی
ترنم تھا کہ فریادیں کسی اجڑے ہوئے بن کی
بالآخر دفعتاً گل ہو گئیں شمعیں نگاہوں کی
صدائیں آئیں دھیمی دھیمی ٹھنڈی آہوں کی

پھر قندھار اور چمن کی راہ سے جب گزر ہوا تو وہاں کے "بے برگ و بار" مناظر اپنی خاموشی اور سکوت سے ان کو متاثر کئے بغیر نہ رہ سکے

صحرا ہے، ایک وادی بے برگ و بار ہے
فصل بہار و ساعت نصف النہار ہے
ویران ہے اگرچہ بیاباں کا چار سو
موسم کے اقتضا سے ہوا خوشگوار ہے
ہر سمت چھا رہی ہے فضاؤں میں خامشی

Marfat.com

وہ خامشی کہ جس پہ تکلم نثار ہے
ابھری ہوئی ہیں دور پہاڑوں کی چوٹیاں
جن کا سکوت پردہ کش روزگار ہے
جاتا ہے اک مسافرِ تنہا کسی طرف
منزل ہے جس طرف نہ کوئی رہگذار ہے

اسی نظم کے آخر میں وہ حیات انسانی کی "موہوم منزلوں" کی اس طرح نشاندہی کرتے ہیں۔

ہرذی حیات کارگہِ صبح و شام میں
موہوم منزلوں کے لیے بے قرار ہے
آبادیوں سے دور ہیں آباد بستیاں
شہروں سے دور کوئی اچھوتا دیار ہے
حالات اور مزاج کی افتاد سے حمید
انساں رہینِ گردش بے اختیار ہے

ان کی نظم "عزم بالجزم" میں منظر پسندی اور منظر کشی اس طرح آتی ہے:

یوں افق کے پار ملتے ہیں زمین و آسماں
سائے جھک پڑتے ہیں جیسے شام کو تالاب پر
فکر میں ڈوبے ہوئے ہیں پھول، پھل اور باغباں
ایک حیرت چھا رہی ہے انجم و مہتاب پر

پھر قوم کے لیے یہ پیغام ہے

زندگی ملت کی ہے عزم و یقیں سے استوار
انحصار اس کا ہے کمتر ظاہری اسباب پر
ہے خدا کی ذات پر جس قوم کا دار ومدار
ناؤ اس کی تیرتی ہے موجۂ سیلاب پر

ایک اور نظم "کس بمیداں رونمی آرد" میں قوم کا مرثیہ ہے جس کے جانبازوں نے کیا کیا کارنامے انجام دیے تھے، لیکن آج وہی قوم جوشِ عمل سے محروم ہے

جھکتے نہ تھے کبھی کسی جابر کے سامنے
گورے تھے جن سے مات وہ کالے کہاں گئے
صحرا سے لے کے آئے جو تا منزل مراد

Marfat.com

کر کے ہمیں فلک کے حوالے کہاں گئے
وضع زمانہ دیکھ کے یاران باصفا
رخ پر نقاب شرم کا ڈالے کہاں گئے
اب شاہراہ عام پہ جلتے نہیں چراغ
تاریک راستوں کے اجالے کہاں گئے

اس کے بعد ایک عنوان " بنام شاہد نازک خیالاں " آتا ہے جس میں محبت ہی محبت کار فرما ہے اور نہ صرف جوانی بلکہ " بعد از جوانی " کے وہ ایام بھی ہیں جن میں بھولی ہوئی داستانیں یاد آتی ہیں - حمید کا مزاج ہی یہ ہے کہ —

ہر دو عالم میں محبت کا اثر پاتا ہوں میں
حسن و الفت کو اسیریک و گر پاتا ہوں میں
مہ بہ مہ انجم بہ انجم کر چکا ہوں راہ طے
ہر طرف آباد اک نوع بشر پاتا ہوں میں
ایک دنیا اور بھی ہے انجمستان کے قریب
اس جہاں کو حلقۂ بیرونِ در پاتا ہوں میں
ہے عیاں ہر چیز کی رفتار کے انداز سے
زندگی کو عشق کا پیغامبر پاتا ہوں میں
جب نظر آتی نہیں کوئی کرن امید کی
عشق کو اس وقت اپنا راہبر پاتا ہوں میں
یہ جہان خاک ہو یا رفعت افلاک ہو
تم کو ہر منزل میں اپنا ہم سفر پاتا ہوں میں

اور یہ " فراموش شدہ" داستانیں کب " فراموش " ہو سکتی ہیں ؟ وہ تو بار بار یاد آتی ہیں - اور یہ بھول ایسی ہے جس سے شاعر کی دنیا ہمیشہ آباد رہتی ہے

خوشتراز صبح بہاراں تھی مری شام کبھی
تیرے جلوے نظر آتے تھے لب بام کبھی
بادہ نوشی میں کوئی لطف ہی باقی نہ رہا
جب سے تو انجمن شوق میں ساقی نہ رہا
مگر اس وقت کی افتاد پہ بھی شاد ہوں میں

Marfat.com

اپنی کھوئی ہوئی دنیا میں پھر آباد ہوں میں

اور پھر ایک کیفیت میں ڈوب کر کہتا ہے کہ

شاداں ہیں تیرے دم سے خواب و خیال میرے
گزرے ہیں بیخودی میں یہ ماہ و سال میرے

بہر حال یہ سخن گستری " بنام شاہد نازک خیالاں " تھی ۔ لیکن محبت تو حمیدؔ کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہے ۔ اس لیے " یاد عزیزاں " میں ایسے جذبات نظر آتے ہیں کہ قاری کا دل بھی تڑپ جاتا ہے اور وہ اس داستان کو " آپ بیتی " سمجھنے لگتا ہے ۔ " ماں " کے نام سے جو نظم ہے وہ حضرت امیر خسروؒ کی یاد تازہ کرتی ہے ۔ اس نظم میں حمید نے اپنے مہد سے لے کر والدہ کے لحد تک کے حالات بڑے پر حسرت انداز میں لکھے ہیں ۔ ایک جگہ یوں گویا ہیں

آج تیری یاد میں روتا ہوں میں زار و قطار
ذہن پر چھایا ہوا ہے عمر رفتہ کا غبار
آج بھی آنکھوں کے آگے پھر رہا ہے وہ مکاں
جس مکاں میں پرورش پاکر ہوئے تھے ہم جواں
بھائیوں بہنوں کی باتیں یاد آتی ہیں مجھے
سردیوں کی گرم راتیں یاد آتی ہیں مجھے
وہ مسرت کا سماں ، وہ چہچے وہ قہقہے
جب زمانے کے مصائب ہم سے کوسوں دور تھے
سایۂ شفقت میں جب ماں باپ کے پلتے تھے ہم
اپنے سائے سے بھی رہتے تھے گریزاں رنج و غم
آرہی ہیں میرے کانوں میں صدائیں دور کی
جیسے ویرانوں میں شمعیں جل رہی ہوں نور کی

آگے چل کر وہ کس قدر آفاقی جذبات پیش کرتے ہیں

جب زمانے میں مروت کی کمی پاتا ہوں میں
دلگراں ہوکر ترے مرقد پہ آجاتا ہوں میں
تیری خاک گور آنکھوں سے لگاتا ہوں کبھی
آہ بھرتا ہوں کبھی ، آنسو بہاتا ہوں کبھی
کس لیے خاموش ہے ؟ کیوں لب کشا ہوتی نہیں

Marfat.com

کیا نہیں سنتی مری آواز تو زیرِ زمیں ؟
بول میری ماں ، ترا بیٹا بلاتا ہے تجھے
آپ بیتی تیرے پیاروں کی سناتا ہے تجھے
خیر ، تو بولے نہ بولے ، میں بلاؤں گا ضرور
" ماں " کہوں تو دل میں پھر جاتی ہے اک موج سرور
ایک " ماں " کہنے سے ملتا ہے مجھے کتنا سکوں
دور ہو جاتے ہیں دنیا بھر کے افکار زبوں

آخر میں خود کو اس طرح تسلی دیتے ہیں کہ

اس جہاں کو جانے والے لوٹ کر آتے نہیں
کچھ نہیں کھلتا کہ ہے کتنی حسیں وہ سر زمیں
جان دے کر اپنی منزل کو جو پا جاتے ہیں لوگ
پھر بھلا کب لوٹ کر اس دشت میں آتے ہیں لوگ

عزیزوں اور دوستوں کے مرثیوں میں سب سے زیادہ پر درد مرثیے "گریۂ یعقوب" کے زیرِ عنوان ہیں جو لختِ جگر عبدالحسیب میاں (فلائٹ لیفٹیننٹ) کی اچانک وفات حسرت آیات پر لکھے گئے ہیں۔ طیارے کے حادثے میں کیا اسی بچے کو شہید ہونا تھا؟ بھائی صاحب اس مرحوم کے ساتھیوں سے یوں خطاب کرتے ہیں:

اے ہوا بازو! مرے لختِ جگر کے ساتھیو
آج تم کو دیکھ کر آنکھیں مری بھر آئیاں
مجھ کو اپنا شاہباز گرم خوں یاد آگیا
وہ بھی کرتا تھا کبھی یوں ہی فلک پیمائیاں

پھر کس قدر تڑپ کر کہتے ہیں:

اے ہمدمو! کہیں سے بلاؤ حسیب کو
کیوں روٹھ کر گیا ہے مناؤ حسیب کو
ارضِ وطن کو اس کی ضرورت ہے آج بھی
پراں ہے کس فضا میں بلاؤ حسیب کو
اب خواب ہی میں ہم سے ملادو کبھی کبھی
اے مادر و پدر کی دعاؤ حسیب کو
بے چین ہو نہ جائے کہیں اس کی روح بھی

Marfat.com

پیارو نہ میرا درد سناؤ حبیب کو
دیکھا ہے میں نے شب کے دھندلکے میں ہمسفر
عنقا و جبرئیل و ہما وُ حبیب کو ۔
رکھنا مدام اپنے تصرف سے شادکام
فردوس کی لطیف ہواؤ حبیب کو

آہ کس قدر حسرت ناک مرثیہ ہے ' اس بچے کے چند اوصاف ان اشعار میں بالواسطہ آجاتے ہیں

گردش وقت سے دولت نہ ہنر لیتا ہوں
اپنے حصے کی فقط گرد سفر لیتا ہوں
اب کوئی بھی نہیں جو پرسش احوال کرے
ہوں جو بیمار تو آپ اپنی خبر لیتا ہوں
مسکراتے ہوئے ' ہر شخص سے ملنے والے
میں ترا نام بھی بادیدۂ تر لیتا ہوں
یاد میں تیری نکلتے ہیں جو میرے آنسو
اپنے دامن میں انہیں مثل گہر لیتا ہوں
تو مجھے چھوڑ گیا' میں تری تصویروں سے
مشورے آج بھی اے جان پدر لیتا ہوں

جو شخص غیروں کے غم کو اپنا غم سمجھتا ہو اور جو دوسروں کی تکلیف سے بے قرار ہو جاتا ہو ' اسے اپنے بیٹے کی حسرت ناک موت سے کس قدر قلق ہوا ہو گا ؟ وہ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہیں ' اور کہتے ہیں

آتی ہے دکھ بھری صدا باغ سے عندلیب کی
جیسے کسی کو ہو تلاش اپنے کسی حبیب کی
وقت نے دی ہے ایسی مات ' ہو گیا میرا دن بھی رات
کس کو سناؤں جا کے بات پھوٹے ہوئے نصیب کی
کل مری منزل طرب بارگہ نشاط تھی
آج ہے میرے سامنے راہ غم و نشیب کی
بخت اگر خلاف ہو ' کرتا ہے نوش کارنیش
آئے اجل تو کوئی پیش جاتی نہیں طبیب کی
کون اسے بلا کے لائے خلد بریں سے دوستو!

Marfat.com

آج یکم اگست ہے سالگرہ حبیب کی

ایسے پیارے بیٹے کی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی اب آنسوؤں کی جھڑی لگا دیتی ہیں

تو نے پودے جو لگائے تھے وہ اشجار بنے
نونہالوں سے درختان ثمردار بنے
کھیلتے کھیلتے جو بیج تھے بوئے تونے
پھیلتے پھیلتے اب وہ گل و گلزار بنے

اور کس دل اور کس قلم سے یہ اشعار نکلے ہوں گے

ایسے گئے کہ مڑ کر دیکھا نہ اک نظر بھی
اپنے پرائے سب سے بیگانہ ہو گئے تم
ہنستے ہنساتے کیسی چپ لگ گئی یہ تم کو
افسانہ کہتے کہتے اُفسانہ ہو گئے تم

ایک دکھیا باپ ایسے بیٹے کو جگہ جگہ ڈھونڈتا ہے

یہ دھوپ، یہ برکھا، یہ شفق اور ستارے
ہیں کتنے دلاویز زمانے کے نظارے
آکاش پہ گھنگھور گھٹا جھوم رہی ہے
توکون سی بدلی میں چھپا ہے مرے پیارے

جب وہ بیٹا کہیں نظر نہیں آتا تو پھر اس کی سالگرہ کے موقع پر اس سے ایک دن ہی کے لیے خلد سے آجانے کی آرزو کرتے ہیں

آجا فقط اک دن کے لیے خلد سے آجا
ترسی ہوئی آنکھوں کو جھلک اپنی دکھا جا
کیا رنگ ہیں کیا ڈھنگ ہیں اس عالم نو کے
کچھ ہم کو بھی فردوس کے احوال بتا جا

اللہ اللہ یہ غم کتنا جانکاہ اور روح فرسا ہو گا اور اس سے ایسے حساس باپ کے دل و دماغ پر کیا گزرتی ہوگی!

حافظ نے کسی ایسے ہی موقع پر کہا ہو گا

گر سنگ زیں حدیث بنالد عجب مدار
صاحب دلاں حکایت دل خوش اداکنند۔

Marfat.com

اس کیفیت کا کچھ اندازہ اس نظم سے بھی ہو سکتا ہے

کتنا اداس ' کتنا پریشاں ہوں آج کل
یکسر مثالِ آئینہ حیراں ہوں آج کل
کیا ہو گیا کہ چھوڑ کے یاروں کی محفلیں
خلوت کدوں میں سرگریباں ہوں آجکل
بھولی ہوئی دعائیں بھی آنے لگی ہیں یاد
محسوس ہو رہا ہے مسلماں ہوں آج کل
سینے کے داغ شعلہ صفت جل کے بجھ گئے
اک بے چراغ سرد چراغاں ہوں آج کل
لگتی ہے آنسوؤں کی جھڑی بات بات پر
گریاں مثال ابر بہاراں ہوں آج کل -
اخلاص دوستاں میں کہیں فرق آ نہ جائے
آشفتہ حال و سوختہ ساماں ہوں آجکل
تھی میری زندگی کبھی اک خواب دل نشیں
تعبیر خواب ہائے پریشاں ہوں آجکل
احباب ڈھونڈتے ہیں مجھے شہر میں حمید
میں ساکن دیار خموشاں ہوں آج کل

مجموعہء کلام "شام صحرا" میں ایک حصہ قطعات کا ہے جس میں ۱۹۲۸ء کی یہ رباعی بھی شامل ہے

امید یہ تھی کہ جلد لوٹ آؤ گے
آنکھوں میں نگاہ بن کے بس جاؤ گے
خط کیسا؟ کہاں کا نامہ ؟ کس کا پیغام
ہم کیا ہیں ہمیں جو یاد فرماؤ گے

یہ کلام ۱۵- ۱۶ سال کی عمر کا ہے ' چار سال کے بعد جب اسلامیہ کالج لاہور میں تھے تو کیسی پیاری تمثیلوں کے ساتھ اپنے احباب کو یاد کرتے ہیں

عالم غربت میں یاد آتی ہے یوں احباب کی
دور سے گونجے کہیں جیسے نفیری خواب کی
یا گھنے جنگل میں ' ندی کے کنارے ' وقت شب

جس طرح چمن چمن کے آئے چاندنی مہتاب کی

چھ سال کے بعد اپنے ایک دوست کو شباب ثاقب کے دو ٹکڑے پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں

آج فیض عشق سے کونین پر چھایا ہوں میں
بار ہا عرش بریں کی سیر کر آیا ہوں میں
اس توقع پر کہ شاید تم کرو ان کو پسند
بام گردوں سے ستارے توڑ کر لایا ہوں میں

یہی قطعہ اس مجموعہء کلام میں بطور "تقدیم" بھی درج ہے۔ حمید کو قدرتی مناظر اور صحراؤ کارواں کے متعلقات شروع ہی سے بہت پسند ہیں۔ اس لیے جگہ جگہ اسی طرح کی تمثیلیں اور تشبیہیں ان کے یہاں نظر آتی ہیں

سیر کو آئی ہیں شالامار میں ہمجولیاں
دیکھتی ہیں اپنی گردو پیش مڑ کر باربار
جا رہی ہو جس طرح صحرا میں ہرنوں کی قطار
یا فضا میں اڑ رہی ہوں سارسوں کی ٹولیاں

مختلف ہوتا ہے انساں مختلف اوقات میں
خود بدل جاتا ہے دل بدلے ہوئے حالات میں
وقت کے جھولے پہ فطرت جھولتی ہے اس طرح
جھومتی ہیں جس طرح شاخیں بھری برسات میں

ایک تارا سحاب پاروں میں
چاند کے ساتھ ساتھ جاتا ہے
نور و ظلمت کی رہگزاروں میں
دوستی کے دیئے جلاتا ہے

یہ شام کا ہنگام ، یہ دریا کا کنارا
ایک وادی ویراں میں کھڑا سوچ رہا ہوں
پہلے بھی یہ منظر میں کہیں دیکھ چکا ہوں

ماضی کے جزیروں سے مجھے کس نے پکارا

ہم آوارہ بنجارے ہیں ، نگری نگری جاتے ہیں
دیس دیس کے سیلانی ہیں گیت نرالے گاتے ہیں
ایسی ایک انوکھی بستی اپنی راہ میں آتی ہے ،
جس سے آگے بڑھتے ہیں تو پھر واپس لوٹ آتے ہیں

"صحرا پسندی" کے متعلق خود بھی کہتے ہیں

شعار انجمن میرا ، نہ اسلوب چمن میرا
مجھے شہروں سے کیا مطلب کہ صحرا ہے وطن میرا
مری آنکھوں میں پھرتے ہیں وہ ٹیلے ریگزاروں کے
جہاں کرتی تھی استقبال سورج کی کرن میرا

بھائی حمید کو غزل سے زیادہ نظم پسند ہے - اسی لیے راقم الحروف نے غزل کے اشعار اس مضمون میں مؤخر کر دیئے ہیں - بہر حال غزل کے میدان میں بھی وہ کسی استاد سے ہیٹے نظر نہیں آتے - ذیل کے اشعار ملاحظہ ہوں

پاس مزاج نازک صیاد دیکھنا
خود جارہے ہیں سوئے قفس آشیاں سے ہم
وہ دور ہیں تو دل کو ہے اک اضطراب سا
وہ آئیں گے تو آپ میں آیا نہ جائے گا
بڑھتا جاتا ہے محبت میں مرا کیف نظر
ان کے ہی جلووں کو تاحد نظر پاتا ہوں میں
بہتے ہوئے پانی کی روانی ہے جوانی
اس منظر فانی کی چمک یاد رہے گی
وہ بیگانہ وشی اس کی جو پہلے تھی سو اب بھی ہے
مگر جی چاہتا ہے پھر بھی اس کو آشنا کہیے
ڈھل چکی رات مگر بزم کی رونق ہے وہی
کتنی پر کیف ہے عشرت گہ رنداں اب تک
زندگی اپنے ہی جلووں میں ہوئی جاتی ہے گم

Marfat.com

جس طرح چھپ جائے منظر بارش انوار میں
وہاں گئے بھی تو اظہار مدعا نہ ہوا
پلٹ پلٹ گئے الفاظ لب تک آئے ہوئے
ہم زندگی میں جب بھی کبھی تشنہ لب ہوئے
لہرائیں دور دور سے موجیں سراب کی
مسافر بن کے آیا تھا ' اسے جانا ہی تھا آخر
مگر جب وہ گیا تو بزم میں ہر شخص تنہا تھا

جس شخص کا ذوق اتنا بلند ہو اور جس کے انداز میں ایسی دلکشی ہو اس کے لیے " یارانِ نکتہ داں " کچھ نہ کہیں تو یقیناً" عجیب بات ہو گی۔ لیکن وہ اپنی طبعی بے نیازی سے کام لیتے ہوئے فرماتے ہیں

مرا مقام سخن جانتے ہیں ' سب چپ ہیں
کوئی گلہ نہیں یارانِ نکتہ داں سے مجھے

میرا خیال ہے کہ " یارانِ نکتہ داں " کے لیے ان کا " مقام سخن " متعین کرنا اتنا آسان نہ ہو گا۔ بڑے سے بڑا نقاد بھی اہل فن کی عظمت کو ان کی ناموری کے پیمانے سے ناپتا ہے ' مگر حمید حصول شہرت کے مواقع سے بے تعلق رہے ہیں۔ تاہم کسی بھی انصاف پسند سخن شناس کو " شام صحرا" میں شفق شام کی رنگینیاں اور سکوت صحرا کی سحرانگیزیاں قدم قدم پر بکھری پڑی ملیں گی۔ " جدید تر" شاعری کے اس دور میں جس نے قارئین ادب کو شعر و شاعری ہی سے متنفر کر دیا ہے۔ ایک عرصے کے بعد ایک ایسا مجموعہء کلام سامنے آیا ہے ' جس کو پڑھ کر کوئی ذوق سلیم رکھنے والا قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ " شام صحرا" یقیناً" اس عہد کی ایک عظیم کتاب ہے اور اس کا مصنف ایک عظیم شاعر۔ اس مجموعہ کلام کے تصویر خانے میں جلوہ ہائے نوبہ نو اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔ ارباب ذوق اس کی سیر کر کے اپنے ذوق کے مطابق مشام جاں کو معطر کر سکتے ہیں۔ میں حافظ کے الفاظ میں انہیں دعوت نظارہ دیتا ہوں

تو نیز بادہ بچنگ آر و راہ صحرا گیر
کہ مرغ نغمہ سرا سازِ خوش نوا آورد

مدینۃ العلم جامعہ مجددیہ
نور آباد۔ فتح گڑھ سیالکوٹ